مشائخ احمد آباد

جس میں شہر کی ابتدائی تاسیس سے لے کر نویں صدی
تک کے بزرگوں کے حالات مذکور ہیں۔

تالیف

مولانا محمد یوسف ابن سلیمان متالا

مشائخ احمد آباد

(جلد اوّل)

جس میں شہر کی ابتدائی تاسیس سے لے کر نویں صدی تک کے بزرگوں کے حالات مذکور ہیں۔

تالیف

قطب الاقطاب حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کے خلیفۂ اجل

مولانا محمد یوسف ابن سلیمان مُتالا

PUBLISHER

AMREEN BOOK AGENCY

105, Block-8, Municipal Quarters, Nr. Kanch Ki Masjid
Jamalpur, Ahmedabad-380022
(Mobile : 8401010786)
amreen.book.agency@gmail.com

بسم اللہ الکریم

بخدمت حضرت حافظ صغیر احمد صاحب مدفیوضکم

سیّدی قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمدؐ زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کا علمی، عوامی ہر طرح کی تصانیف کے سلسلہ میں یہ معمول تھا کہ اپنے معاصرین میں سے کسی کی نظر ثانی کو اس پر ضروری سمجھتے تھے چاہے وہ حضرت کے شاگرد ہی کیوں نہ ہوں۔ اس پر عمل کا ارادہ جب میں نے مشائخ احمد آباد کے سلسلہ میں کیا تو چونکہ یہ صدیوں پہلے کے اہل علم کے احوال تھے جن میں صوفیاء، محدثین، مفسرین شعراء ہر قسم کے حضرات تھے اس لیے سوچا کہ کسی علمی شخصیت کی نظر سے یہ کتاب گذر جائے تو بہت اچھا ہوگا۔ چنانچہ تصنیف بلکہ کتابت کے بعد طباعت کو موقوف رکھا گیا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ قیام کے دوران مفتی اعظم حضرت مفتی محمود حسن صاحب عمرہ کے لیے تشریف لائے تو مفتی صاحب کے وہاں قیام کے دوران احقر انہیں یہ کتاب سناتا رہا کیونکہ مفتی صاحب ان دنوں لکھنے پڑھنے سے معذور تھے اور بحمد اللہ جلد اوّل معتد بہ حصّہ سن کر حضرت نے تشجیعی کلمات بھی فرمائے۔ مگر پھر بھی طباعت کی ہمّت نہ ہوئی کہ کاش کوئی صاحب علم بنظرِ اصلاح پوری کتاب دیکھ لیتا۔ اللہ کا کرم کہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اوکسفورڈ اسلامک سینٹر کی دعوت پر برطانیہ تشریف لائے اور ہماری دعوت پر دار العلوم ہولکمب بری بھی تشریف لائے۔

اس سفر میں حضرت کے ساتھ پروفیسر خلیق احمد نظامی ڈائرکٹر شعبہ تاریخ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی بھی تھے جو مشائخ چشت پر وقیع کتب کے مصنف تھے اور اس

سفر میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نے نظامی صاحب کے متعلق یہ کلمات بھی فرمائے کہ "ایشیا کی اسلامی تاریخ پر نظر میں اس وقت ان کی نظیر نہیں"۔

چنانچہ احقر نے مشائخ احمد آباد کی دونوں جلدیں بقصد اصلاح و تصحیح نظامی صاحب کو پیش کیں اور انہوں نے کتاب کو ملاحظہ فرما کر ذیل کا مکتوب ارسال فرمایا۔

مگر ان کی تمنّا اور خواہش کے مطابق اس پر تفصیلی مقدمہ نہ لکھ سکے یا کوئی تحریر لکھی ہو اور اس کی ترسیل سے قبل معذوری اور بالآخر وقت موعود آپہنچا۔ اللہ تعالےٰ انہیں اس شفقت تعلق اور محبت کی بے حد جزائے خیر دے۔

محمدؐ یوسف
خادم مدرسہ
دار العلوم ہولکمپ بری
برطانیہ

تقریظ

باسمہ تعالی

پوسٹ باکس ۱۹، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ ۱۳ اگست ۱۹۹۲ء

حضرت مولانائے محترم زید لطفہ۔۔۔ السلام علیکم ورحمہ اللہ۔

گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا جس کے ساتھ ہی آپ کی کتاب کے بعض حصے بھی منسلک تھے، نوازش اور کرم فرمائی کے لئے ممنون ہوں، اللہ تعالی جزائے خیر دے۔

آپ کے جو مضامین آئے تھے وہ سب چھپ گئے ہیں، انہیں روکنے کا وقت ختم ہو گیا۔ اب ان شاء اللہ جو تازہ مضامین بھیجے ہیں، انہیں حسب سہولت اور گنجائش شائع کیا جائے گا۔

معارف کے خاص نمبر کی اشاعت سے معذوری ہے، علاوہ ازیں اس طرح کی نئی اشاعت کے لئے مجلس انتظامیہ سے منظوری بھی ضروری ہے، معلوم نہیں اس کا کیا رویہ ہو، میرے خیال میں وہ بھی اشاعت کی اجازت نہ ہوگی۔ پھر جب آپ کی کتاب چھپ رہی ہے جس کے لئے ایک صاحب آمادہ بھی ہو گئے ہیں تو میرے خیال میں اس کی ابتدا کر دیجئے۔۔۔۔۔

والسلام محتاج دعاء

ضیاء الدین

تقریظ

ضیاء الدین ڈیسائی

باسمہ سبحانہ

۱۴ خورشید پارک احمد آباد

۳۸۰۰۵۵

محترمی ومکرمی مولانا دام مجدکم بعد سلام مسنون

کافی دن ہوئے جناب عالی نے تحریر فرمایا تھا کہ مشائخ احمد آباد کی جلد اول کتابت کے لئے بھیج دی گئی ہے اور طباعت کے بعد ایک کاپی مجھے بھجوانے کی مہربانی فرمائیں گے، کتاب کا انتظار ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر باقر علی مرحوم کے انگریزی پی ایچ ڈی کے مقالے گجرات کا عربی ادب کی نقل میں آپ کو ارسال نہ کرسکا، میرے مرحوم دوست پروفیسر احمد قریشی صاحب جن کو میں نے نسخہ اس کا دیا تھا ان کے ہاں ان کی اہلیہ کی پاکستان سے واپسی کے بعد میں نے ان کی کتابوں میں دیکھا تو وہ ٹائپ شدہ مسودہ نہیں ملا، نہ یہ پتہ چلا کہ اس کا کیا ہوا، میں خود اکتوبر ۱۹۹۲ء میں پاکستان گیا تھا وہاں بھی باقر علی صاحب مرحوم کے بھائی مرحوم جاوید علی ترمذی کے خانوادے میں تفتیش کی ان کے پاس بھی نسخہ نہیں ہے۔

بمبئی یونیورسٹی میں اس کا نسخہ ہے لیکن وہ لوگ اس کی نقل کی اجازت نہیں دیتے، ویسے میں نے اس مقالے کو دیکھا ہے اور یہ گجرات کے عربی دان علماء کی عربی ادب میں تالیفات سے

متعلق ہے، البتہ ان میں چند مشائخ بھی حضرت شاہ عالم بخاری یا شیخ حسن محمد چشتی وغیرہ مذکور ہیں جن کی عربی تالیفات ہم تک پہنچی ہیں، لیکن مشائخ کے لئے یہ بہت زیادہ کام نہیں دیتی، البتہ جیسا کہ میں نے اپنے گذشتہ خط میں لکھا تھا احمد آباد کی خانقاہ چشتیہ میں منجملہ تقریباً ایک ہزار مخطوطات میں اس کے مشائخ اور بزرگوں کا تذکرہ موسوم بہ مخبر الاولیاء ہے، اس میں احمد آباد کے بزرگوں کے بارے میں نہایت اہم اور نادر معلومات ہیں لیکن اس کی نقل حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔

اس کا نہایت ہی ناقص اور غلط نسخہ تقریباً ۱۹۰ صفحوں کا بمبئی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہے، لیکن وہاں سے بھی اس کی نقل کی میری کوشش بارآور نہیں ہوئی، ابھی ابھی مجھے پتہ چلا ہے مخبر الاولیاء کا احمد آباد والا نسخہ ۹۰۰ صفحات پر محتوی ہے اور آخر کے کچھ یا ایک دو اوراق غائب ہیں اگر چہ یہ نسخہ تیرھوی صدی ہجری کے اسی چشتیہ خاندان کے ایک بزرگ رشید الدین لالا چشتی نے لکھا ہے یعنی کافی بعد کی چیز ہے، تاہم اس میں جو معلومات ہیں وہ کسی اور جگہ نہیں ملتیں۔ دوسرے انہوں نے مکرراً انہی کے خاندان کے بزرگوں کے حالات کے لئے چار چھ کتابوں کے حوالے دئے ہیں وہ کتابیں بھی غالباً ان کے ہاں ہوں گی، یہ دیکھنے کو مل جائیں تو ہماری معلومات میں اضافہ ہو۔ ویسے میری کوشش جاری ہے کہ اس کتاب کی نقل نہیں تو کچھ یادداشتیں نقل کرلوں۔ اب دل کے عارضے کے شکار کی وجہ سے میری نقل وحرکت پر کچھ پابندی ہے اور دوڑ دھوپ کے قابل نہیں ہوں، بہر حال دیکھئے اللہ کو کیا منظور ہے۔

ویسے میں ان شاء اللہ مئی کے ۱۵ کے لگ بھگ لندن چار چھ روز کے لئے آرہا ہوں، میں ۲۵

اپریل کو ان شاء اللہ بمبئی سے امریکہ جارہا ہوں ، وہاں میرے ایک امریکن دوست جو پروفیسر ہیں ان کے ساتھ تاریخ شاہجہاں کے پروجکٹ کے سلسلے میں لندن آنا ہوگا۔لندن سے ہی دونوں ان شاء اللہ ہندوستان ساتھ واپس ہوں گے ۔لندن میں برٹش لائبریری اور ملکہ ایلزبتھ کے ذاتی کتب خانے ونڈسر پیلیس میں بادشاہ نام کا نسخہ دیکھنا ہے۔
پتہ نہیں میرا قیام کہاں ہوگا ,گذشتہ مرتبہ ہم دونوں ایک ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔یہ بھی پتہ نہیں کہ جناب کے دارالعلوم کی جائے وقوع لندن سے کتنے فاصلے پر ہے۔اگر زحمت نہ ہوتو اس خط کی رسیداور ہالکمب کی جائے وقوع کے بارے میں مطلع فرمائیں۔میرا پتہ مندرجہ ذیل ہے:
جناب والا کے مراسلے کا انتظار رہے گا۔اگر نیاز حاصل کرنے کی کوئی صورت نکل آئی تو ان شاء اللہ بالمشافہ تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

طالب دعا

ضیاء الدین ڈیسائی

جناب ڈیسائی صاحب مرحوم کے شاید دیگر تاریخی مکاتیب
بھی اسی طرح کے مل گئے تو شائع کریں گے باذن اللہ۔

تقریظ

باسمہ سبحانہ وتعالی

مخدومی المکرّم محسن المعظم ذو المجد والکرم اطال اللہ ظلال برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج والا بعافیت ہوں گے اور خدائے پاک ہمیشہ بایں فیوض وبرکات بصد ہزار عافیت رکھے۔ یہ ناکارہ بھی بدعاء آنمخدوم بحمد اللہ واحسانہ تعالی بخیر ہے۔

جناب والا کی تالیف تاریخ مشائخ احمد آباد کی کتابت قریب بتکمیل ہے, اس کے مقدمہ اور سرورق کا انتظار ہے۔ امید کہ جلد ارسال فرما کر احسان فرمائیں گے۔

جامعہ محمودیہ کے لئے جو سامان ارسال فرمایا تھا بحمد اللہ سب پہنچ گیا۔ مادی معنوی اعلی ترقیات بسہولت وعافیت تمام ضروریات کی تکمیل اور تمام شرور وفتن ومکارہ سے حفاظت کی دعاء کی درخواست ہے, خود یہ نکارہ جناب والا کی دعاء وتوجہ کا بہت محتاج ہے۔ اخلاص و استقامت اور قبولیت کی دعاء فرما کر کرم بالائے کرم فرمائیں۔۔۔

آنانکہ خاک را کیمیا کنند　　آیا بود گوشۂ چشمے بجا کنند

جناب والا کی کریم ذات سے امید ہے کہ محروم نہیں فرمائیں گے۔

والسلام مع الاکرام

العبد فاروق غفرلہ　　۱۴۱۲/۱۰/۸ھ

جامعہ محمودیہ

مشائخ احمد آباد کی پہلی طباعت کی تیاری کا اس مکتوب میں ذکر ہے۔

تقریظ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء

محترم المقام مولانا متالا صاحب مدفیوضہ، سلام مسنون

"مشائخ احمد آباد" کی دونوں جلدیں پہونچ گئیں۔ عرصہ سے میں ان کے لئے چشم براہ تھا۔ رسید لکھنے میں دیر کا سبب طبیعت کی ناسازی تھی۔ میرے بلیڈر میں پتھر ہیں جن کی وجہ سے پچھلے کچھ دنوں سے شدت کا درد ہونے لگا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے۔ آمین۔

میں عرصہ سے "مشائخ احمد آباد" کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان جلدوں کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ علم، تعلق اور جذبہ نے مل کر اس میں عجیب دلکشی پیدا کردی ہے۔

۱۔ میرا خیال ہے کہ جلد ایک ہی رہنی چاہئے۔ چونکہ صرف ایک طرف عکس لیا گیا ہے، اس لئے دو جلدوں کا حجم ہوگیا ہے۔ طبع ہوکر حجم ایک جلد کا ہوجائے گا جو نہایت مناسب رہے گا۔

۲۔ کتابت اوسط درجہ کی ہے۔ لیکن دوسری کتابت کی قطعاً ضرورت نہیں۔

۳۔ تصحیح کتابت کا کام احتیاط سے ہوجائے تو بہت اچھا ہو۔

۴۔ آپ مجھ سے کس نوعیت کی تحریر چاہتے ہیں اور اس کو کس طرح استعمال کرنا ہے۔ مقدمہ، پیش لفظ، ریویو یا کیا۔

آپ نے غالباً "یادایام "} مصنفہ مولانا حکیم سید عبدالحی رحمہ اللہ { پر میری تحریر دیکھی ہوگی۔ بہرحال تعمیل ارشاد ہوگی۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ آپ کے دورہ؟ حدیث میں شرکت کروں, لیکن علالتوں کی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا۔ بیوی کی طبیعت بفضلہٖ بہتر ہے۔ وہ بعد سلام آپ کی پرسش احوال کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

والسلام

مخلص خلیق احمد نظامی

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ

(ق)

تقریظ

فقیہ الامت جامع المعقول والمنقول جامع الشریعۃ و الطریقۃ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی زید مجدہم

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد : اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے اخلاقِ فاضلہ کے حامل بندوں کو بھیجا کسی نے یکسوئی کی زندگی گذاری اور مدت معینہ پر رخصت ہو گئے، کسی نے آہ و بکا کے ساتھ گذارہ کیا کسی نے تلامیذ بہت سے چھوڑے۔ الغرض ہر ایک کی زندگی میں کچھ اوصاف تھے جو ان کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئے۔ پھر بعد کے لوگوں نے ان کے حالات کو قلمبند کیا، اور بہت کچھ خود بھی فائدہ اٹھایا اور مخلوق کو بھی فائدہ پہنچایا، اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ زیر نظر کتاب ہے، پڑھنے والوں کو اس سے بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر دے حضرت الحاج مولانا یوسف متالا صاحب کو کہ انہوں نے مشائخ احمد آباد کے حالات اخلاق واعمال، خدمات کو جمع کیا، اور امت کے سامنے پیش کر دیا اور اس کا نام بھی مشائخ احمد آباد تجویز کر دیا، احمد آباد ایک مدت دراز تک سفینۂ علم وعمل رہا ہے۔ ان کے احوال پڑھنے والوں کو بہت فائدہ ہو سکتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بے حد قبول فرمائے اور مفید و نافع بنائے۔ آمین۔

فقط والسلام

املاہ العبد محمود غفرلہ

چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند ۲۴ $\frac{4}{12}$ ۱۴۰۰ھ

عرضِ مرتّب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ اِمَامِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اَمَّا بَعۡدُ!

گجرات میں مقیم قبائل اور خاندانوں کے جو نام مسلمانوں میں رائج ہیں مُثلاً تلمی املا وغیرہ انکی اصل اور معانی کی تلاش کا خیال ہوا، مختلف زبانوں کی لغات ڈکشنریاں دیکھنے کے بعد بھی کوئی رہنمائی نہ مل سکی تو روضۂ شریفہ کی حاضری پر صلوٰۃ وسلام کے بعد اس کام کی صحیح سمت کی طرف رہنمائی اور تسہیل کے لئے راقم السطور نے دعار وتوجہ کی درخواست کی۔

جس کے فوراً بعد ہی عرض ومعروض قبول ہو جانے کے آثار اس شکل میں ظاہر ہوئے کہ "مُعۡجَمُ الۡقَبَائِلُ الۡعَرَبِیَّۃ" میں وہ تمام قبائل نکل آئے جو اس وقت گجرات میں انہی عربی ناموں کے ساتھ معروف ہیں۔ اور چارٹ کی شکل میں اس کو طبع کیا گیا۔ یہ تھی آپ کے زیرِ نظر کتاب کے لئے کاوش کی ابتداء، اس کے بعد کام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

ذخیرۂ کُتب کا مطالعہ کر کے مشائخ کے احوال کو جمع کرنے کی کوشش کی معتد بہ حصہ جمع ہو جانے کے بعد اشاعت کے لئے ترتیب یہ سوچی گئی کہ متعدد جلدوں میں اس کو شائع کیا جائے۔ چنانچہ مشائخ احمدآباد آپ کے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمادے، ان حضرات علماء، مشائخ کے معارف وعلوم کو عام فرمادے اور عالم کو ان سے مستفید فرمادے۔ آمین یارب العالمین۔

اس کتاب میں ایسے حضرات کا تذکرہ بھی ہے جنکا طویل قیام نہیں رہا بلکہ اثناءِ سفر میں وقتی طور پر قیام کیا ہوگا۔ مگر پھر بھی ہم نے یہاں ان کا ذکر اس لئے کر دیا ہے کہ علمی اور روحانی سلسلے ایسے ہیں جس کے لئے اتنا قیام بھی صدیوں تک سلسلہ کی ترویج واشاعت کے لئے بنیاد بن جاتا ہے۔

اہلِ علم وفضل ومشائخ میں سے احمد آباد کے واردین وصادرین تک کو بھی ہم نے اس میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ احمد آبادی (منسوب بہ احمد آباد) حضرات کا ذکر صرف مدّنظر نہیں کیونکہ کسی جگہ کی طرف نسبت کے لئے یا تو مولد، مدفن دونوں شرط یا دونوں میں سے ایک ضروری یا جیسا کہ عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ چار سال وہاں کا قیام ضروری ہے۔ تب اس مقام کی طرف نسبت کی جاسکتی ہے۔ (تدریب الراوی ص۵۳۴)

چونکہ یہ کتاب برطانیہ میں ترتیب دی گئی جہاں مراجع ہندوستان کی طرح بسہولت میسّر نہیں اس لئے جتنے حضرات کے احوال مل سکے ان پر اکتفاء کیا گیا۔ استیعاب کے ارادے سے کتاب کی اشاعت کی تاخیر کی رائے نہیں ہوئی اسی لئے بعض حضرات کے ذکر وتذکرے پر یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اس میں جن اساتذہ اور تلامذہ کا ذکر ہے ان کے احوال مذکور نہیں۔

اسی بنا پر بعض بہت مشہور حضرات کے احوال میں بھی تشنگی محسوس ہوگی۔ راقم الحروف کا نشو ونما گجرات میں ہونے کے باوجود احمد آباد کی زیارت نہ ہوسکی حالانکہ ہزاروں دفعہ سڑکوں پر نصب کیا ہوا کتبہ کہ احمد آباد یہاں سے اتنے میل ہے نظروں سے گذرتا رہا، دیہاتی پن کا غلبہ یا بے ذوقی کہئے کہ ایسے تاریخی شہر کی زیارت سے محرومی رہی۔

ایک دفعہ زیارت کا شوق ضرور ہوا جب میں نے ایک دوست سے

پوچھا کہ آپ کو یہ قبور کے مکاشفہ کی ابتداء کیسے ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ شاہ احمد کھٹوئیؒ کے مزار پر حاضری کے ساتھ ہی یہ سلسلہ انکی ہم کلامی کے شرف سے شروع ہوا۔

قارئین میں سے جو حضرات تاریخ داں ہیں وہ بقصد اصلاح مطالعہ فرمائیں اور راقم الحروف یا ناشرین کو اغلاط سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ کی اشاعت میں ان اغلاط کی اصلاح کرلی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان قدسی صفات اولیاء کے مجاہدات اپنانے کی اور ان کے علمی روحانی سلاسل سے وابستہ رہنے کی ہم سب کو توفیق عطاء فرمائے۔ انکی طرح سے عشقِ الٰہی اور عشقِ محمدی کی دولت سے ہمیں بھی سرشار فرمائیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وصحبہ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ط

یوسف متالا

جمعۃ المبارک ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

قدوم صحابۂ کرام سب سے پہلے گجرات میں

امیرالمومنین سیدنا عمر بن خطاب رضؓ نے ۱۵ھ/۶۳۶ء میں جب حضرت عثمان بن ابی العاص رضؓ کو بحرین اور عمان کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہوں نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاص رضؓ کو فوج دے کر گجرات روانہ فرمایا۔ بمبئی کے قریب تھانہ اور بھروچ وغیرہ فتح کرکے یہ فوج سالم و غانم واپس گئی اور دوسری مرتبہ حکم بن ابی العاص رضؓ نے بھروچ وغیرہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کیا اور اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاص رضؓ کو دیبل (یا دیول) جو بندر لاہری سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے اس پر حملے کے لیے بھیجا اور دونوں جگہ کامیابی حاصل ہوئی۔

پھر امیرالمومنین سیدنا عثمان رضؓ نے اپنے دور خلافت میں ہندوستانی علاقے پر برابر توجہ مرکوز رکھی اور گورنر عراق عبداللہ بن عامر بن کریز کو اس کا حکم دیا جنہوں نے تحقیق کیلئے حکیم بن جبلہ العبدی کو بھیجا۔

امیرالمومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ۳۹ھ/۶۵۹ء میں حارث بن مرہ عبدی کو اس طرف بھیجا اور انہوں نے کامیابی حاصل کی اور وہ (۴۲ھ/۶۶۲ء) میں شہید ہوئے۔

سیدنا حضرت معاویہ رضؓ کے دور میں (۴۴ھ/۶۶۴ء) میں مہلب ابن ابی صفرہ نے اس علاقے میں جہاد کے تسلسل کو جاری رکھا۔ والی سجستان عباد بن زیاد ۵۳ھ سندھ اور کچھ فتح کرتے ہوئے گجرات کی بندرگاہ قندھار (گندھار) آئے سخت مقابلہ ہوا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے۔ وفتحها بعد ان أصيب رجال من المسلمين (معجم البلدان صفحہ ۱۶۲)

یہاں تک کہ ۸۶ھ/۷۰۵ء میں ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت

تھا چونکہ حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ اس لئے اس نے حضرت محمد بن قاسم کو سندھ و ہند پر مامور فرمایا۔ اور ۹۳ھ / ۷۱۱ء بروز جمعہ محمد بن قاسم دیبل (سندھ) پہنچے۔ اور راجپوتانہ کے قریب تک کے سارے گجرات کے علاقے کو فتح کر لیا۔ اسی لئے جب محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو مارا ہے بھروچ میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی اس قدر تھی کہ انہوں نے اس فتح کی خوشی میں اپنے یہاں بھروچ اور کھیڑہ میں راجہ داہر کے قاتل مسلمان مجاہد اور مقتول راجہ داہر اور ہر دونوں کا مجسمہ بطور یادگار نصب کیا۔ [۱]

اور ایک روایت یہ ہے کہ بھروچ اور کھیڑہ میں راجہ داہر اور اس کے قاتل قشم بن ثعلبہ اور محمد بن قاسم تینوں کی یادگاریں قائم کی گئیں۔ مگر مقدر کہ حضرت محمد بن قاسم کو صرف تین سال ملے ورنہ اسی وقت سے یہاں مضبوط و مستحکم حکومت قائم ہو جاتی۔

جب ۹۶ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے آپ معزول کر کے واپس بلا لئے گئے تو آپ کے بعد یزید ابن ابی کبشہ سکسکی پھر حبیب بن مہلب پھر عمر بن مسلم باہلی اس علاقے میں آئے۔ اس کے بعد ۱۰۷ھ میں جنید بن عبدالرحمن مرّی نے سندھ میں استحکام کے بعد گجرات کا رخ فرمایا۔ اور مارواڑ اور وہاں سے مانڈل جو ویرم گاؤں کے قریب ہے وہاں سے دھنج اور وہاں سے بھروچ تشریف لائے۔ اور خود جنید مالوہ کی طرف چلے گئے۔ اور حبیب بن مرّہ کو اجین کی طرف بھیجا اسی سفر میں بھرمد اور بھیل مال کے گجراتی علاقے بھی فتح ہوئے (یہ دھنج نہروالہ پٹن سے آگے رادھن پور کے قریب آباد تھا۔)

جنید بن عبدالرحمن کے بعد تمیم ابن عتبی پھر حکم بن عوانہ وغیرہ دوسرے حضرات

---

[۱] خلافت امویہ اور ہندوستان ص ۲۸۵۔

اس علاقے پر مامور ہوتے رہے ۔ یہاں تک کہ عباسی دور شروع ہوا اور سنہ۱۵۱ھ کے لگ بھگ خلیفہ منصور عباسی کی طرف سے ہشام بن عمرو تغلبی حاکم سندھ نے عمر بن جمل کو گجرات کی طرف خبر گیری کے لئے بھیجا ۔ وہ بھروچ کے قریب باربد (بھاڑ بھوت) پر لنگر انداز ہوئے ۔ اور خود ہشام بن عمرو نے ایک بحری بیڑا گندھار (گندھارا) کیلئے روانہ کیا جو ایک بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ تھی ۔

اہل بیت میں سے الاشتر عبداللہ بن محمد اپنے والد کے شہید کئے جانے کے بعد کوفہ آئے وہاں سے بصرہ پھر منصورہ سندھ ہوتے ہوئے یہاں قندھار پہنچے تھے ۔ [۱]

ابن بطوطہ اپنے سفر میں کادی سے جہاز میں سوار ہو کر یہیں اترے تھے ۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ یہاں کے راجہ کا نام جالسی ہے وہ بادشاہِ اسلام کے ماتحت ہے ۔ اور ہر سال خراج ادا کرتا ہے ۔ جب ہم قندھار پہنچے تو وہ ہمارے استقبال کو باہر آیا تعظیم کی اور اپنا محل خالی کر دیا اور ہمیں اس میں اتارا ۔ غرض ہشام بن عمرو تغلبی فاتحانہ قندھار میں داخل ہوئے اور ایک بدھ مدرسے کی جگہ مسجد تعمیر کروائی ۔

خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۵۹ھ / ۷۷۵ء میں عبدالملک بن شہاب مسمعی کو جہاد کے لئے بھیجا جن کے ساتھ فوج کے علاوہ منظوعین (والنیٹر VOLENTEER) علماء و مشائخ کی ایک جماعت بھی تھی ۔ یہ مجاہدین بھروچ کے قریب بھاڑ بھوت شہر میں اترے اور یہاں فتح پائی مگر یہاں کے قیام میں وبا پھیلی جس میں فوج کے کافی مجاہدین شہید ہو گئے ۔ جن میں ابوبکر، ربیع ابن صبیح سعدی بھی ہیں ۔ جو جلیل القدر تابعی اور عظیم محدث ہیں ۔

---

[۱] مقاتل الطالبین ص۳۱۱ ۔

اس کے تقریباً چالیس سال بعد مامون کے دور خلافت میں فضل بن ماہان نے بمبئی اور سورت کے درمیان "سندان" نامی ساحلی شہر فتح کیا جس کے متعلق فتوح البلدان میں ہے۔

كان الفضل بن ماهان مولى بني سامة فتح سندان وغلبها وبعث الى المامونؒ بفيل وكاتبه ودعا له في مسجد جامع اتخذه بها۔

بنو سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندان فتح کرکے اس پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور خلیفہ مامون کی خدمت میں ہاتھی بھیجا اور اس سے خط وکتابت جاری کی اور اس کے لئے جامع مسجد میں دعا کی جسے اس نے سندان میں تعمیر کیا تھا۔

(فتوح البلدان ص۴۳۳)

"سندان" اس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ بنو ہبّار کے دارالسلطنت منصورہ کے چار دروازوں میں سے ایک کا نام "باب سندان" تھا۔ سندان کی یہ حکومت اس قدر مضبوط تھی کہ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ "ان کے یہاں ایک بہت بڑا بحری بیڑا بھی تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

فلما مات قام محمد بن الفضل بن ماهان مقامه فساد في سبعين بارجة الى الهند فقتل منهم خلقا وافتتح قالى ورجع الى سندان وقد غلب عليها اخ له۔

(فتوح البلدان ص۴۳۲)

فضل بن ماہان کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا محمد بن فضل بن ماہان جانشین ہوا۔ اور ستر جہازوں کا بیڑا لے کر ہندوستان کے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے نکلا اور اور ان کی بڑی تعداد کو ختم کر دیا۔ نیز اس نے پالی (بالی تھانہ) کو فتح کیا اور جب سندان واپس آیا تو اس کا بھائی

سندان پر قبضہ کرچکا تھا۔

سندان کی حکومت کا حلقہ ابن خرداذبہ ۔۔۔۔۔ کی روایت کے اعتبار سے دہنج، پالی، اور بھروچ تک پھیل گیا تھا۔ پالی گھوگہ بندرگاہ کے قریب واقع ہے یہاں پالی تھانہ کا جینیوں کا مندر بھی بہت مشہور تھا۔

بحری قزاقوں کی سرکوبی کر کے محمد بن فضل واپس آئے تو ان کے بھائی ماہان بن فضل بن ماہان قابض ہو چکے تھے۔ مگر اس کو تو ہٹا کر عوام کی حمایت کیوجہ سے سولی دے کر ہلاک کر دیا گیا لیکن یہ نوخیز حکومت اس اختلاف کی متحمل نہ ہوئی اور مقامی غیر مسلموں نے دوبارہ سندان پر قبضہ کر لیا البتہ جامع مسجد اور اس کے اندرونی انتظام کو اپنے حال پر رہنے دیا۔

فتوح البلدان میں ہے۔

" وغلبوا علی سندان فترکوا مسجدھا للمسلمین یجمعون فیہ ویدعون للخلیفۃ۔"

آپس کے اسی اختلاف کو ابو العتاھیہ (م ۲۱۱ھ / ۸۲۶ء) نے ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔

ما علی ذا افترقنا بسندان   وما ھکذا عھدنا الاخاء

ہم نے کس بات پر سندان میں باہمی افتراق و اختلاف کیا ہم نے تو اس طرح کی بھائی بندی نہیں دیکھی تھی۔

تضرب الناس بالمھند البیض   علی غدرھم وتنسی الوفاء

تم لوگوں کو انکی بے وفائی پر ہندوستان کی شمشیر براں سے مار رہے ہو اور ان کی وفاداری کو بھول گئے ہو۔ (الاغانی ص۵۲ ج۴ طبع بیروت ۱۹۵۵ء)

بعد میں سندان (سنجان) ولہب رائے گجرات کے راجہ کی حکومت کا حصہ بن گیا جیسا کہ ابوالحسن، علی بن حسین مسعودی ۳۰۳ھ/ ۹۱۵ء میں ہندوستان آئے اس وقت سندان ولہب رائے کے ماتحت تھا۔ مسعودی لکھتے ہیں کہ: "یہاں سونے اور چاندی کی کانیں ہیں اور لین دین اسی سے ہوتا ہے۔ اور میں ہند کے ضلع لار (بھروچ سے تھانہ تک) کے شہر میمور (چیمور) میں داخل ہوا جو ولہب رائے کی سلطنت میں داخل ہے۔ اور یہ واقعہ ۳۰۴ھ/۹۱۶ء کا ہے۔ آجکل چیمور پر جو بادشاہ ہے وہ جاج (جھانجھ) کے نام سے مشہور ہے اور اس وقت یہاں دس ہزار مسلمان ہیں جن میں بیاسرہ کے علاوہ سیراف، بصرہ، بغداد نیز دیگر ممالک کے لوگ ہیں۔ اگر اسی ایک شہر کے دس ہزار مسلمانوں کا حساب کیا جائے اور چھ سو سال تک المضاعف کیا جائے کہ ہر دس سال میں آبادی دوگنہ ہو جاتی ہے تو کروڑ سے زیادہ تعداد ہو جائے گی۔ نتیجہ نکلے گا کہ گجرات میں مقیم مسلمان انہیں عربوں کی نسل سے ہیں۔ جنہوں نے شادیاں کر کے اسی ملک کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ یہاں تاجروں کی جماعت میں بڑے بڑے لوگ موجود ہیں جیسے موسیٰ اسحاق، سیدا پوری اور ہزمند کے عہدے پر آجکل ابوسعید ہیں جو ابن زکریا کے نام سے مشہور ہیں اور ہزمند اس عہدے کا نام ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہو کر ایک شخص کو اپنے میں سے جو بڑے پائے کا ہو مقرر کرتے ہیں پھر اس کے حکم کے تابع رہتے ہیں گویا وہ امیر قوم ہوتا ہے۔

ابوریحان بیرونی ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء نے بھی اپنی کتاب "الہند" میں سندان کو بڑے شہروں میں ذکر کیا ہے۔

گجرات کے مشہور شہر بیرونی نے یہ گنوائے ہیں۔

۱۔ انہلواڑہ ۲۔ سومنات ۳۔ لاردیش یعنی بھروچ ۴۔ رہن جوڑ یعنی راندیر

۵ کچھ ۶ کھمبایت ۷ اساول ۸ سندان ۹ سوپارہ ۱۰ تھانہ ۱۱ دوارکہ
۱۲ بھیلمان ۔

اسی علاقے میں آباد مسلمانوں کے ساتھ جو نوابی طرز کے چھوٹی چھوٹی حکومتیں محدود ہوکر رہ گئی تھیں چاروں طرف کی بڑی غیر مسلم حکومتیں انکو ستاتی رہتی تھیں۔ انہی مظالم کے ازالے کے لیئے عباسی خلیفہ کا اشارہ پاکر سلطان محمود غزنوی نے غیر مسلم حکومتوں کی گوشمالی کے لیۓ اس علاقے کے متعدد بار دورے فرمائے ۔ اور فتح کی اطلاع بغداد بھیجی اور عباسی خلیفہ کی طرف سے خلعت آئی۔ ان کا مقصد مظلوم مسلمانوں کی نصرت تھا خود شہر پٹن گجرات میں بھی انکی آمد کے وقت بعض مشائخ اور علماء تھے ۔ اسی لیئے انہیں نہر والہ پٹن بہت پسند آیا ۔ آپ کا ارادہ غزنی پر شہزادہ مسعود کو متعین کر کے خود دوسرا پایۂ تخت پٹن کو بناکر اس میں قیام کا تھا مگر اراکین حکومت نے اتفاق نہ کیا ۔

یہاں کے مسلمانوں اور مشائخ کے بلانے پر آپ آئے تھے کیونکہ شیخ محمد بن حسن بن علی عراقی (متوفی ۴۱۶ ھ) جو محمود شاہ منگرولی کے نام سے مشہور رہیں ان کے پاس ایک بڑھیا فریاد لے کر آئی کہ میرا اکلوتا بیٹا مارا گیا شیخ محمد ابن حسن نے غیر مسلم حکام سے فریاد کی مگر شنوائی نہ ہوئی تب آپ نے اس بڑھیا کی معرفت سلطان محمود کو خط بھیجا جس میں یہاں کے مسلمانوں کی مشکلات بتا کر لکھا کہ تم ہندوستان پر حملے کرتے ہو مگر خاص پٹن کے مسلمانوں کو جو تکالیف ہیں ان کو دور نہیں کرتے چنانچہ سلطان محمود خط پڑھتے ہی چل پڑے

احمدآباد کی بناؤ تعمیر ابتدائی نویں صدی ہجری میں ہے ۔ مگر وہاں ۱۴ ار ربیع الاول ۴۴۵ ھ کا مسجد کا ایک کتبہ ملتا ہے جو سلطان محمود غزنوی کے چند ہی سال کے بعد کا ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان یہاں بھی

قدیم زمانہ سے آباد تھے۔ کتبہ کی عبارت یہ ہے۔

هٰذا المسجد فی الرابع والعشرین من ربیع الاوّل و سنۃ خمس واربعین واربعمائۃ۔

مولانا ابوظفر ندوی تاریخ گجرات میں لکھتے ہیں کہ :

اساول جو احمد آباد بسنے کے بعد اس سے ملحق ہوگیا ایک مرکزی اور تجارتی مقام تھا۔ مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی۔ ایک مسجد کا کتبہ برآمد ہوا ہے اس پر ہے

هٰذا المسجد فی الرابع والعشرین ربیع الاوّل سنۃ خمس واربعین واربع مائۃ ۴۴۵ھ آجکل کانچ کی مسجد جمال پور میں کتبہ موجود ہے۔[1]

اس کے بعد کے قریبی دور میں علماء، محدثین بھی ملتے ہیں جیساکہ مندرجۂ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۴۴ھ سے پہلے گجرات میں تصنیف وتالیف کا کام جاری تھا۔ مولانا ابوظفر ندوی نے بھروچ کے محکمۂ قضاء کے کتب خانہ کی جن کتابوں کو دیکھا اس میں عین الوفاء بھی ہے وہ لکھتے ہیں : عین الوفاء فی ترجمۃ الشفاء، شفاء قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ) کی سیرت نبوی میں مشہور اور مستند کتاب ہے، عین الوفاء کے نام سے ابوبکر بن احمد بھروچی نے خود مصنف کے اشارہ سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی عیاض اور ابوبکر بھروچی دونوں ہم عصر ہیں۔

سلطنتِ گجرات

سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان کے نظم ونسق میں جو ابتری پھیلی اس کا اثر گجرات پر بھی پڑا۔ گجرات کے گورنر نظام مفرح راستی خاں نے

---

[1] معارف، تاریخ گجرات ص ۲۵۲۔

علم بغاوت بلند کیا محمد تغلق ایک کمزور حکمراں ثابت ہوئے۔ وہ اس بغاوت پر قابو نہ پا سکے بالآخر انہوں نے اپنے ایک امیر ظفر خاں کو گجرات کا گورنر نامزد کیا۔

ظفر خاں حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے عقیدت مند اور مرید تھے۔ اور حضرت والا نے انہیں بادشاہت کی دعا سے سرفراز فرمایا تھا۔ اگرچہ انکی طبیعت میں ہوس اقتدار کو مطلق دخل نہیں تھا تاہم جب ۸۰۰ھ میں امیر تیمور گورگان نے دہلی پر حملہ کرکے تغلق خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو اس انتشار اور خانہ جنگی کے ماحول میں ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ صوبہ گجرات میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھیں۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کی دعا کی یہ تاثیر تھی کہ علماء و مشائخ کے مشورے اور امراء دربار کے اصرار پر ۸۱۰ھ میں انہوں نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کرکے گجرات کی خود مختار بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

سلطان مظفر خاں بانیٔ سلطنت گجرات کا انتقال ۸۱۴ھ میں ہوا۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے پوتے احمد شاہ تختِ سلطنت پر متمکن ہوئے وہ بھی اس خانوادہ بخاریہ کے انتہائی عقیدتمند تھے۔ اور حضرت مخدوم کے پوتے حضرت قطب العالم برہان الدینؒ کے دامن ارادت سے وابستہ تھے۔ حاجی دبیر آصفی لکی نے جن کا اصل نام عبداللہ محمد بن عمر ہے۔ ایک کتاب سلطان مظفر خاں والئ گجرات اور انکی اولاد احفاد کے بارے میں ظفر الوالہ بمظفر و آلہ کے نام سے ترتیب دی۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں!

وسبقت الاشارۃ فی ترجمۃ مظفر سلطان گجرات الی البشارۃ لہ بالسلطنۃ من القطب الربانی مولانا جلال الدین المخدوم جہانیاں قدس سرہٗ[1]

یعنی گجرات کے سلطان مظفر کے حالات میں یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ

---

[1] ۹۱۲ مطبوعہ لندن۔

ان کو سلطنت کی خوشخبری حضرت قطب ربانی مولانا جلال الدین مخدوم جہانیاں جہانگشت نے دی تھی ۔ [1]

زین البلاد احمد آباد

کچھ نام کے بارے میں: ۔ بانیوں اور باشندوں نے تو اس شہر کو احمد آباد نام دیا ، اسی نام پر شعراء نے بنار ونا سیلیس کی تاریخ بتانے والے اشعار کہے مگر شہنشاہ جہانگیر مسلسل سفر یا کسی وجہ سے احمد آباد پہونچکر بیمار ہو گئے تو انہوں نے کچھ اور نام بھی دیئے ۔ وہ خود فرماتے ہیں ۔

مجھے حیرت ہے کہ اس شہر کے بانی کو اس نا مبارک مقام میں کونسی خوبی اور لطافت نظر آئی تھی کہ اُس نے یہاں شہر بسایا ، پھر اُس کے جانشینوں پر بھی آفریں ہے کہ انہوں نے بھی اپنی عمریں اس خاک ڈان میں گذار دیں ۔ اس کی ہوا سموم ہے ، زمین ریگ زار ہے ، پانی کمیاب ہے ، گرد وغبار کی کثرت ہے ، پانی نہایت بُرا اور ناگوار ہے ، شہر کے کنارے جو نالہ بہتا ہے ۔ برسات کے دنوں کے علاوہ ہمیشہ خشک رہتا ہے ، کنویں کا پانی کھارا بلکہ کڑوا ہے ۔ شہر کے جو تالاب ہیں وہ دھوبیوں کے کپڑا دھوتے رہنے کیوجہ سے صابون کی جھاگ سے اس قدر بھرے رہتے ہیں کہ انکا پانی کچی لسّی کی طرح دکھائی دیتا ہے ۔ حیثیت رکھنے والے لوگوں نے اپنے گھروں میں پانی کے ذخیرے بنائے ہوئے ہیں جنہیں برسات کے دنوں میں بارش کے پانی سے بھر لیا جاتا ہے ۔ اگلی برسات تک انہی ذخیروں سے پانی لے کر پیا جاتا ہے ۔ لیکن ایسا پانی جس تک ہوا کا گذر نہ ہو اس کے مضر اثرات ظاہر ہیں ۔ شہر کے باہر سبزہ و گل کے بجائے تھوہروں کی

---

[1] خطہ پاک اوچ ص۲۳۱ ۔

جھاڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایسی ہوا جواں ٹھوھروں پر سے ہوکر آتی ہو اس کے اثرات کیا ہوں گے اس کا قیاس کرنا آسان ہے

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

میں نے اس سے پہلے احمدآباد کو گردآباد[۱] کا نام دیا تھا اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسے سمومستان کہوں یا بیمارستان، ٹھوہرآباد کہوں یا جہنم زار جواں سب اوصاف کا حامل ہے۔ اگر برسات کا موسم رکاوٹ کا باعث نہ ہوتا تو ایک دن بھی اس مصیبت کدہ میں ٹھہرنا گوارہ نہ کرتا۔ [۱]

سبحان رائی نے غلطی سے خلاصۃ التواریخ ص۵۵ میں اس کو اکبر کے الفاظ میں پیش کیا ہے بلکہ جہانگیر کا یہ سفر احمدآباد اکبر کا سفر بنا کر لکھ دیا ہے۔

یہ کل آٹھ نام شہنشاہ جہانگیر نے بیماری سے تنگ ہو کر اس شہر کو دیئے ہیں اگرچہ اورنگزیب عالمگیر احمدآباد کو ھندوستان کی زیب و زینت کہا کرتے تھے۔ [۲]

شاید اس میں اس بات کو بھی دخل ہو کہ اورنگزیب پیدائشی گجراتی ہیں۔ اس لئے کہ آپ کی جائے ولادت دوحد (داھود) گجرات ہے۔ چنانچہ تو زک جہانگیری ص۵۲۰ پر لکھا ہے۔

"ہفتہ ۱۱ ماہ آبان کو دوحد پرگنے میں نزول اجلال کیا، اتوار ۱۲ ماہ آبان سن ۱۳ جلوس کو بمطابق ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ طالع میزان کے نوے درجہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آصف خاں کی لڑکی کے بطن سے شاہجہاں کو ایک فرزند عطا کیا۔ امید ہے کہ اسکی پیدائش اس سلطنت کے لئے مبارک ثابت ہوگی۔ پرگنہ دوحد کی منزل میں تین دن قیام رہا"

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح بھی سال بھر گجرات میں مقیم رہے انکے نام فیضی کا خط ہے جسمیں وہ۔

---

[۱] توزک جہانگیری ص۵۰۹ [۲] مرآۃ احمدی جلد اول ص۱۳

احمدآباد کو رشک گلشنِ فردوس کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ ان کے اشعار یہ ہیں ؎

منم کہ کشتۂ گجراتیاں بیدادم ۔۔۔ خراب عشوۂ خوباں احمدآبادم
سہے قوی زسر ناز جلوۂ نمود ۔۔۔ کہ ہم چو سایہ بدنبال آں بیفتادم
بہر طرف کہ خرامید سرو آزادی ۔۔۔ غلام او شدم و خط بندگی دادم
چو رشک گلشن فردوس احمدآباد ست ۔۔۔ از دمباد برو نم کنند چوں آدم!
بروں زفتن از آں جا تصوریست محال ۔۔۔ چرا بروں نروم من ہم آدمی زادم
بحسن مردم گجرات یاد نیست و لے ۔۔۔ بمیروند جوانانِ دھلی از یادم
حدیث عشق تو فیضی کہ نقل مستاں است ۔۔۔ بزم جرعہ کش دھلوی فرستادم

ایک شاعر یہاں کی آب و ہوا کی تعریف اس طرح کرتا ہے ؎

ہوایش معنبر چو باد بہار ۔۔۔ نسیمش معطر چو مشک تتار
بصورت نمودار باغ بہشت ۔۔۔ ہمہ خاک او مشک و عنبر سرشت
ریاضش مفرح تراز بوستان ۔۔۔ وزد بوستان ارم بوستان
شدہ صیت او در بسیط زمین ۔۔۔ ز ملک عرب تا بسر حد چین

اخبار الاخیار میں شاہ عالم کے حالات میں شیخ لکھتے ہیں !

آپ قطب عالم کے بیٹے تھے ، آپ کا نام شاہ منجھن لقب شاہ عالم تھا ۔ آپ کی قبر احمدآباد میں ہے ۔ آپ کا روضہ اس علاقہ کے رہنے والے لوگوں کی زیارت گاہ ہے اور ایک ایسے پاکیزہ ، بلند لطیف اور نظیف علاقہ میں واقع ہے جو بہت کشادہ اور وسیع خطّہ ہے ، جمعرات کو شہر کے اچھے اور برے سبھی لوگ آپ کے مزار پر جاتے اور رات بھر وہیں رہتے ہیں ۔

مشہور ہے کہ شاہ عالم کی تصوف اور سلوک میں کچھ عجیب سی حالت تھی اکثر اوقات آپ پرستی کا عالم چھایا رہتا تھا کبھی کبھی ریشمی لباس بھی پہن لیا

کرتے تھے، اور ملامتیہ فرقے کے پیرو کار نظر آتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت پر کھلے اور واضح دلائل موجود تھے، اور شیخ احمد کھٹو آپ کی تربیت وارشاد کے ذمہ دار تھے، آپ کثیر الکرامات بزرگوں میں تھے، ۸۴۸ھ میں آپ نے وفات پائی جس کے عدد کو لفظ، فخر، ظاہر کرتا ہے، شیخ قطب عالم اور شاہ عالم کے کچھ خلفا بھی احمد آباد میں مدفون ہیں، گجرات کے مشہور شہر پٹن میں خاص طور پر شیخ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کا مزار بہت مشہور ہے جن کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے، یہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں سے عشق ومحبت کی خوشبو آتی ہے اور اس کے جنگلوں اور کھنڈروں سے ولایت کی برکت کے انوار درخشاں معلوم ہوتے ہیں، یہ شہر ہمیشہ اہل دل کی آماجگاہ ہے اسلئے آج بھی یہیں اہلِ دل بستے ہیں۔ ؎

بہر زمین کہ نسیمے ز زلف او زدہ است ہنوز از سر آں بوئے عشق می آید

غرضیکہ آپ اپنے وقت کے علماء اور مقبولان درگاہ رب العلیٰ لوگوں میں سے تھے اور آپ کی برکت کے اثرات ابھی تک اس شہر میں نظر آتے ہیں۔

بانیِ احمد آباد

سلطان احمد شاہ

سلاطین گجرات کے یہاں ہمیشہ یہ ضابطہ اور طریقہ رہا کہ اپنی اولاد کے لئے وہ خاں کا لفظ بڑھاتے تھے۔ اور جب تخت سلطنت پر پہنچتے تو اپنے لئے سلطان کا لقب اختیار کرتے۔ اس لئے جب سلطان مظفر شاہ کا انتقال ہوگیا تو ۱۴ ر رمضان المبارک ۸۱۳ھ میں ان کے صاحبزادے احمد خاں نے سلطان احمد شاہ کا لقب اختیار کیا اور سلطان احمد کے لقب سے

ساتھ تخت سلطنت پر بیٹھے، سب سے پہلا فتنہ جو آپ کے دور سلطنت میں اٹھا وہ مودود فیروز خان کی طرف سے تھا جو بڑودہ کے امراء میں سے تھے۔ اس کو فرو کیا گیا۔ بھروچ سے واپسی میں آساول پہنچ کر آپ کو اساول کی بیخ کنی کا خیال پیدا ہوا۔

اسی سال میں بدر المحققین شیخ احمد کھٹو گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی رخصت اور اجازت سے آپ نے احمد آباد شہر کی آبادی کے لئے اس کی بنیاد رکھی ۸۱۴ھ میں آپ نے ایدر کے راجہ پر فوج کشی کی اور اس نے فرار کی راہ اختیار کی اور بعد میں نادم ہو کر معافی مانگی اور معتد بہ رقم کی پیشکش کی تو سلطان نے اس کو معاف کر دیا

پہلے سلطان علاء الدین نے ایک خطِ طولانی اسلامی گجرات میں کھینچ دیا تھا جو پٹن سے لے کر بھروچ تک تھا جس سے اسلام کی روشنی ظاہر ہوتی تھی اور یہ اسلامی علاقہ بن گیا تھا لیکن ابھی اطراف و جوانب میں کفر کی ظلمت باقی تھی جس کو سلاطین گجرات نے بتدریج آہستہ آہستہ اچھی طرح صاف کیا ان میں سے بہت سی جنگوں سے کفر کی ظلمت دور کرنے میں یہ سلطان احمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے ۸۱۶ھ میں گرنار کے کفار کے خلاف علم جہاد بلند کیا جو سوراشٹر میں تھے۔ راجہ منڈلیک کو شکست دی وہ قلعہ بند ہوا۔ اسی طرح گرنار پہاڑ کے دامن میں جوناگڑھ نامی جو قلعہ تھا۔ اس پر سلطان نے قبضہ کیا سوراشٹر کے اکثر زمیندار آپ کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔

۸۱۹ھ میں قصبہ دھار کی جانب آپ نے فوج کشی کی۔ ۸۲۱ھ میں سوکٹرہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے ۸۲۲ھ میں سوکٹرہ کا حصار اور قلعہ آپ نے تعمیر کیا وہاں عظیم الشان مسجد آپ نے تعمیر فرمائی۔ اسی سال میں سوکٹرہ کے مضافات میں مانکی نامی جگہ میں آپ نے شہر پناہ بنائی۔

آپ کے حکم کے بموجب اسی مدت میں شمس خاں دندانی جو سلطان کے عم زاد بھائی تھے اور ناگور میں حاکم تھے وہ اجازت لے کر واپس آگئے۔ ان کو دندانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے دندانِ رباعیہ معمول سے زیادہ طویل تھے۔

سنہ ۸۲۳ھ میں خاص طور پر آپ نے مملکت کے تمام اطراف میں نظم و ضبط کی بحالی کے لئے کوشش کی اور جہاں کہیں تھوڑی سی بے انتظامی دیکھی اور سرکشی و بغاوت کو دیکھا تو اسے ختم کیا۔ باغیوں کے تمام مراکز کو گرادیا اور ان کی جگہوں پر مساجد تعمیر کی گئیں، قلعے بنائے گئے، محافظین متعین کیے گئے، سب سے پہلے اس سلسلے کا قلعہ جیتوڑ میں تعمیر کیا گیا اس کے بعد قصبہ دھاھود جو کوہستان کے درمیان میں ہے اس کو آباد کیا گیا، وہاں قلعہ و شہر پناہ تعمیر کی گئی۔ اسی طرح اس کے بعد کاریٹھ کا قلعہ تعمیر کیا گیا اس لئے کہ سلطان علاؤالدین خاں نے سنہ ۷۱۲ھ میں اس کو تعمیر کیا تھا وہ مرمت طلب ہوگیا تھا، اس کی مرمت کی گئی۔ سنہ ۸۳۰ھ میں ایدر کے راجہ کی طرف سے عہدشکنی کی بنا پر فوج کشی کی گئی وہ بھاگ کر کوہستان چلا گیا۔

ایدر سے دس کوس پر سلطان احمد شاہ نے گجرات کی سرحد پر احمدنگر نامی شہر آباد کیا اور شہر کا سارا قلعہ پتھر سے تعمیر کرایا اور خود اس کو اپنی اقامت کا شرف بخشا۔ اس کے بعد سنہ ۸۳۱ھ میں کہی کو فتح کیا گیا۔ اس کے بعد دو سال تک دارالسلطنت میں رہ کر ملک کا نظم و ضبط درست کیا خاص طور پر آپ نے فوجیوں کی تنخواہ وغیرہ کے معاملے پر توجہ دی اور ان کے لئے نصف تنخواہ کی جاگیر اور نصف تنخواہ نقد دینے کا فیصلہ کیا جو سلطان بہادر کے دور تک اسی طرح چلتا رہا۔

ملک کو مستحکم کرنے کے بعد ہر سال سلطان کبھی ایدر کی جانب فوج کشی

کرتے اور کبھی نصیر خان اسیر کے راجہ پر فوج کشی ہوتی، کبھی سلطان احمد بہمنی کی تادیب کی جاتی کبھی میواڑ یعنی میوات کی جانب فوج بھیجی جاتی کبھی خود تشریف لے جاتے کبھی فوجیوں کو بھیجا جاتا۔

پوری آپ کی مدتِ سلطنت میں کہیں آپ کو شکست نہیں ہوئی ہمیشہ لشکر گجرات فتح یاب رہا جیسا کہ منڈو، دکن اور میوات وغیرہ پر ہمیشہ فوج کشی میں کامیابی رہی یہانتک کہ سنہ ۸۴۵ھ میں آپ نے احمد آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ کو مانک چوک میں واقع قبرستان میں جامع مسجد کے سامنے دفن کیا گیا ہے۔ آپ سنہ ۷۹۳ھ ۱۹ ذی الحجہ میں پیدا ہوئے تھے اور بیس سال کی عمر میں آپ تخت سلطنت پر بیٹھے اور بتیس سال چھ مہینے اور بائیس دن سلطنت کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کی عمر باون سال اور چند ماہ ہوئی۔ آپ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے جن کو شیخ رکن الدین کان شکر کہا جاتا ہے جو عدل و تقوی اور سخاوت و بزرگی میں بے نظیر تھے۔

سلطان کے داماد نے جوانی کے نشے میں کسی کو ناحق قتل کر دیا۔ سلطان نے اس کو قاضی کے سامنے بھیجا قاضی نے مقتول کے ورثاء کو دیت پر راضی کر لیا مگر جب سلطان کے پاس قصہ پہنچا تو سلطان نے کہا کہ مجھے دیت منظور نہیں اس لئے کہ اس طرح تو ارکانِ سلطنت ناحق قتل و خون پر دلیر ہو جائیں گے۔ تو یہاں دیت کی بہ نسبت قصاص اولیٰ ہے اور حکم دیا کہ قاتل سے سر بازار اس کا قصاص لیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ اسی کے بموجب چوبیس گھنٹے ان کی لاش لٹکی رہی دوسرے دن آپ نے حکم فرمایا اور اس کو دفن کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کے اُمراء اور فوجیوں اور سپاہیوں میں سے کسی نے ناحق خون کی ہمت پھر نہیں کی۔ اس کے

قریب ایک دوسرا قصہ آپ کے متعلق منقول ہے کہ ایک دفعہ سلطان سابرمتی کے کنارے محل کے بالاخانے پر بیٹھے دریا کا نظارہ کر رہے تھے اتنے میں دیکھا کہ کوئی سیاہ چیز پانی پر تیرتی ہوئی آ رہی ہے آپ نے حکم فرمایا پھر اس کو لایا گیا دیکھا کہ ایک مٹکا ہے اس میں کسی مردہ شخص کی لاش رکھی ہوئی ہے آپ نے شہر کے تمام کلالوں کو اور مٹی کے برتن بنانے والوں کے متعلق حکم دیا پھر انہیں حاضر کیا گیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ مٹکا کس نے بنایا ایک نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے اور مجھ سے احمد آباد کے اطراف میں فلاں شخص رہتا ہے اس نے بنوایا تھا۔ اس کو حاضر کیا گیا تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اس نے کسی بقال کو مار کر اس میں ڈال کر پانی میں پھینک دیا تھا۔ تو سلطان نے اس سے بھی قصاص لیا۔ ان دو ناحق خون کے سوا آپ کے ۳۲ رسالہ بلکہ ۳۴ رسالہ دورِ سلطنت میں تیسرے قتل کا قصہ پیش نہیں آیا۔

سلطان احمد شاہ اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ نے سید برہان الدین قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں یہ شعر کہے ہیں۔ ؎

قطب زمانۂ ما برہان بس است ما را
برہان او ہمیشہ چوں نامش آشکا را [1]

بنا احمد آباد

سلطان مظفر خاں کی وفات کے بعد ان کے پوتے سلطان احمد تخت نشین ہوئے وہ بھی شیخ احمد کھٹو کی کے مرید ہو گئے تھے ان سے ایک [2] دن سلطان احمد نے التماس کی کہ حضور مجھے حضرت خضر سے ملائیے۔ آپ نے فرمایا

---

[1] مرأت احمدی جزو اول صفحہ ۳۵ [2] خزینۃ الاصفیا د ۲ ۱۔

میں حضرت خضر سے پوچھتا ہوں ۔ اگر وہ مان گئے تو بہتر ۔
انہوں نے پوچھا تو حضرت خضر نے کہا انہیں چالیس دن تک عبادت خداوندی میں رہنا چاہیئے ۔ چنانچہ سلطان ایک ماہ تک چلّہ میں رہے پھر حکم ہوا کہ دو چلّے مزید کاٹیں تین چلّے مکمل کر دیئے گئے تو سلطان احمد حضرت شیخ احمد کے حجرے میں بیٹھے تھے کہ نماز صبح کے بعد حضرت خضر تشریف لائے ۔ دورانِ گفتگو سلطان احمد نے درخواست کی حضور مجھے عجائبات دنیا سے کوئی حیران کن چیز دکھائیں آپ نے فرمایا : دریائے سابرمتی کے کنارے پر جہاں آجکل صحرا ہے ایک شہر آباد تھا اس شہر کا نام تھا باداں باد ۔ وہاں کے لوگ بڑے خوشحال اور امیر تھے ایک دن مجھے بھوک لگی میں اس شہر میں گیا ۔ ایک حلوہ فروش کی دکان پر پہنچا اور تین تنکہ دے کر حلوہ خریدنا چاہا دکاندار نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا تم مجھے درویش دکھائی دیتے ہو ۔ میں تم سے پیسے نہیں لونگا ۔ ہاں حلوہ جس قدر چاہو کھالو ۔ کچھ عرصہ بعد میں پھر وہاں سے گذرا تو وہاں شہر والوں بازاروں اور محلات کا نام ونشان نہیں تھا ۔ ان کھنڈرات پر ایک ڈیڑھ سو سالہ بوڑھا بیٹھا نظر آیا ۔ میں نے اس سے شہر کے حالات دریافت کئے تو کہنے لگا ۔ شہر کا حال تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے ہاں میں نے اپنے بوڑھوں سے سنا ہے کہ یہاں ایک شہر تھا ۔ جس کا نام باداں باد تھا ۔ سلطان نے حضرت خضر سے اجازت لی کہ اگر آپ چاہیں تو میں اسی مقام پر ایک شہر آباد کرنے کا حکم دوں ۔ حضرت خضر نے کہا ہاں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک شرط یہ ہے کہ سارے ملک سے ایسے چار اشخاص لائیں جائیں جن کا نام احمد ہو ۔ انہوں نے اپنی (شعوری) عمر میں نماز عصر کی سنتیں بھی قضا نہ کی ہوں ۔ اور وہ اس شہر کا بنیاد رکھیں اور اس کا نام احمد آباد رکھا جائے ۔ چنانچہ

چار ایسے آدمی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا۔ سارے ملک گجرات میں صرف دو اشخاص احمد نامی ملے۔ ایک قاضی احمد اور دوسرے ملک احمد تھے۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ملتا۔ حضرت شیخ احمد نے فرمایا تیسرا احمد میں ہوں، سلطان احمد یہ سنکر کہنے لگا چوتھا احمد میں ہوں۔ مجھ سے آج تک عصر کی سنتیں قضا نہیں ہوئیں۔ چنانچہ چاروں ملکر دریائے سابرمتی کے کنارے پہنچے حضرت خضر نے جس جگہ کی نشاندہی کی تھی وہاں بتاریخ سات ذیقعدہ ۸۱۳ھ میں احمدآباد کی بنیاد رکھی۔ تین سو ساٹھ محلے بنائے گئے ہر ایک محلہ ایک پورا قصبہ تھا۔ (موجودہ دور میں کالونی کی تعمیر اسی طرز پر ہو رہی ہے)

مرآۃ سکندری میں لکھا ہے کہ گجرات کے سلطان احمد نے احمدآباد کی بنیاد ڈالی اس کی تعمیر کا آغاز ذیقعدہ ۸۱۳ھ/۱۴۱۱ء اور اختتام ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء میں ہوا۔ احمد نام کے چار آدمیوں نے اس کی بنیاد رکھی یعنی قطب المشائخ۔ شیخ احمد کھٹو، سلطان احمد (رسی کا ایک سرا سلطان نے پکڑا اور دوسرا شیخ احمد نے) شیخ احمد اور ملا احمد۔

اس طرح ۸۱۰ھ/۸۱۳ھ میں شہر احمدآباد کا سنگ بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔

شیخ احمد کھٹو جب سنگ بنیاد رکھنے کے لیے تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھا۔ ان بزرگ نے آپ کو آواز دی۔ آپ ان کے پاس گئے تھوڑی دیر تک دونوں بزرگ بیٹھے رہے۔ پھر آپ ... ان بزرگ سے اجازت لے کر رخصت ہوئے اور پھر احمدآباد کا سنگ بنیاد رکھا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ احمد کھٹو سے کسی خادم نے دریافت کیا کہ وہ

بزرگ کون تھے ۔ حضرت نے بتایا کہ وہ حضرت خضر تھے ۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ جاؤ بنیاد رکھو بہت اچھا شہر ہو گا ۔ سلہ

خاتمہ مرآۃ احمدی میں ہے کہ : وہ چار احمد نامی حضرات جو احمد آباد کی تعمیر کے سنگ بنیاد رکھتے وقت موجود تھے ۔ اور بارہ بابا جو قلعہ احمد آباد کی تعمیر میں مؤید اور معاون تھے وہ یہ ہیں (۱) شیخ احمد کھٹو، جن کا مزار سرکھیج میں ہے ۔ (۲) سلطان احمد بادشاہ بانی احمد آباد ۔ (۳) ملک احمد جن کا مزار کالو پور دروازے کے پاس ہے ۔ (۴) قاضی احمد بجہر کہ ان کا ذکر پٹن کے بزرگوں کے حالات کے ساتھ ہے ۔

بارہ بابا میں سے :۔

۱ باباخوجو ، ۲ بابالارو ، ۳ اور باباکرامت ۔ یہ تینوں دھولقہ میں مدفون ہیں ۔ ۴ باباعلی شیر ، ۵ بابامحمود ۔ یہ دونوں بزرگ سرکھیج میں مدفون ہیں اور وہیں مقیم تھے ۔

بَابَا عَلِی شِیر :۔ یہ صاحب جذب و حال تھے اور برہنہ رہتے ۔ جس وقت حضرت گنج بخش احمد کھٹو ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو ہندی (گجراتی) زبان میں فرماتے ۔ لوگروں لاؤ ۔

لوگروں لاؤ شرع ناکوت آوے یعنی کپڑا لاؤ کہ حصار شرع آرہے ہیں ۔ ۶ باباتوکل نصیرآباد میں مدفون ہیں ۔ ۷ بابالولوی ۔ جن کو بابو محمد کہتے تھے ۔ جنھوری میں مدفون ہیں ۔ ۸ بابا احمد ہنگوری جو نعلبندی کے نام سے مشہور تھے یہ خود تو نعلبند نہیں تھے ۔ نخاس چوک میں مسجد نعلبند سے متصل جو کہ پرانی مسجد ہے اور تمام نعلبند روزانہ وہیں بیٹھتے ہیں اسمیں آپکی بیٹھک تھی ۔ اس سبب سے

سلہ مرآۃ سکندری ص۲۴، ۲۵، ۲۷، ۲۸ ، بحوالہ تاریخ ادبیات ج ۴ ص ۵۴۹

لقب بھی نعلبندی پڑ گیا۔ سلطان نظام الدین اولیار سے بواسطہ آپ کو خرقہ ارادت ملا۔ ۹ بابا لدھا۔ جو کھڑکی کے نزدیک مدفون ہیں۔ ۱۰ بابا ڈھوکل جو دہلی دروازہ اور شاہپور دروازہ کے مابین مدفون ہیں۔ ۱۱ بابا سیاح جو بیرمکانم میں مدفون ہیں۔ ۱۲ باباکمال کرمانی۔ ان کی قبر بہرام پور ایک مینار والی مسجد سے متصل واقع ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باباکمال کرمانی اس جگہ مدفون ہیں، بعض کہتے ہیں کہ باباکمال مالوی وہاں مدفون ہیں۔ اس بزرگ کو بھی سلطان نظام الدین اولیار کے سلسلہ سے خرقۂ ارادت ملا تھا۔

بابا ٹوٹوی حضرت نظام الدین اولیارؒ کے خلیفہ نصیرالدین چراغ دہلوی کے مرید ہیں بابا ڈھوکل جو بابا توکل کے مرید ہیں۔ اور بابا توکل نظام الدین اولیار کے مرید ہیں۔ شاہ ولایت جو دھولقہ میں مدفون ہیں نظام الدین اولیار کے خلفار میں سے ہیں۔ جن کو مخصوص طور پر گجرات کی جانب آپ نے رخصت فرمایا تھا۔

مذکورہ بزرگوں، باباؤں میں سے اکثر اس بزرگ کے ہمراہی تھے اور یہ شاہ ولایت ظفر خاں کی حکومت کے دور میں احمدآباد آئے تھے۔ چونکہ ایک دوسرے کے ہم وطن تھے۔ اس لئے ایک دوسرے کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ اور انہوں نے ان کو جگہ بھی دی اور ان کی خدمت کی اور اخیر عمر تک وہ یہیں رہے اور یہیں انتقال کیا۔ ؎۱

خاتمہ مرآۃ احمدی میں ہے کہ!

اور ۸۱۵ھ میں تین سال کی مدت میں حصار یعنی احمدآباد کا قلعہ تعمیر کیا گیا۔ جس کے بارہ دروازے تھے ۱ دروازہ سہار نپور، ۲ دروازہ کالوپور ۳ دروازہ اسلوریہ، جو دروازہ بند اور دروازہ رائے پور کے

؎۱ خاتمہ مرآۃ احمدی صد ۹۲۔

درمیان تھا، ۴ دروازہ خانپور، ۵ دروازہ رائے گڑھ، ۶ دروازہ خانجہاں، ۷ دروازہ شاہ پور، ۸ دروازہ ایدریہ، جس کو دہلی دروازہ بھی کہتے ہیں۔ ۹ دروازہ دریاپور، جو دروازہ شاہ پور اور ایدریہ کھڑکی کے درمیان تھا۔ ۱۰ دروازہ جمال پور، ۱۱ دروازہ بند اور ۱۲ دروازہ رائے پور۔

جس کی یہ سمتیں تھیں مشرق میں دروازہ سہارنپور، دروازہ کالوپور اور دروازہ اسلوریہ جو دروازہ بند اور دروازہ رائے پور کے درمیان واقع تھا۔ مغربی جانب میں جو دریائے سابرمتی کے کنارے پر واقع تھے۔ وہ دروازے یہ ہیں۔ ۱ دروازہ خانپور، ۲ دروازہ رائے گڑھ اور ۳ دروازہ خانجہاں۔

شمالی دروازے یہ ہیں، ۱ دروازہ شاہ پور، ۲ دروازہ ایدریہ جس کو دہلی دروازہ بھی کہتے ہیں ۳ اور دروازہ دریاپور۔

جنوبی دروازے یہ ہیں ۱ دروازہ جمال پور، ۲ دروازہ بند، اور دروازہ رائے پور۔

صاحب مرآۃ احمدی مرزا محمد حسن کتاب ہفت اقلیم کے مصنف کی طرف سے نقل کرتے ہیں کہ: احمد آباد شہر لطافت کے اعتبار سے اور آبادی کی کیفیت کے اعتبار سے دنیا بھر کے تمام شہروں پر ترجیح رکھتا ہے عمارتوں کی نزاکت ونزاہت کے اعتبار سے دوسرے شہروں سے مستثنیٰ ہے اگر یوں کہا جائے کہ عالم کے کل شہروں میں اس عظمت اور راستگی کا دوسرا شہر موجود نہیں ہے تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔

اس کے بازار دوسرے شہروں کی بنسبت نہایت وسیع اور پیراستہ اور مرد وعورت یہاں کے بہت خوبصورت حق یہ ہے کہ اس خوبی کا شہر بہت کم ہی ہوگا اسی لئے اس کو زین البلاد اور عروس مملکت بھی کہتے ہیں۔

ستره (۱۷) چکلے یعنی چوراہے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ چکلہ بازار، ۲۔ کی پولیہ، ۳۔ مانکچوک، ۴۔ دھیکو، ۵۔ لیمڑی، ۶۔ بھنڈری، ۷۔ اژدر پور، جس کو اپر پور بھی کہتے ہیں۔ اور عرف میں اس کو کھاریہ کہتے ہیں، ۸۔ رائے پور ۹۔ اسلوریہ، ۱۰۔ جمال پور، ۱۱۔ رائے گڑھ، ۱۲۔ خانپور، ۱۳۔ شاہ پور، ۱۴۔ ایڈریہ، ۱۵۔ دریاپور، ۱۶۔ صدر جہاں ۱۷۔ اور جوہری باڑہ۔

یہاں ہر چوراہے پر چبوترے بنے ہوئے تھے اور محافظ دستے یہاں متعین رہتے تھے

مَسَاجِدْ

چار سو پچاس، اور ایک روایت میں پانچ سو عالیشان مسجدیں بنائی گئیں تھیں۔ جو دور دور سے سنگِ خارا لاکر اس پتھر کے ذریعے تعمیر کی گئی تھیں جو سلاطین، شہزادوں اور حتیٰ کہ خواتین حرم کے نام سے منسوب تھیں۔

پُورہ جات

اژدر پور	سمیع پور	ملتان پور
کالو پور	غیاث پور	دریا پور
تاج پور جمال پور	شیخ پور	مقصود پور
عیسن پور	عثمان پور	ماہ پور
میٹھی پور	شاہ پور	منیر پور
سور پور	قاضی پور	لودی پور
اسارووہ وآس پور	حاجی پور	سکندر پور

احمد پورہ	بیکن پور	رحمت پور
بنبت پورہ	طوغان پور	سید پور
بکلی پور	راجپور	چنگیز پور
ہری پور	کومتی پور	کینکو پور
ہرہر پور	مریم پور	کنکال پوری
روپ پور	عالم گنج وارہ	ہیر پور
کالو پور	پور بہاؤالدین پور	فرخ پور
رسول پور	کالنکی وارہ	زور آور پور
غالب پور	دلال پوری	رسول آباد
سید آباد عرف سرسن پور	گوپال پوری	رول پورہ
برسپور	معظم پور	حامد پورہ
میٹھا پور	منجھن پور	عثمان پور
جمنا پور	بالی پور	عبدل پور
صاحب پور	شاہ گنج	فیروز پور
سلیم پور	نوا پورہ	صلابت پور
کھیم پور	سلطان پور	شرق پور
نصیر پور	کشور پور	شادمان پور
رسول پور	معصوم پور	عادل پور
پرما پور	مراد گنج	سلطان پور
سارنگپور	ہین پور	قاسم پور
افضل پور	بیگم پور	فتح پور

جامع مسجد جدید، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد

جامع مسجد جدید، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد

اندرونی منظر، شاہی مسجد۔ سرخیز، احمد آباد

شاہی مسجد کا اندرونی زوایہ و گنبد مزار حضرت شیخ گنج احمدؒ (حضرت شیخ احمد کھٹوؒ)

شاہی مسجد، سائڈ کے دالان کا بیرونی منظر، سرخیز، احمد آباد

جھولتا منارہ، مسجد سیدی بشیرؒ، سارنگ پور، احمد آباد

سیدی سعید کی مشہور جالی کی مسجد، لال دروازہ، احمد آباد

جامع مسجد قدیم، لال دروازہ، احمد آباد

بیرونی منظر، مسجد حضرت قطب عالمؒ، وٹوا، احمد آباد

مسجد حضرت شاہ عالمؒ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد

پتھر والی مسجد، دلی چکلہ، احمد آباد

مسجد حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

مسجد رانی سپری (صبری) استوریا دروازہ، احمد آباد

مسجد رانی روپ متی، مرزاپور، احمد آباد

بیرونی منظر، مسجد حضرت ابو محمد بخاریؒ، عرف بابا لوَلوَی، منجوری، احمد آباد

اندرونی منظر، مسجد حضرت ابو محمد بخاریؒ، عرف بابا لولوی، منجوری، احمد آباد

سیدی سعید کی مشہور جالی کی مسجد، لال دروازہ، احمد آباد
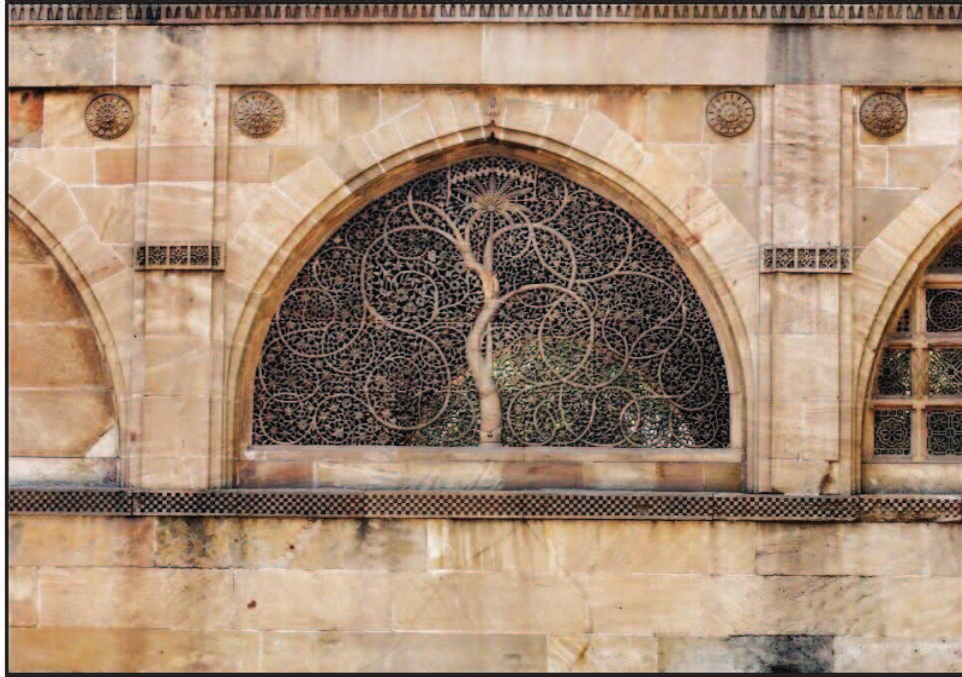
سیدی سعید کی مشہور جالی کی مسجد، لال دروازہ، احمد آباد

بیرونی منظر، مسجد محافظ خان، احمد آباد

مسجد محافظ خان، احمد آباد

مسجد و مینار دولت خان، سارنگ پور، احمد آباد
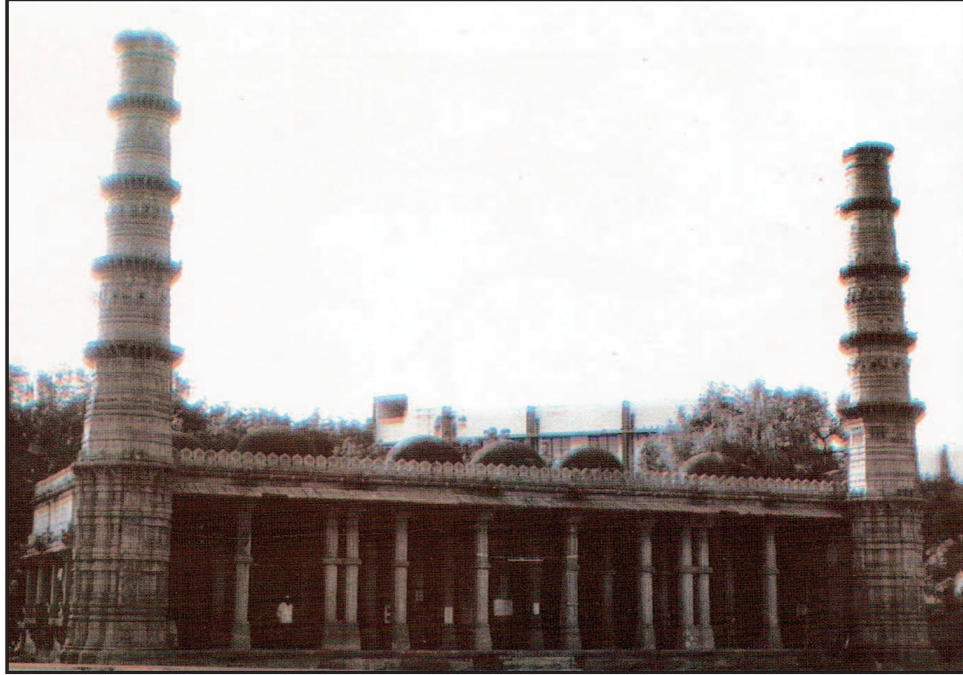
مسجد حضرت شمع برہائیؒ، عثمان پورہ، احمد آباد

مسجد اچھوت کوئی، دودھیشور، احمد آباد

اندرونی منظر، پتھر والی مسجد، استوپا، احمد آباد

کمال الدین پور	خوان پور	سرہ پور
عیسیٰ پور	قطب پور	اہر ندا پور
رحیم پور	حسن پور	اربہا پور
میران پور	محمود پور	خضر پورہ
خانپور		

چہار دیواری کی تعمیر

سلطان محمود معروف بہ بیگڑہ ۸۶۲ھ/۱۴۵۹ء میں تخت نشین ہوئے۔ نویں صدی کا آخری حصہ ان کے لئے آسودگی و اطمینان کا زمانہ تھا۔ چنانچہ ۸۹۲ھ ۱۴۸۷ء میں انہوں نے احمدآباد کی چار دیواری تعمیر کروائی اور اس کے دروازے پر ایک پتھر نصب کرایا جس میں آیت کریمہ: مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا، کندہ تھی (غالبًا اسی لئے احمدآباد کو دارالامان بھی لکھا گیا ہے جیسا کہ عبدالرحیم خانخانان احمدآباد کو دارالامان لکھتے ہیں۔) [1]

مآثر رحیمی کے مصنف نے گجرات کے شہر احمدآباد کی بھی بہت تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: اپنی نزہت اور لطافت کے لحاظ سے ہندوستان میں ایسا کوئی اور شہر نہیں۔

حکیم ازرقی نے اس کے متعلق جو نظم لکھی ہے اس کے تین چار اشعار یہ ہیں۔

---

[1] مقالات عرشی ص۳۳۔

درختانش از عود و برگ از زمرد — بنایش زمینا و خاکش ز عنبر
بگشتی چو اندیشہ مرد عاشق — بخوبی چو رخسارۂ یار دلبر
بہ یک سوئے این باغ خرم سرائے — پُر از صفہ و کاخ و ایوان و منظر
نہ گویم کہ عین بہشت است لیکن — بہشت است اندر سرائے مکرر [1]

فرشتہ لکھتے ہیں کہ سلطان احمد شاہ جب ایک جنگ کے سلسلے میں قصبۂ اساول میں پہنچے تو وہاں کی آب و ہوا ان کو پسند آئی اور ۸۱۳ھ کے اواخر میں شیخ احمد کھٹو کے استخارہ اور استشارہ سے دریائے سابرمتی کے کنارے ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام احمد آباد رکھا جو چند دنوں میں آباد ہو کر شاہانِ گجرات کا دارالسلطنت ہو گیا اور قصبہ اساول اس کا ایک محلہ بن گیا۔ امراء و سلاطین کے مکانات پختہ ہیں یعنی گچ اور اینٹ سے بنے ہوئے ہیں بقیہ گھر کھپریل ہیں۔ بازار اس قدر وسیع و فراخ ہیں کہ دس گاڑیاں پہلو بہ پہلو چل سکتی ہیں۔ دکانیں پختہ ہیں۔ اور قلعہ اور مسجد جامع بھی تعمیر کی گئی ہے شہر کے باہر تین سو ساٹھ پورے آباد ہیں اور ہر ایک میں بازار مسجد اور دیوار بند ہے۔

خلاصۃ التواریخ میں ان پوروں کی نسبت لکھا ہے!

تا گرد شہر بادر ہر یکے پیدا بازار مسجد خانقاہ و منار و کتابہائے شگرف درست۔

فرشتہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے!

"و در باب معموری و دیگر خصوصیات احمد آباد اگر گفتہ شود کہ در تمامی ہندوستان بلکہ در کل جہان بایں عظمت و آراستگی شہرے موجود نہ شدہ مبالغہ نبودہ باشد" [2]

---

[1] ہندوستان سے محبت و شیفتگی کے جذبات ص۱۱ [2] تمدنی کارنامے ص۱۲

صاحب مرآۃ احمدی نے لکھا ہے کہ ابتدار میں جب احمدآباد، آباد کیا گیا تو چونکہ اس وقت آبادی زیادہ نہ تھی۔ اس لئے گجرات کے ہر ایک امیر اور شاہزادے نے ایک حصار کے اندر اپنے رہنے کیلئے ایک جگہ متعین کر لی اور یہی جگہ ان کے نام کی نسبت کے ساتھ پورہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ مثلاً تاج پورہ اور جمال پورہ وغیرہ، لیکن جب شہر پوری طرح پر آباد ہو گیا تو شہر کے باہر آبادی شروع ہوئی۔ اور نہایت کثرت سے پورے آباد ہو گئے۔ جن کی تعداد ۳۶۰ بلکہ ایک روایت کے مطابق ۳۸۰ تھی۔ اور یہ تمام پورے گجراتی امرار نے اپنے نام پر آباد کئے تھے۔ اور انہی میں خدم وحشم کے ساتھ سکونت رکھتے تھے۔

یہ پورے درحقیقت چھوٹے چھوٹے شہر تھے۔ جن میں تمدن کے تمام ضروری سازوسامان موجود تھے۔ چنانچہ صاحب مرآۃ احمدی نے پورہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

دپورہ عبارت از جملہ بزرگے است مشتمل بر عمارات عالی و مزار
از نفائس ونوادر کہ ہر کدام درحقیقت شہریست عظیم ؛

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ ہر پورہ کثرت آبادی کے لحاظ سے گویا ایک شہر تھا۔ تذکرۃ الملک کے مؤلف نے لکھا ہے کہ عثمان پور میں کم ازکم کاریگروں کی بارہ ہزار دکانیں ہیں اور فتنہ و فساد کے ظہور سے پہلے تمام پورے تاجروں، کاریگروں اور اہل کاروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور نہایت پرتکلف اور شاندار عمارتیں ان میں موجود تھیں۔ بعد کو یہ پورے ویران ہو گئے اور اکبر کی فتح کے بعد ان کی آبادی میں کافی تغیر تبدل ہو گیا صرف بعض کے نام باقی رہ گئے۔

پورہ جات کا تعارف

چند پوروں کو آباد کرنے والوں کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

قاضی پور:۔ شاہ پور ایک قدیم آبادی تھی۔ عالمگیر کے زمانے میں قاضی القضاۃ خواجہ عبداللہ نے اس کو نئے سرے سے اپنے نام پر آباد کیا۔

حاجی پور:۔ حاجی بہار الدین المخاطب بعضد الملک نے جو سلطان محمود بیگڑہ کے امرا میں تھے اس کو آباد کیا اور اس میں ایک مسجد بنوائی۔

دریا پور:۔ اس کو سلطان محمود بیگڑہ کے امرا میں سے دریا خاں نے آباد کیا۔

پناہ پور:۔ بہادر خاں ناظم صوبہ نے جس کا نام محمد پناہ تھا۔ عالمگیر کے زمانے میں اس کو اپنے نام سے آباد کیا۔

جہانگیر پور:۔ جہانگیر کے نام پر آباد کیا گیا۔

ھیبت پور:۔ سلاطین گجرات کے امرا میں اس کو ہیبت خاں نے آباد کیا۔

بی بی پور:۔ سلاطین گجرات کے عہد میں بی بی ماں نے جو خاندان چشتیہ سے تعلق رکھتی تھیں اپنی سکونت کے لیے اس کو آباد کیا تھا۔ اور ان کا مزار مسجد و خانقاہ کے ساتھ اس میں موجود تھا۔

نوراللہ پور:۔ اس کو شیخ نور محمد نے جن کا خطاب امانت خاں تھا فرخ سیر کے زمانہ میں آباد کیا۔

سارنگ پور:۔ امرائے محمودی میں ایک سارنگ کا آباد کیا ہوا تھا۔

افضل پور:۔ سلطان محمود ثانی کے امرا میں افضل خاں نے اسکو آباد کیا۔

طوغان پور:۔ طوغان نے جو امرائے محمودی میں تھا اس کو آباد کیا۔
منجھن پور:۔ شاہ عالم قدس سرہٗ کے نواسے سید مسعود نے اس کو اپنے نانا کے نام پر آباد کیا۔
بابی پور:۔ اس کو صفدر خاں بابی نے آباد کیا۔
نواب پور، گنج پور، سلطان پور۔ سیّد عبدالرحیم رفاعی نے آباد کیا۔
معصوم پور:۔ معصوم قلی عرف شجاعت خاں نے اس کو نئے سرے سے آباد کیا۔
مراد گنج:۔ شاہزادہ مراد بخش کے زمانۂ نظامت میں آباد ہوا۔
وھاب گنج:۔ عالمگیر کے زمانے میں قاضی القضاۃ عبدالوہاب نے اپنے نام سے آباد کیا۔
سیّد پور:۔ سلطان احمد کے امراء میں سید عطاء اللہ نے آباد کیا۔
چنگیز پور:۔ سلطان محمود ثانی کے غلام چنگیز خاں نے آباد کیا۔
بہادر گنج:۔ سلطان بہادر گجراتی نے آباد کیا۔
اکرم پور:۔ اکرم الدین خاں صدر صوبہ نے بہادر شاہ کے زمانے میں آباد کیا۔
مفاخر پور:۔ اسی زمانے میں اکرم الدین خاں کے بھائی ابو المفاخر خاں نے آباد کیا۔
علیم پور:۔ خداوند خان ملک علیم الدین نے جو سلطان احمد کے امراء میں تھا۔ اس میں ایک مسجد بنوائی اور اس کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔
فرح پور:۔ اس کو قاضی پور بھی کہتے ہیں۔ ابوالفرح خاں قاضی شہر نے عالمگیر کے زمانے میں آباد کیا اور ایک مکان اور پر تکلف مسجد بنوائی۔ اور یہیں قیام اختیار کیا۔

نور گنج :۔ جس زمانے میں جہانگیر گجرات میں مصروف سیر و شکار تھا۔ نورجہان بیگم کے نام پر آباد ہوا۔

زورا ور پور :۔ جوانمرد خاں بابی نے نئی عیدگاہ کے نزدیک اپنے چھوٹے لڑکے کے نام پر آباد کیا۔

رسول آباد :۔ حضرت شاہ عالم قدس سرہٗ نے آباد کیا تھا۔ اور یہیں سکونت رکھتے تھے۔ اور آپ کا مزار بھی یہیں ہیں۔

پورہ رضوی خاں :۔ عالمگیر کے زمانے میں رضوی خاں صدر صوبہ نے آباد کیا۔

عیش آباد :۔ رسول آباد اور موضع بٹوہ کے درمیان ملک عیش المخاطب نظام الملک نے جو امرائے محمودی میں سے تھے اپنے نام پر آباد کیا تھا۔ اندر ایک مسجد، تالاب، باغ اور اپنا مقبرہ اس میں بنوایا تھا۔ اور اس کے گرد ایک پختہ فصیل قائم کی تھی۔

خودن پورہ :۔ امرائے سلاطین گجراتیہ میں ملک خودن نے آباد کیا۔ چونکہ یہاں زیادہ تر حضرت شاہ عالم کے خادم اور مرید رہتے تھے اس لئے حضرت ممدوح نے اس کا نام خوبدم پورہ رکھ دیا۔

قطب پور :۔ حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کے زمانہ قیام میں انہی کے نام سے آباد ہوا۔

قاسم پور :۔ عالمگیر کے زمانے میں میر قاسم نے آباد کیا۔

راجو پور :۔ حضرت شاہ عالم کے نواسوں نے آباد کیا۔

خانپور :۔ سید حسن خاں نے عالمگیر کے زمانے میں آباد کیا۔

عثمان پور :۔ حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کے خلفاء میں سید عثمان نے آباد کیا۔

نورنگ پور:۔ عالمگیر کے زمانے میں نورنگ نے آباد کیا۔
صلابت پور:۔ صلابت خاں نے آباد کیا۔
شادمان پور:۔ اکبر کے زمانے میں اعظم خاں کے لڑکے شادمان نے آباد کیا۔
شیخ پور:۔ سلطان محمود بیگڑہ کے پیر شیخ رحمت اللہ نے آباد کیا
سلطان پور:۔ کمال الدین جوانمرد خان نے اسکو اپنے لڑکے کے نام پر آباد کیا۔[1]

تعمیرات:۔ مولانا جناح الدین لکھتے ہیں کہ "احمد شاہ (۸۴۲ھ/۱۴۱۱ء) کے عہد کے ساتھ ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی جس میں بڑے بڑے فنی حوصلے حسب منشا تکمیل کو پہنچے اور اس کے دارالسلطنت احمدآباد کا شمار ان شہروں میں ہوتا ہے جو فنِ تعمیر کے بہت سے حسین نمونوں سے آباد ہیں۔ احمدآباد کی جامع مسجد مغربی ہندوستان میں اپنی قسم کی بہترین عمارت مانی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی وہ ایک زندہ بڑھتے ہوئے امیدوں سے لبریز طرز کی مثال ہے۔ گویا عمارتوں کا بننا، پھولوں کا کھلنا ہے جس سے طبیعت کی شگفتگی عیاں ہوتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ بنانے والوں کا خیال اور نظریۂ زندگی خون کی طرح گردش کرتے ہوئے ان کے ہاتھوں کے ذریعہ ان چیزوں میں پہنچ گیا ہے، جو ان کے ہاتھوں نے بنائی ہیں۔ اس مسجد میں روشنی پہنچانے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ خود بہت سبق آموز ہے۔ اس لئے کہ روشنی کا پہلے رخ بدلا جاتا ہے پھر اس کا عکس اس طرح سے ڈالا جاتا ہے کہ پوری مسجد میں روشنی یکساں پھیلتی ہے۔ مرکزی اور بغلی حصوں کی ترتیب اس مسئلے کو بہت خوش نما طریقے سے حل کرتی ہے کہ بلندی کے رجحان سے روشنی کی ضرورت کو کیسے پورا کیا جائے۔ اور عمارت کی تقریباً ہر خصوصیت ایسی

---

[1] تمدنی کارنامے ۱۴۱۔

ہے کہ فن تعمیر سے کسی بھی دلچسپی رکھنے والے کو تعریف کرنے پر مجبور کردے گی۔ جامع مسجد سے احمد شاہ کے محل تک جو راستہ تھا۔ اس پر تین دروازہ کے نام کا ایک فتح دروازہ ہے۔ اب اس کے گرد دکانیں ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کی شان جاتی رہی ہے مگر اس کے محرابوں کا حسن اب بھی نمایاں ہے۔ [۱]

والئ گجرات سلطان مظفر خاں کی خوش ذوقی اور فن تعمیر سے اس کی دلچسپی کی عام شہرت تھی۔ چنانچہ سلطان حسین لنگاہ نے قاضی محمد اوچوی کو گجرات بھیجا تاکہ وہاں کی عمارات کے نقشے تیار کروا کے لائیں۔ انہوں نے گجرات پہنچ کر احمد شاہ کی خدمت میں اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ احمد شاہ نے بڑی خوشی سے اس کو اجازت دی۔ ان دنوں احمد آباد نیا نیا بسایا گیا تھا۔ قاضی محمد نے ان تمام نو تعمیر شدہ محلات کے خاکے تیار کئے اور واپس ملتان پہنچ کر سلطان حسین لنگاہ کی خدمت میں پیش کئے اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اگر سلطنت ملتان کا تمام محصول بھی خرچ کر ڈالیں تو بھی احمد آباد کے محلات جیسا ایک محل تعمیر نہیں ہو سکتا۔ [۲]

تعمیرات

سلاطین گجرات نے جو شہر بسائے ان شہروں کی رونق، آبادی، اور وسعت کا یہ حال تھا کہ آج بھی ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

احمد آباد اتنا بڑا تھا کہ ایک طرف وہ سرکھیج سے ملتا تھا اور دوسری طرف محمود آباد سے۔ محمود ثالث کے عہد میں احمد آباد و محمود آباد کے درمیان کی سڑک کے دو رویہ دوکانیں اور مکانات بنوا کر اور درخت

---

[۱] تمدنی کارنامے ص۱۷۱ [۲] خطہ پاک اوچ ص۱۴۹۔

لگاکران کو ایک کر دیا گیا تھا۔ اس وقت احمدآباد کی آبادی بیس لاکھ تھی، کھنبایت جو ایک بڑا بندرگاہ تھا اسکی آبادی آٹھ دس لاکھ تھی اسی طرح جوناگڑھ اور چانپانیر وغیرہ کی آبادی بھی لاکھوں کی تھی۔ احمدنگر بھی اس زمانے میں آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ بھروچ کی آبادی بھی کچھ کم نہ تھی۔ مغلیہ عہد میں سورت کی آبادی بارہ لاکھ تھی۔

گجراتی سلاطین نے سڑکیں، پل، لنگر خانے، شفاخانے، مسافرخانے تالاب، یتیم خانے اس کثرت سے بنوائے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

سڑکیں:۔ سلطان احمدآباد نے جب احمدآباد بسایا تو ہر جگہ وسیع سڑکیں بنوائیں۔

فرشتہ نے لکھا ہے کہ احمدآباد کی سڑکیں اس قدر کشادہ اور چوڑی تھی کہ دس دس گاڑیاں آسانی کے ساتھ پہلو بہ پہلو چل سکتی تھیں محمود اول کے وقت میں ایک بڑی سڑک پٹن سے بڑودہ تک تیار کی گئی تھی۔ جس کے دونوں کنارے سایہ دار درخت بھی لگائے گئے تھے۔ اسی طرح محمود ثالث کے عہد میں احمدآباد سے محمودآباد تک ایک سڑک تیار کی گئی تھی جس کے دونوں جانب دوکانیں تھیں۔ چانپانیر میں ایک عالی شان قصر تھا جس کا نام دلکشا تھا۔

بہادر شاہ اکثر اسی محل میں رہتا تھا۔ اس سے متصل ایک بہت وسیع اور عظیم الشان مکان تھا جس کو دربار کہتے تھے۔ غیر ممالک کے سفراء یہیں ان کی خدمت میں باریاب ہوتے تھے۔ انہی کے عہد میں ایک محل اور تھا جس کی عام طور پر بڑی شہرت تھی اس کا نام سنگار منڈپ تھا۔

محمود ثالث نے محمودآباد میں دو میل لمبا جو آہو خانہ تیار کرایا تھا۔ اس میں متعدد قصر اور مختلف قسم کی عمارتیں بھی بنوائی تھیں۔ اسی عہد میں

دریاخاں نے احمدآباد میں ایک عالی شان گنبد تعمیر کروایا تھا۔ یہ تمام گجرات اور کاٹھیاواڑ میں اپنے طرز کی واحد اور بے مثل عمارت تھی۔ اس وقت تک گجرات میں جتنی عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں وہ جینی طرز کی اور سنگی ستونوں پر قائم کی جاتی تھیں، مگر یہ ایرانی اور عربی طرز کا اور پکی اینٹوں پر قائم کیا گیا تھا چونکہ یہ طرزِ تعمیر گجرات کے لیے بالکل نیا تھا۔ اس لیے اس کی گنبد کی بڑی شہرت ہو گئی۔

بعض مقامات میں جو عمارتیں بنیں وہ اپنی خوبصورتی، دلاویزی اور شان وشکوہ میں بہت بے نظیر تھیں مثلاً منگلور، کھنبایت، بھروچ، احمدآباد کی جامع مسجدیں، ہلتے مینارے مینارلرزاں (احمدآباد کی قدیم مسجدوں میں اکثر دو ہی مینار ہوتے تھے جن کی خصوصیت یہ تھی کہ ایک مینار کو ہلایا جاتا تو دوسرا مینار بھی ہلنے لگتا تھا، بعض انگریز انجنیروں نے بے حد کوشش کی لیکن دونوں میناروں کا تعلق معلوم نہ کرسکے) جھوٹ کاکی کی مسجد، جالی کی مسجد۔ رانی سپری کی مسجد، احمدآباد میں صناعی کے بہترین نمونے ہیں۔ ضلع پٹن کے موضع سمہ میں ایک ایسی مسجد تعمیر ہوئی تھی جس میں بارہ برجوں کے لحاظ سے بارہ خانے بنائے گئے تھے کہ ہر ماہ چاند اپنے برج سے دکھائی دے۔ عالمگیر کے عہد تک یہ مسجد موجود تھی۔ شاہجہاں نے بھی احمدآباد میں شاہی باغ کے ساتھ دریا کے کنارے جو محل تعمیر کرایا تھا وہ اپنی نظیر آپ تھا۔

خاص احمدآباد میں پانچ سو پتھر کی مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ شاہجہاں گورنر کی حیثیت سے احمدآباد میں عرصہ تک رہے۔ یہیں کی عمارتوں کو دیکھکر اس کو عمارتوں کا ذوق پیدا ہوا۔ اسی ذوق کا نتیجہ تاج محل ہے! اس نے یہاں بھی دریا کے کنارے ایک شاہی باغ اور شاہی محل تعمیر کرایا تھا۔

اٹھانوے گنبد کی مسجد

سلطان احمد نے ۸۱۴ھ (۱۴۱۱ء) میں مانک چوک کے قریب ایک عظیم الشان مسجد بنوائی جس میں "ملوک خانہ" کے علاوہ تین سو باون ستون تھے، "دروازہ ملوک خانہ" میں بارہ "تخت ملوک خانہ" میں آٹھ اور جنوبی و شمالی بازوؤں میں دو سو بارہ ستون تھے۔ اور اسی طرح دیگر بہت سے ستونوں کے علاوہ ۹۸ گنبد تھے۔ [1]

احمد آباد کی جامع مسجد

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں کہ:

۲۶ رماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) منگل کے دن جامع مسجد دیکھنے کے لئے گیا جو بازار میں واقع ہے۔ ان فقراء میں سے چند کو جو وہاں موجود تھے تقریباً پانچ سو روپے اپنے ہاتھ سے خیرات کئے۔ یہ مسجد سلطان احمد بانی شہر احمد آباد کی بنوائی ہوئی ہے۔ جو تین دروازوں پر مشتمل ہے۔ ہر دروازے کے رخ پر ایک بازار ہے۔ اور اس دروازے پر جو مشرقی جانب واقع ہے سلطان احمد کا مقبرہ ہے۔ اس کے گنبد میں سلطان احمد اور اس کا بیٹا محمد اور اس کا پوتا قطب الدین محو استراحت ہیں۔ مقصورہ کو چھوڑ کر صحن مسجد کا طول ایک سو تین گز اور عرض نواسی گز ہے۔ صحن کے اردگرد پونے پانچ گز عرض کے ایوان بنائے گئے ہیں صحن کا فرش تراشی ہوئی اینٹوں سے تعمیر ہوا ہے اور ایوان کے ستون سنگ سرخ کے ہیں۔ مقصورے

---

[1] توزک جہانگیری صفحہ ۲۲۴، ۲۲۹

کے تین سو چوّن ستون ہیں ۔ ان ستونوں کے اوپر گنبد بنایا گیا ہے مقصورے کا طول ۶۸ گز اور عرض ۲۷ گز ہے ۔ مقصورے کا فرش اور محراب و منبر سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں ۔ اور پیش طاق کے دونوں بازوؤں میں تراشیدہ پتھر کے دو گول مینار ہیں ۔ جو تین نشست گاہوں پر مشتمل ہیں جن میں نہایت نازک نقش و نگاری کی گئی ہے ۔ اور داہنی جانب منبر کے متصل مقصورہ کے کونے میں علیحدہ شاہ نشین بنایا گیا ہے ۔ جس کے ستونوں کے درمیان سنگین تختے نصب کئے گئے ہیں ۔ اور شاہ نشین کے اطراف چھت تک سنگین جالیاں کھڑی کی گئی ہیں ۔ اس تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ جب بادشاہ نماز جمعہ اور عیدین کے لئے مسجد میں حاضر ہو تو وہ اپنے مقربوں اور مصاحبوں کے ساتھ اسی اونچی نشست میں جسے اس علاقے کے لوگوں کی اصلاح میں "ملوک خانہ" کہتے ہیں ، نماز ادا کرے ۔ ممکن ہے کہ یہ تصرف و احتیاط اس بنا پر کیا گیا ہو کہ بادشاہ عام ہجوم سے محفوظ رہے ۔

مصنف مرآۃ احمدی علی محمد خان کے بیان کے مطابق تو صرف احمد آباد میں پتھر کی پانچ سو مسجدیں تھیں ۔

مقابر میں شیخ احمد کھٹو کا مقبرہ سرکھیج میں آج تک ماہرین فن کی نگاہوں کا مرکز ہے ۔

شہنشاہ جہانگیر کا تخمینہ ہے کہ اس مقبرہ کی تعمیر پر پانچ لاکھ روپیے صرف ہوئے ہیں ۔ حضرت شاہ عالم کے مقبرہ کے علاوہ دریا خاں کے مقبرہ کا گنبد تمام گجرات کی عمارتوں میں ممتاز ہے ۔ سرکھیج میں محمود اول کے مقبرہ پر سنگ مرمر کا جو کام ہوا ہے وہ اپنی ندرت و باریکی کے لحاظ سے بہت پرکشش ہے ، جامع مسجد احمد آباد کے شہ نشیں پر جو سنگ مرمر کی محراب

ہے۔ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، وہاں کی ہر مسجد میں مصلے کے پاس جو سورج مکھی بنی ہوئی ہے۔ وہ بھی نقش و نگار کا عجیب و غریب نمونہ ہے، اس زمانہ کی قبروں پر سورج مکھی کی تو بہت کم لیکن قندیل کی شکل بہت زیادہ سنگِ مرمر کی بنی ہوتی ہے۔ صناعی کے لحاظ سے وہ بھی عجیب چیز ہے۔

سید میراں کی تعمیرات

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں! کشتی میں بیٹھ کر دریائے محمود آباد میں مچھلی کا شکار کھیلنے کے لئے گیا۔ دریائے محمود آباد کے کنارے سید مبارک گجراتی (مرأۃ سکندری انہیں کی سرپرستی میں تصنیف ہوئی تھی) کا مقبرہ واقع ہے جو گجرات کے عمدہ امرا میں سے تھے۔ اور اس عمارت کو ان کے بعد ان کے فرزند سید میراں نے بنوایا تھا۔ اس کا نہایت بڑا اور عالیشان گنبد ہے۔ اور اس کے اردگرد چونے اور پتھر سے نہایت مضبوط چاردیواری بنائی گئی ہے۔ تخمینہ یہ ہے کہ اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہونگے۔ سلاطین گجرات کے جو مقبرے میری نظر سے گزرے ہیں ان میں سے کوئی اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتا۔ [1]

باغات

سلطان محمود بیگڑہ نے طرح طرح کے باغات لگوائے، کوئی فقط میووں کا تھا، کوئی صرف پھولوں کا، کوئی محض پھلوں کا۔ اس نے آم، انار، کھرنی، گولر، ناریل، بیل، مہوہ، جامن، کے کثرت سے درخت لگوائے محمد آباد دچاپانیر) میں اس نے متعدد باغ لگوائے جنہیں آم بہت نفیس وخوشبودار ہوتے تھے، انار، انجیر، انگور،

---

[1] توزک جہانگیری ص ۲۵۱۔

بادام، سیب، کیلا، امرت پھل، سدا پھل، نارنگی، تاڑ پھلی (تاڑ) ناریل، کٹہل، بدہل، کمرخ، فالسہ، اعلیٰ درجہ کا بکثرت پیدا ہوتا تھا، آملہ اور ہڑ کا ایک باغ عہد عالمگیر تک باقی تھا۔

محمود نے پھولوں کا جو چمن لگایا تھا اس میں گل لال، گل سیوتی، چنبیلی، چمپہ، بیلا، موگرا، جائی، جوہی، کرنی مولسری، کیوڑہ، کیتکی طرح طرح کے خوشبو دار پھولوں کے درخت تھے۔ خربزے کی کاشت بڑے اہتمام سے کرائی اور ان کے خربزے آج تک مشہور رہیں۔

سلطان محمود کے ایک ملازم نے سلطان کے لئے خراسانی طرز کا باغ بنایا سلطان نے اس کا نام "باغ بھالول" رکھا، گو باغ تو اب موجود نہیں ہے لیکن وہ زمین چانپانیر اور گودھرہ کے درمیان موجود ہے۔ [1]

اس کے بعد تو گجرات میں باغبانی کا مذاق عام ہو گیا، اور امراء نے بھی باغ لگانے شروع کر دیئے۔ سلطان محمود نے خاص احمد آباد میں بڑے اعلیٰ پیمانہ کا پانچ میل لمبا اور ایک میل چوڑا باغ لگوایا۔ اس کا نام باغِ فردوس تھا۔

مرآۃ احمدی میں ہے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ اس میں نو لاکھ درخت تھے اسی لئے اس باغ کا دوسرا نام نولکھی باغ تھا، اس میں آم، کھرنی، اور آملہ کے درخت زیادہ تھے۔

بعض تاریخوں میں ہے کہ پٹن سے بڑودہ تک آم، اور کھرنی کے کئی لاکھ درخت لب سڑک تھے۔ اسی لئے کھرنی تمام ہندوستان سے زیادہ اور اچھی گجرات میں ہوتی ہے۔ محمد قاسم فرشتہ نے بھی اپنی کتاب طبِ فرشتہ میں اس کو لکھا ہے۔

---

[1] مرآۃ سکندری ص ۱۰۹ طبع دوم بمبئی۔

درختوں کی کثرت کیوجہ سے احمد آباد کا موسم بہت خوشگوار اور سرد ہو گیا تھا۔ چنانچہ سلطان محمود گرمیوں کا موسم احمد آباد اور جاڑا جونا گڑھ میں گزارتے اور برسات چانپانیر میں۔

علیم الدین خداوند خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے انجیر اور نیزہ کے درخت دکن سے منگوا کر گجرات میں لگوائے جو تمام ملک میں رواج پا گیا۔ احمد آباد کے ایک محلہ عیسن پور میں جو باغات لگائے گئے تھے۔ ان میں آم، کھرنی اور تاڑ کے درخت بہت اچھے تھے۔ اس باغ کے گل مونگرہ کی بڑی شہرت تھی، باڑوہ سے عیسن پور اور عیسن پور سے رسول آباد تک سڑک کے ہر دو جانب اس قدر گھنے آم اور کھرنی کے درخت لگے تھے کہ اس کے سایہ میں مسافر کو جنت کا مزہ آتا تھا۔

سلطان قطب الدین نے کانکریہ تالاب کے بیچ میں ایک مختصر سا باغ لگایا تھا، جس کا نام نگینہ باڑی تھا۔ بڑی فرحت بخش جگہ تھی۔ اس تالاب کے جانبِ جنوب وہ ایک اور باغ لگوا رہے تھے لیکن اسی درمیان میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اور باغ نامکمل رہ گیا، اس کا نام موگرہ باغ تھا۔

محمود ثالث کے عہد میں محمود آباد میں جو آہوخانہ بنا تھا، اس کے ساتھ ایک بہت بڑا باغ بھی تھا، اس میں یہ اہتمام تھا کہ اس کے درختوں کی شاخوں میں رنگین کپڑے لپٹے جاتے، اور موسم خزاں میں مصنوعی پھول لگائے جاتے۔

سلاطین کے باغبانی کے اس ذوق وشوق کو دیکھکر دولت مندوں کو بھی اس کا شوق پیدا ہوا، اور انہوں نے بھی بکثرت باغ لگوائے، جو سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور تک باقی رہے، چنانچہ ہری کا باغ، رستم باغ، گلاب باغ، توت باغ، باغ غسل خانہ واقع بھدر، باغِ شاہی، کاریز باغ، باغ

حویلی، (شاہجہاں) شاہ باڑی، باغ چاپانیر، جیت باڑی، فتح باغ، باغ ارم اسی شوقِ عام کے نتائج ہیں۔

کوکب فلک جو سلطان مظفر چہارم اور اکبر بادشاہ کے عہد کی تصنیف ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ کیرد گنج میں آم کے پانچ لاکھ درخت تھے۔

یہ شوق امیروں اور دولت مندوں سے گزر کر غریبوں میں بھی پیدا ہوگیا تھا چنانچہ ایک غریب بڑھیا نے بھی باغ لگایا۔ جس میں پانی کی بڑی کمی تھی بادشاہ کے حکم سے اس میں کنواں کھدوایا گیا۔

دلکش باغات

"تذکرہ الملوک" کے مصنف کے حوالے سے صاحب مرآۃ احمدی نقل کرتے ہیں کہ صرف ایک عثمان پورہ میں کاریگروں کی بارہ ہزار دکانیں تھیں، اطرافِ شہر میں متعدد باغات تھے، جس میں لالہ دریاحین، انواع واقسام کے پھول، پودے درخت دلکش عمارتیں بڑے بڑے آبشار اور پانی سے بہتی ہوئی نہریں تھیں۔ جسکے چاروں طرف خوبصورت درخت لگے ہوئے تھے۔

باغات میں سے باغ نگینہ، جو کاکریہ تالاب کے وسط میں بنایا گیا تھا۔ اور وہ کاکریہ تالاب جس کی لمبائی ساڑھے سات سو ہاتھ تھی۔ کاکریہ اس کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عالم رح جن کے نکاح میں پہلے سلطان محمود بیگڑہ کی خالہ مرکی تھی۔ جب بی بی مرکی کا انتقال ہوگیا تو حضرت شاہ عالم نے بی بی مرکی کی ہمشیرہ بی بی مغلی جو بیوہ ہوچکی تھیں اور سلطان محمود بیگڑہ اس وقت یتیم تھے اس لئے آپ نے بی بی مغلی سے نکاح کیا اور اس طرح سلطان محمود بیگڑہ کی براہ راست تربیت آپ نے فرمائی۔

غرض حضرت شاہ عالم تالاب کی کھدائی کے وقت جب وہاں پہنچے

تو آپ کے پیر میں کنکر چبھا جس پر آپ نے فرمایا کہ کیا کنکر ہے؟ (کا نکرہ گجراتی میں کہا جاتا ہے) وہیں سے کانکو سے کانکریہ تالاب مشہور رہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطان نے جب آپ سے پوچھا کھدائی کے وقت کہ کس جگہ بنایا جائے تو آپ نے کنکر پھینک کر جگہ بتائی۔ اس لئے اس کو کانکریہ تالاب، کہا جاتا ہے۔ کانکڑیہ تالاب کے چاروں طرف سلطان محمود کا ارادہ باغات کے بنانے کا تھا۔ اسی لئے جنوبی سمت میں آپ نے باغ کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کو باغ موگرہ، بھی کہتے ہیں جو ناتمام رہ گیا تھا۔

اسی طرح وہاں احمد آباد کی، شاہ باڑی، بھی بہت مشہور ہے جو سابرمتی کے کنارے پر باسٹھ بیگھہ میدان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ باغ کی باہر کی پچاس بیگھہ زمین بھی اسی کے متعلق تھی۔

سلطان محمود بیگڑہ کا بنوایا ہوا ایک باغ حویلی کے علاقہ میں، کترار، جگہ میں تھا۔ جس میں سلطان محمود نے صرف پھلدار نو لاکھ درخت لگوائے تھے اس لئے اس کا نام ہی نولاکھہ پڑ گیا تھا۔

اسی طرح باغ شعبان جو سلطان محمد بن سلطان احمد کے غلام کا بنایا ہوا تھا۔ یہ عظیم الشان باغ تھا۔ جو موضع رکھیال، میں تھا۔

؛ باغ درخت ھلیلہ ؛ یہ بھی موضع رکھیال میں مشہور تھا۔

اسی طرح سابرمتی کے کنارے پر رستم خاں کا بنوایا ہوا رستم باغ بھی مشہور تھا جو ساٹھ بیگھہ زمین پر پھیلا ہوا تھا۔

رستم باغ کے قریب ہی میں گلاب باغ اور باغ توت مشہور تھے جو گلاب کے پھول اور اس کا عطر کشید کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

پرگنہ حویلی میں؛ باغ شاہی، جو ایک سو پانچ بیگھہ زمین پر بنایا گیا تھا۔ یہ باغ شاہی مقصود پور

میں جو پرگنہ حویلی کے دیہاتوں میں ہے۔ اور سابرمتی کے کنارے پر جو شاہجہاں کے حکم سے اس کے وکیلوں نے بنایا تھا۔ جس میں پانی پہنچانے کے لئے ایک سو بیل اور ستر اشخاص باغبانی کے ماہرین متعین تھے اور مزدور صفائی کرنے والے نگرانی کرنے والے، تحویلدار، حساب وکتاب رکھنے والے، اسکے علاوہ تھے۔

"فرمان باڑی" فرمان باڑی کے نام سے سابرمتی کے مغربی سائیڈ پر بھی ایک باغ تھا "فتح باغ" جب مرزا عبدالرحیم خانخاناں نے دکن کے حاکم سلطان مظفر حسین پر فتح پائی تو اس فتح کی خوشی میں سرکھیج میں فتح باغ بنایا گیا تھا۔

"جیت باغ" سیف خاں نے عبداللہ خاں فیروز پر جنگ میں فتح پائی تو اس جگہ اس نے جیت باغ کے نام سے جیتل پور نامی جگہ میں ایک باغ بنایا تھا جس میں بطور خاص باولی بنائی گئی تھی کہ جو "داھری باولی" کے نام سے مشہور تھی۔ [1]

باغ فتح

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں:

"اس میدان جنگ میں خانخاناں نے جو باغ لگایا ہے وہ دریائے سابرمتی کے کنارے پر واقع ہے، اس باغ میں اس نے ایک عالی شان عمارت کے ساتھ اس کے مطابق ایک چبوترہ بھی دریا کے کنارے تعمیر کرایا ہے۔ باغ کے اردگرد چونے اور پتھر کی نہایت مضبوط دیوار کھینچی گئی ہے اس باغ کا رقبہ ایک سو بیس جریب ہے۔ اور بلاشبہ یہ ایک بہترین سیرگاہ

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۲۲-۲۳

ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہوں۔ مجھے یہ باغ بہت پسند آیا کہا جاسکتا ہے کہ تمام صوبہ گجرات میں اس جیسا کوئی باغ نہیں ہوگا۔ مبارک شنبہ (جمعرات) کی رات وہیں گزار کر جمعہ کے دن شہر واپس آیا ۲۲ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن باغِ فتح میں گلاب کے پھولوں کی سیر کے لئے گیا۔ پھولوں کا ایک تختہ خوب کھلا ہوا تھا۔ اس ملک میں گلاب بہت کم ہوتا ہے اس قدر پھولوں کا ایک جگہ دکھائی دینا بہت غنیمت ہے۔ گل لالہ کا لالہ زار بھی بُرا نہ تھا۔ باغ کے انجیر کے درختوں پر پکے ہوئے انجیر لگے ہوئے تھے۔ میں نے چند انجیر اپنے ہاتھ سے توڑے ان میں سے جو بڑا تھا، اُسے تلوایا اس کا وزن ساڑھے سات تولے نکلا۔[1]

جہانگیر بادشاہ کی مؤلف مرآۃ سکندری کے باغ میں سیر

جہانگیر اپنی تو زک میں لکھتے ہیں:

۲۸ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن رستم خاں باڑی کی سیر کے لئے گیا۔ باڑی اہلِ ہند کی اصطلاح میں باغ کو کہتے ہیں یہ باغ میرے بھائی شاہ مراد نے اپنے بیٹے رستم خان کے نام پر بنوایا تھا۔ دن کے آخری حصے میں شیخ سکندر کے باغ میں گیا جو اس کی حویلی میں واقع اور رستم باڑی سے قریب ہے، انجیر خوب پکے ہوئے تھے۔ اپنے ہاتھ سے توڑ کر خوب کھائے۔ میوے اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھانے کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

میں نے زندگی میں اب تک اپنے ہاتھ سے انجیر توڑ کر نہیں کھاتے

---

[1] توزک جہانگیری ص ۲۴۴۔

تھے۔ اس کے علاوہ شیخ سکندر کی سرفرازی بھی مقصود تھی اس لیئے میں اس باغ میں بلا تکلف چلا گیا۔ شیخ سکندر گجراتی الاصل اور معقول انسان ہے۔ اور سلاطین گجرات کے حالات اُسے خوب یاد ہیں۔ تقریباً آٹھ نو سال سے وہ سلطنت کے امراء کے زمرے سے منسلک ہے۔

چونکہ فرزند شاہجہاں نے رستم خاں کو جو اس کے عمدہ ملازموں میں سے ہے۔ احمد آباد کی حکومت پر مقرر کیا تھا۔ لہٰذا میں نے اس فرزند کی سفارش پر رستم باڑی کو رستم کے نام کی مناسبت سے اس کو بخش دیا۔[1]

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں!

"نگینہ نامی باغیچے میں جو دولت خانے کے اندر واقع ہے اور جسے سلاطین گجرات میں سے کسی بادشاہ نے بنوایا تھا محفل منعقد کی۔ اس باغیچے میں انگور کا ایک تختہ بالکل پک چکا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ اپنے ہاتھ سے انگور توڑ کر کھائیں۔"[2]

گلاب کی کاشت

باغات اور پھول پھلواری کی کثرت کا اندازہ اس قصہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک بزرگ کے لیئے معالج نے گلقند تجویز کیا سلطان گجرات کو جب اس کا علم ہوا تو بارہ چھکڑے (بیل گاڑیاں) گلقند سے بھری ہوئی ان کی خدمت میں بھیج کر پیغام بھجوایا کہ معاف کیجئے کہ سفر میں ہوں اس لیئے اتنا ہی بھیج سکا ہوں۔ سوال ہوتا ہے کہ اتنی بڑی گلقند کی مقدار سلطان کے لیئے سفر میں ساتھ کیوں رکھی جاتی ہوگی۔ مورخین اس کا جواب بھی

---

[1] توزک جہانگیری ص ۲۴۲، ۲۴۱ [2] ایضاً ص ۲۵

لکھتے ہیں کہ دراصل سلطان کے لیئے گلقند کے عرق کو مشروب کے طور پر کشید کیا جاتا تھا۔ اس لیئے اتنی مقدار میں گلقند ساتھ رکھا جاتا تھا۔

جہانگیر کا تالاب کاکریہ کے کنارے قیام

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں !

۲۲ ر ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۷-۱۶۱۶ء) کو ہفتے کے دن کاکریہ کے تالاب کے کنارے قیام کیا۔ یہ تالاب شہر احمد آباد کے بانی سلطان احمد کے پوتے قطب الدین محمد نے بنوایا تھا۔ اس کے اردگرد پتھر اور چونے کی پختہ سیڑھیاں بنائی گئی ہیں اور تالاب کے درمیان ایک مختصر سا باغیچہ اور مکان بنا ہوا ہے۔ تالاب کے کنارے سے مکان تک ایک پل ہے تاکہ آمدورفت کا راستہ ہو سکے۔ چونکہ اس عمارت کی تعمیر پر ایک عرصہ گذر چکا ہے اس لئے جا بجا یہ عمارت ٹوٹ پھوٹ گئی ہے اور کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی ہے جہاں انسان بیٹھ سکے اس زمانے میں جبکہ میں نے احمد آباد آنے کا ارادہ کیا تو گجرات کے بخشی صفی خان نے شاہی خزانے سے اس کی شکست و ریخت کی مرمت کرائی اور باغیچے کو بھی صاف کرایا۔ اس طرح اس نے باغیچے اور عمارت کو نیا رنگ و روپ بخشا، بلاشبہ یہ قیام گاہ نہایت پُرفضا اور دلکش ہے مجھے اس کی وضع بہت پسند آئی۔ اس حصے مین جس میں پل واقع ہے۔ نظام الدین احمد نے جو میرے والد کے زمانے میں کچھ عرصہ گجرات کا بخشی رہا تھا۔ اس تالاب کے کنارے ایک باغ لگوایا تھا۔[1]

---

[1] توزک جہانگیری ص۲۳۵۔

یہ تالاب کس قسم کا تھا اسکے ساخت متعلق

لکھا ہے کہ رائے پور دروازہ سے ½ میل فاصلے پر یہ حوضِ قطب، واقع ہے۔ یہ ۷۲ ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے، اس کا دور ایک میل سے زیادہ ہے، اس کے ۳۲ گوشے ہیں۔ اس کے ہر جانب ۱۹۰ اطراف ہیں۔ اس کو سلطان قطب الدین نے ۸۵۵ھ/۱۱۵۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا، چاروں طرف پتھر کے زینے ہیں، چھ راستے ہیں جن کے اوپر گنبد ہیں، وسط میں ایک جزیرہ تھا، جو ۴۸ کمانوں کے پل کے ذریعے خشکی سے ملا ہوا تھا، ایک باغ بھی تھا جس کو نگینہ باڑی کہتے تھے اس سے آگے ایک محل تھا جسکا نام گھٹا منڈل تھا سلطان قطب الدین موسم گرما اسی محل میں گذارتا تھا، وسط تالاب میں ایک چھوٹا حوض بھی تھا، جس میں فوارہ لگا تھا، شمالی جانب ایک کمرہ تھا، (جو غالباً تالی کے لیے ہوگا) اس خیال سے کہ یہ گرمیوں میں خشک نہ ہو جائے اس کو گیارہ میل کی طویل نہر کھود کر کسی ندی سے ملا دیا گیا تھا۔

جہانگیر توزک میں لکھتے ہیں کہ!

اتوار کے دن ۲۳ رجب ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ء) کو حکیم علی کے گھر حوض دیکھنے کے لئے گیا، میرے مقرب مصاحب جنہوں نے یہ حوض پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میرے ساتھ تھے۔ اس طرح کا ایک حوض انہوں نے حضرت عرش آشیانی کے زمانے میں لاہور میں بھی بنوایا تھا۔ یہ حوض چھ گز لمبا اور چھ گز چوڑا ہے۔ حوض کے برابر میں ایک گھر بنا ہوا ہے۔ جو نہایت روشن ہے۔ اس گھر کا راستہ بھی پانی سے ہو کر جاتا ہے۔ لیکن عجیب

بات یہ ہے کہ اس راستے سے گھر میں پانی نہیں آتا۔ اس گھر میں دس بارہ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوگی۔ حکیم نے نقد اور جنس سے جو چیزیں اس وقت اس کے پاس تھیں بطور نذر پیش کیں۔ میں اس گھر کے ملاحظے کے بعد جب تمام مقرب مصاحب گھر میں داخل ہوگئے۔ حکیم کو دوہزاری منصب سے سرفراز کرکے اپنے دولت خانے کو لوٹ آیا۔ [1]

کارخانے

احمد آباد گجرات کے کارخانوں کی بھی بڑی شہرت ہے لکھتے ہیں!

نویں صدی کے شروع میں گجرات کا پایۂ تخت احمد آباد۔ آباد کیا گیا۔ اور پچاس برس میں اس قدر ترقی کر گیا کہ ہندوستان میں کوئی شہر اس کا مقابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ سلطان محمود بیگڑہ کو خصوصیت سے اس کی ترقی کا بڑا خیال تھا۔ ان کے عہد میں ہر قسم کے اہلِ کمال یہاں جمع ہوگئے تھے تاریخ کے تتبع سے جہاں تک پتہ چلتا ہے اسی وقت سے یہاں کاغذ کے کارخانے قائم ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ اس قدر ترقی ہوئی کہ خاص احمد آباد کے علاوہ پٹن اور کھنبایت میں اس کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہوگئے۔ پٹن (نہروالہ) کے کاغذ کا نام ہی پٹنی ہوگیا۔ احمد آباد کے کاغذ کی خاص خوبی اس کی سپیدی (سفیدی) اور چکناپن ہے۔

مرآۃ احمدی میں ہے!

کاغذ سازی کے کارخانوں سے اگرچہ دولت آبادی اور کشمیری کاغذ بہت ہی عمدہ بنتا ہے۔ لیکن سفیدی اور چمک میں احمد آبادی کا مقابلہ نہیں کرسکتا

---

[1] توزک جہانگیری صـ ۲۶۲۔

اور یہ مختلف قسم کے تیار کئے جاتے ہیں۔ [1]

مبارک نام کا اثر

اس مبارک نام کا اثر ہر طرح سے ظاہر ہوا۔ یہاں اصحابِ طریقت بھی ہوئے، شیوخ، علم و معرفت بھی اور دنیوی فنون میں کمال رکھنے والے اہلِ صنعت و حرفت بھی۔ یہاں کی پارچہ بافی کے متعلق تیسری صدی کا ایک عرب سلیمان تاجر لکھتا ہے کہ؛ اس ملک سے اچھے کپڑے اور کہیں نہیں ہوتے۔ سوتی کپڑے اتنے نفیس اور باریک ہوتے ہیں کہ انگوٹھی کے حلقہ میں آسانی سے سما جاتے ہیں؛

وہ لکھتا ہے:۔ اس طرح کے بعض کپڑے ہم نے خود (اور کہیں) نہیں دیکھے؛

مرآۃ احمدی میں ہے!

؛محمود شاہ اول کے دور میں احمد آباد میں کمخواب، قسطی، مخمل، چکن، کارچوب کا کام بہت عمدہ قسم کا ہوتا تھا اور یہاں کے کاریگروں کے نام ایران، توران، روم اور شام تک مشہور تھے؛ (جلد ۲ ص ۳۰۵)

خلاصۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ!

؛احمد آباد میں زری کا چیرہ، فوطہ، جامہ دار، مخمل، زربفت، خارا وغیرہ بہت اچھے تیار ہوتے تھے۔ اور روم، فرنگ اور ایران کے کاریگروں کی تقلید کی جاتی۔ قسطی تو بہت عمدہ تیار ہوتی، لوگ اس کو تحفہ کے طور پر ہاتھوں ہاتھ لے جاتے (خلاصۃ التواریخ ذکر گجرات)

---

[1] تمدنی کارنامے ص ۲۴۹، ۲۵۰۔

یہاں کے کاریگروں نے شاہجہاں کے دور میں مخمل اور زربفت کا ایک خیمہ ایسا قیمتی بنایا تھا جو ایک لاکھ روپے میں تیار ہوا تھا۔ (بادشاہ نامہ صفحہ ۱۵ حصہ ۲)

یہ کاریگر اپنے فن کے اس قدر ماہر تھے کہ جے پور کے راجہ جے سنگھ (غالباً مندھراج) نے جے پور کو اپنے یہاں کا احمد آباد ثانی بنانا چاہا تو بڑے بڑے انعامات دے دلا کر احمد آباد سے کاریگروں کو لے گیا۔

گجرات کے یہ اہل صنعت ایسے تھے کہ دنیا کے دور دراز گوشوں میں ان کی صناعی کی شہرت پھیل گئی۔

سیّاح باربوسہ کا کہنا ہے کہ گجرات کے ریشمی کپڑے مشرقی افریقہ اور پیکو تک جاتے ہیں واتھا کے بیان کے مطابق گجرات کے کپڑے فارس، تاتار، شام، تبریز، عرب اور حبش لیجاتے تھے

مگر افسوس کہ انگریزوں کے ظلم نے اس صنعت و حرفت کو چوپٹ کر کے رکھدیا۔

نیز لکھا ہے کہ! ایوانِ خاص و عام میں جشن نوروزی اور جشن جلوس منعقد کرنے کا انتظام کیا بادشاہ کے حسب الحکم ایوان چہل ستون کے سامنے سونے چاندی کے ستونوں پر مخمل زربفت کا شامیانہ نصب کیا گیا۔ جس پر مقیش کی جھالر لگی تھی۔ یہ شامیانہ ایک لاکھ روپے کے خرچ سے گجرات کے ہنرمندوں نے تیار کیا تھا۔ سامنے کا تمام صحن رنگین اور مرصع کپڑوں کے فرش سے گلزار بنا ہوا تھا۔ شامیانے کے نیچے ایک مربع چبوترا بنایا تھا۔ جس کے چاروں ضلعوں پر سنگین جالی دار محجر تھے۔ عین وسط میں پر مرصع تخت رکھا گیا تھا۔ جس پر جواہر نگار چتر سایہ فگن تھا۔ چتر کی جھالر موتیوں کی کثرت سے جگمگ کر رہی تھی۔ دیوانِ خاص و عام کے در و دیوار، طاقوں

اور چھت کو نیز نقار خانے کی عمارت اور صدر دروازے کی محرابوں پر زر دوز مخمل، ایرانی زربفت اور رومی ریشم اسطرح لپیا تھا کہ سارا مکان گل و گلزار بنا ہوا تھا۔ ان میں سے ہر حصے کی آرائش نامی امرائ اور شاہزادوں کے سپرد کی گئی تھی علاوہ ازیں اس بہشت منظر محفل میں جگہ جگہ مرصع، مینا کار طلائی ظروف بھی رکھے ہوئے تھے جو جشن کی شان وشکوہ کو دوبالا کر رہے تھے۔ [1]

زربفت گجرات میں تیار شدہ شامیانہ کا حال لکھا گیا ہے کہ!

۱۲ر فرور دیں (۲ر اپریل ۱۶۳۵ء) کو حضرت شاہ جہاں نے مخملی زربفت کا وہ شامیانہ ملاحظہ فرمایا۔ جو صوبہ دار گجرات سپہدار خاں نے چوراسی ہزار روپے کی لاگت سے تیار کرواکے بطور پیش کش ارسال کیا تھا۔ ستون چاندی کے تھے جن پر سنہری ملمع تھا ۱۹ر فرور دیں (۹ر اپریل ۱۶۳۵ء) کو دولت خانہ شاہی میں شرف آفتاب کا جشن منایا گیا۔ جواہرات اور طلائی مینا کاری سے قصر سلطنت کے درودیوار اس طرح جگمگاتے تھے کہ چرخ چہارم کی چمک دمک نظروں سے گرگئی۔ دودمان تیموری کے چشم وچراغ شاہجہاں صاحب قران ثانی نے اس انجمن میں تخت طاؤس پر بیٹھ کر ایسی سخاوت کی کہ ابر نیساں شرم سے پانی پانی ہوگیا۔ [2]

شاہ جہاں نامے میں ہے کہ!

۱۲ر اسفندار ۹ر ربیع الثانی ۱۰۶۳ھ مطابق ۹ر مارچ ۱۶۵۳ء عمر کے چونسٹھویں قمری سال کا جشن تلادان منعقد ہوا۔ سرکاری کارپردازوں نے ایوان خاص و عام کے سامنے ۹۶ گز لمبی ۳۸ گز چوڑی مخمل اور زربفت کی بارگاہ کھڑی کی جسے گجرات کے کارخانوں میں ہنرمند کاریگروں

---

[1] شاہجہاں نامہ صفحہ ۶۸، ۶۹ج ۲ [2] ایضا صفحہ ۸۱، ۸۰ج ۲۔

نے اسّی ہزار روپے کی لاگت سے تیار کیا تھا۔ یہ سراپردہ ۴۴ نقرئی ستونوں پر جن کے طلائی کلس تھے، قائم ہوا۔

مجموعی وزن چار لاکھ بیس ہزار تولے (۱۳۱ من ۱۰ سیر) تھا۔ دولت خانہ شاہی میں رنگا رنگ فرش فروش اس نزاکت سے بچھائے گئے کہ آسمان کو رشک آیا۔ ؎

جشن تلا دان کے تحت لکھا ہے کہ:

عمر کے پینسٹھویں[۶۵] قمری سال کا جشن تلادان بتاریخ یکم ربیع الثانی ۱۰۶۴ھ (۱۹ فروری ۱۶۵۴ء) جمعرات کے دن منعقد ہوا۔ دولت خانہ شاہی کا صحن رنگا رنگ فرش فروش سے بہشت بریں کا نمونہ بن گیا۔ احمد آباد کے کاریگروں نے لاکھ روپے کی لاگت سے مخمل بادلہ باف کا سراپردہ تیار کیا تھا جس کے نقش ونگار، باغ وبوستاں کو شرماتے تھے۔ چاندی کے چوالیس ستون جن پر کلس چڑھے ہوئے تھے اس بارگاہ کو سنبھال رہے تھے۔ جس کا کل وزن ۱۲۷ من ۳۲ سیر ۲ تولے تھا۔ سراپردے کے گرداگرد چاندی کا کٹہرا تھا۔ ایوانِ شاہی کے اندر باہر درودیوار پر چین اور ختا کے ریشم کے پردے اور زردوز مخمل کے تھان لپیٹے گئے تھے ایوان کی محرابوں پر نقرئی زنجیروں میں مرصع کار طلائی گولے لٹک کر آب وتاب دکھا رہے تھے۔ تختِ شاہی کے چاروں طرف طلائی ستونوں پر ٹھہرے ہوئے موتیوں سے مرصع شامیانوں کا عالم دیدنی تھا۔ جا بجا طلائی اور مینا کار تخت اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ مرصع چتر جن پر موتیوں کی بیش بہا جھالریں جھول رہی تھیں شان وشوکت میں اضافہ

؎ شاہ جہاں نامہ ج ۳ صفحہ ۱۳

کرتے تھے۔ صاحبقران ثانی شاہجہاں نے تختِ سلطنت پر جلوس کر کے سونا بکھیرنا شروع کیا۔ [1]

جشنِ عشرت کی تفصیل شاہجہاں نامے میں لکھی ہے کہ:

پھر ایوانِ خاص و عام کی آرائش کی نوبت آئی۔ مختلف ملکوں کے نایاب پارچات سے اس رنگین عمارت کے بام و در کو سجا کر دلہن بنا دیا۔ حجروں اور دالانوں میں فرنگ، روم، چین، اور ختا کے زر دوز مخملی پردے آویزاں ہوئے۔ بائیس گز اونچے اور سوا دو گز محیط والے چار نقرئی ستونوں پر شاہی خیمہ دل بادل کھڑا کیا گیا۔ اس کی لمبائی ۷۰ گز اور چوڑائی ۴۵ گز تھی جو احمدآباد کے کارخانے میں سال بھر کی محنت سے تیار ہوا تھا۔ ایک لاکھ روپے لاگت آئی۔ رنگینی اور بلندی کا یہ حال تھا کہ دسواں آسمان کہیں تو زیبا ہے۔ ۳۲۰۰ مربع گز رقبہ اس کے نیچے تھا جس پر ایک ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے تین ہزار تیز دست فراشوں نے اسے برپا کیا۔ اس کے گرداگرد زربفت مخمل کے شامیانے سنہری روپہلی چوبوں پر کھڑے بہار دکھا رہے تھے۔ چاروں طرف نقرئی محجر لگایا تھا۔ دل بادل کے نیچے بڑے بڑے خیمے زربفت، مخمل اور گجراتی و ایرانی دیبا سے آراستہ کلابتون کی ڈوریاں نقرئی ستونوں پر کسی ہوئی۔ جابجا رنگین مرصع چتر جن پر موتیوں کی جھالریں، ان سے موتیوں کی لڑیاں لٹکتی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھیں گویا کہکشاں اور ثریا آسمان پر نمودار ہیں۔ مناسب فاصلے پر مرصع اور زریں تخت رکھے ہوئے۔ اس آراستہ و پیراستہ ایوان کے بیچوں بیچ مربع تخت گاہ تھی جس کے گرد سنہری کٹہرا جھم جھما رہا تھا۔ اس پر بادشاہی تخت رکھا گیا جو لعل و یاقوت

---

[1] شاہجہاں نامہ ج ۲ ص ۶۳۲۔

اور گوہر و زمرد کی کثرت سے رشکِ فلک بنا ہوا تھا ۔ جواہرات کی چمک دمک سے نظر خیرہ ہوتی تھی ۔ عرشِ اعظم کا نمونہ معلوم ہوتا تھا ۔ شامیانے کو چار طلائی ستون سنبھالے تھے ۔ جن کے سربند قیمتی جواہرات سے آراستہ تھے ۔

جہاز سازی جہاز سازی کے کارخانے گھوگھہ کھنبایت اور سورت میں قائم تھے ۔ توپ سازی کے کارخانے بھی بڑے اعلیٰ پیمانے کے تھے ۔ محمود ثالث کے عہد میں جزیرہ دیو کو پرتگیزوں سے واپس لینے کے لئے جو جنگی تیاری کی گئی تھی ، اس کے لئے توپ اور جہاز خاص طور سے گجرات ہی میں تیار ہوئے تھے ۔

بہادر شاہی توپ سلاطینِ گجرات میں بہادر شاہ کو توپوں سے عشق تھا ۔ اس نے طرح طرح کی توپیں جمع کیں اور ایسی توپیں بنوائیں کہ ہندوستان میں اس وقت تک کسی نے نہیں دیکھی تھیں ۔ رومی خان ترکی جیسا ماہرِ فن بہادر شاہ کے توپ خانہ کا افسرِ اعلیٰ تھا لیلیٰ ، مجنوں اور دو دوسری سلیمانی ، مصری توپیں وہ خود اپنے ساتھ لایا تھا ، بہادر شاہی نام کی ایک توپ گجرات میں تیار کی گئی تھی ۔ مغل سلطنت کے بانی بابر بادشاہ کے ہندوستان میں آنے اور پانی پت کی جنگ سے قبل ہندوستان کے بعض صوبوں میں اعلیٰ پیمانہ پر توپ خانہ موجود تھا ، اور اس میں گجرات کو فخر و تقدم حاصل تھا ۔

بندوق بندوق بھی یمن کے راستہ سے سب سے پہلے گجرات میں آئی ۔ چنانچہ مظفر شاہ کے آخری عہد میں بارہ ہزار بندوق باز فوج میں موجود تھے

تلوار :- مولانا ابو ظفر لکھتے ہیں : یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے

کہ گجرات کی تلوار سب سے بیش قیمت ہوتی کیونکہ آب وہوا کے علاوہ وہاں کے ایک مخصوص کنویں کا پانی تلواروں کی آب کے لئے بے حد مفید تھا۔ سروہی کے ہتھیار آج بھی مشہور رہیں جو گجرات کا مشرقی پہاڑی علاقہ ہے۔

احمد آباد کے مدارس

سلاطین گجرات میں سلطان محمود بیگڑہ سے بڑا کوئی دوسرا بادشاہ نہیں گذرا، ۸۶۳ھ سے ۹۱۷ھ تک انہوں نے حکومت کی ان کا دربار علمار فضلار سے بھرا رہتا تھا، بڑی بڑی عمارتیں ان کے عہد میں تعمیر ہوئیں، منجملہ ان کے مدارس بھی تھے۔ تاریخ مرآۃ احمدی کے مصنف لکھتے ہیں کہ اس بادشاہ نے مسافروں کے آرام کے لیے سرائیں، طالب علموں کے لئے مدرسے اور مسلمانوں کے لیے مسجدیں تعمیر کرائیں۔

مدرسہ سیف خاں

مرآۃ احمدی کے مصنف لکھتے ہیں کہ محمد صفی صوبہ دار گجرات نے جن کا لقب سیف خاں تھا، احمد آباد میں قلعہ ارک کے پھاٹک کے سامنے ایک عظیم الشان وخوش منظر مدرسہ تعمیر کرایا۔ مدرسہ کا نام مدرسۃ العلمار تھا، سالِ تعمیر ۱۰۳۲ھ اس شعر سے نکلتا ہے۔ ؎

سال اتمام زمعار قضا جستم وگفت ٭ مسجد و مدرسہ و دار شفائے آباد

مدرسہ شیخ الاسلام

قاضی اکرام الدین خاں المخاطب بہ شیخ الاسلام نے اپنے ذاتی مصارف سے احمد آباد میں ایک بہت عالیشان مدرسہ بنوایا، جس کی تعمیر میں ایک لاکھ ۲۴ ہزار روپے صرف ہوئے تھے، تعمیر کا آغاز ۱۱۰۲ھ اور انجام ۱۱۱۱ھ میں ہوا، متصل دو دکانوں کے علاوہ دو گاؤں بھی وقف تھے اس مدرسہ

کے مشہور مدرس مولانا نورالدین گجراتی تھے، [1]

مدرسہ سرخیز سرخیز میں جہاں شیخ احمد کھتو کا مزار ہے، ایک بہت بڑا مدرسہ[2] تھا، مزار کی عمارتیں محمد شاہ نے تعمیر کی تھیں، اور غالباً مدرسہ کی عمارت بھی محمود شاہ و مظفر شاہ کے عہد حکومت میں تعمیر ہوئی تھیں فقیہ احسن العرب الداجھوی اس مدرسہ کے اساتذہ میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

مدرسہ وجیہ الدین احمد آباد میں علامہ وجیہ الدین کا مدرسہ سب سے زیادہ مشہور رہے، اس مدرسہ میں طلبہ کو وظائف بھی ملتے تھے، تقریباً ۶۵ رسال تک علامہ ممدوح نے اس میں تعلیم دی، اور بعد وفات یہیں پیوند زمین ہوئے۔ ان کے بعد اُن کے فرزند رشید مولانا عبداللہ جانشین ہوئے، صادق خاں نام ایک امیر نے مدرسہ کی عمارت ازسرنو تعمیر کی، جس میں طلبہ کے رہنے کے واسطے مکانات بنوائے اور وظائف کا معقول انتظام کیا۔

مدرسہ عثمان پور سابر ندی کے کنارے ایک گاؤں تھا، جس کو اس کے بانی عثمان متوفی ۸۶۳ھ نے اپنے نام پر آباد کیا تھا، شیخ عثمان نے وہاں ایک مدرسہ[3] بھی قائم کیا، محمد شاہ گجراتی کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، شیخ نے مدرسہ کے لئے اس عقیدت سے مختلف فوائد حاصل کئے، جن میں سے یہ قابلِ ذکر ہے کہ، طلبہ کی تعلیم کے لئے شاہی کتب خانہ کی تمام کتابیں حاصل کرکے وقف کردیں۔

مرآۃ احمدی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیوان صوبہ گجرات مکرمت خاں کے نام عالمگیر نے ایک فرمان بھیجا، جس میں حکم دیا گیا، تھا کہ مملکت

---

[1] یادایام [2] ایضاً [3] ایضاً۔

محروسہ کے تمام علاقوں میں مدرس مقرر کئے جائیں۔ طالب علموں کو میزان سے لے کر کشاف تک تعلیم دیجائے اور ان کو سرکاری خزانہ سے حسب رائے صدر صوبہ وتصدیق مہر مدرس وظائف دیئے جائیں، چنانچہ تین مدرس ایک احمد آباد، دوسرے سورت، اور تیسرے پٹن میں مقرر کئے گئے۔ اسی کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۸۷ھ میں قلعہ بھدر (احمد آباد) کے مدرسے، مسجد اور دار الشفاء کی مرمت کے لئے روپیہ ادا کیا گیا۔

وَلی اللہ کا مدرسہ

احمد آباد میں موجودہ تیلیاں پل کے پاس جو مسجد ہے وہ اسی مدرسہ کی بقیہ یادگاروں میں سے ہے۔ پہلے یہاں بہت بڑا مدرسہ تھا، احمد بن سلیمان چونکہ فلسفہ، منطق، اقلیدس، حساب اور فلکیات میں بڑے ماہر تھے ان کے شاگرد بھی ان فنون میں بڑے ماہر ہوئے چنانچہ ان فنون کی تعلیم اس مدرسہ میں بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی تھی۔

مولانا عماد الدین الموجود (۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء) مولانا نورالدین اور مولانا ولی اللہ اپنے اپنے وقت میں اس مدرسہ کے مدرس اعلیٰ اور نگراں رہے، اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا، افسوس ہے کہ مرہٹوں کی لوٹ مار میں یہ مدرسہ تباہ ہوگیا۔ پھر معمولی طور پر اندرون شہر میں کالوپور کی اس مسجد میں جس کو آج کل ولی اللہ کی مسجد کہتے ہیں ایک مدرسہ قائم کیا گیا، یہ بھی بند ہوگیا۔ [1]

دارالارشاد

احمد آباد میں ایک مدرسہ دارالارشاد کے نام سے قائم کیا گیا تھا جس میں علوم دینیہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ یہ کب قائم ہوا کس نے قائم کیا اور کب بند ہوگیا کچھ معلوم نہیں ہے صرف اتنا پتہ چلتا ہے

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۱۴۔

کہ ۱۱۱۲ھ/۱۷۰۰ء میں یہ موجود تھا، اس میں ایک کتب خانہ بھی تھا اس کتب خانہ کی ایک کتاب "مخازن المعروف" محبی قاضی نورالدین صاحب بھروچ کے کتبخانہ میں اس وقت موجود ہے۔ یہ معلومات مجھے اس سے حاصل ہوئیں۔ سلہ

صنعتی مدارس صنعتی مدارس بھی احمد آباد میں بکثرت تھے مگر ان کا طرز آج کل کے ٹیکنیکل مدارس سے مختلف تھا دستور یہ تھا کہ ایک کارخانہ کھولا جاتا تھا کاریگر اس میں کام کرتے تھے اور طلبہ کو اس میں عملی تعلیم دیجاتی تھی ان میں بعض ایسے بھی ہوتے جو نوشت و خواند سے بالکل محروم ہوتے لیکن اس تعلیم میں ان کا نمبر پڑھے لکھے لڑکوں سے اچھا آتا کارخانے سے جو طلبہ فارغ ہوکر نکلتے وہ زیادہ تر اسی کارخانے میں ملازم ہوجاتے اور ایسا اچھا کام کرتے کہ ان کی مصنوعات کو دیکھکر غیر ملکی حیرت زدہ رہ جاتے۔ اس میں تاجروں اور کاریگروں کے لڑکے زیادہ داخل ہوتے اور بڑے شوق سے تعلیم حاصل کرتے۔

اسی طرح انجینیرنگ، موسیقی، اور دیگر چیزوں کے بھی متعدد مدارس تھے جن میں ہندو اور مسلمان بلا روک ٹوک کے تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہاں سے فارغ ہوکر گجرات کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے۔ ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء میں "گنپتیا" نامی ہندو اس عہد کا ایک ماہر انجینیر تھا اور رائبشر داس ناگر پٹنی مصنف فتوحات عالمگیری گیارہویں صدی ہجری میں اپنے وقت کا بہترین ادیب۔ سلہ

علمی مراکز اور کتبخانے جب گجرات میں خود مختار حکومت قائم ہوئی تو سلطان احمد (متوفی ۸۴۶ھ) کے دربار میں ہر قسم کے علوم و فنون کے ماہر جمع ہوگئے اور ان لوگوں کے فیض صحبت سے انہوں نے مدرسوں، مسجدوں، سراؤں اور رفاہ عامہ کے دوسرے کاموں کی بنیاد

سلہ گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۱۵ سلہ ایضاً صفحہ ۲۱۶۔

رکھی۔ ان میں کتب خانہ بھی تھا۔ اس کتب خانہ کا تذکرہ تاریخ میں اس طرح آتا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لڑکے محمد شاہ (متوفی ۸۵۵ھ) نے شاہی کتب خانہ سے کتابیں نکال کر مدرسہ شمع برہانی کے طلبہ کے پڑھانے کیلئے وقف کیں۔ یہ کتب خانہ ۹۸۰ھ تک قائم رہا۔

اکبر نے جب گجرات فتح کیا تو اس کی کچھ کتابیں تقسیم کردیں۔ اس میں سے کچھ کتابیں شیخ عبدالحق محدث اور کچھ ملا عبدالقادر بدایونی اور فیضی کے حصہ میں آئیں باقی شاہی کتب خانہ میں داخل ہوئیں۔

عثمان پورہ کا کتبخانہ

شیخ محمد عثمان الملقب بہ شیخ برہانی خلیفہ حضرت قطب عالم (متوفی ۸۵۷ھ) (احمد آباد) بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے سابرمتی ندی کے اس پار ایک گاؤں بسا کر اس کا نام عثمان پورہ رکھا۔ اس میں ایک مسجد اور ایک مدرسہ سلطان محمد شاہ گجراتی کے ذریعہ تعمیر کرایا جس کا نام مدرسہ شمع برہانی تھا۔ اس مدرسہ کے ساتھ ایک کتبخانہ بھی تھا جس میں دوسری کتابوں کے علاوہ شاہی کتب خانہ کی وقف شدہ کتابیں بھی تھیں ۸۰۳ھ تک وہ خود نگراں رہے۔ ان کے بعد بھی عرصۂ دراز تک یہ سب یادگاریں قائم رہیں پھر مرہٹوں کی لوٹ مار میں تباہ ہوگئیں اب صرف مسجد اور مقبرہ یادگار باقی ہے۔

خانقاہ سرخیز کا کتبخانہ

حضرت شیخ احمد کھٹو (متوفی ۸۴۵ھ) نے سرخیز (احمد آباد) میں تالاب، مسجد اور خانقاہ خود تعمیر کرائی۔ آپ کے بعد سلطان محمد شاہ گجراتی نے مقبرہ اور مدرسہ بنوایا غالب گمان یہ ہے کہ اس مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ ضرور ہوگا لیکن ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ احمد اپنی خانقاہ میں ذاتی کتبخانہ بھی رکھتے تھے

چنانچہ ایک موقع پر حدیث کی کتاب مصابیح اپنے کتبخانہ سے نکال کر حاضرین میں سے ایک شخص کو ایک حدیث سنائی۔ جس نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔

شاہ عالم کا کتبخانہ

گجرات (احمدآباد) کے مشہور بزرگ حضرت سید محمد شاہ عالم (متوفی ۸۸۰ھ) ایک باعمل عالم تھے۔ مطالعہ کتب کا آپ کو بڑا شوق تھا۔ کثرتِ مطالعہ کی بنا پر آپ کے دونوں ہاتھوں میں ٹیک لگانے سے نشان پڑ گئے تھے۔ آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں عام کتابوں کے علاوہ نایاب کتابیں بھی تھیں۔ چنانچہ مولانا صدر جہاں جب آپ سے ملنے گئے تھے تو آپ نے امام رازی کا ایک ایسا نایاب نسخہ ان کو دکھایا جس کی خبر مولانا صدر جہاں کو نہ تھی۔

آپ کے جانشین بھی اس کو برابر ترقی دیتے رہے۔ سید جعفر بدر عالم (متوفی ۱۰۸۵ھ) کے وقت میں یہ کتب خانہ عروج پر تھا۔ آپ نے خود بھی سینکڑوں کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر داخلِ کتب خانہ کیں۔ ایک دفعہ رات کے وقت راستہ میں ایک سائل نے قرآن کا نسخہ طلب کیا۔ آپ نے کہا کہ آج کتب خانہ سے دیکھ کر دیں گے۔ اس نے کہا کہ جو آپ کے پاس اس وقت موجود ہے وہ کیوں نہیں دیتے۔ آپ ہمیشہ اپنے ساتھ ایک قرآن مجید رکھتے تھے مجبوراً وہی دیدیا۔ مرہٹوں کی یورش کے زمانہ میں ان کی لوٹ مار کے خوف سے آپ کی اولاد شہر پناہ کے اندر چلی آئی تھی جس کی بنا پر کتبخانہ کی کافی حفاظت نہ ہو سکی۔ جس سے آہستہ آہستہ کتب خانہ تباہ ہو گیا۔ لیکن کچھ بچی ہوئی کتابیں آج بھی ان کے سجادہ نشین اولاد کے قبضہ میں ہیں۔[1]

---

[1] تمدنی کارنامے ص۲۸۳۔

شاہجہاں کا کتب خانہ

شاہجہاں بادشاہ کے عہد ۱۰۶۲ھ میں اس کتبخانہ کے ناظم کچھ دنوں کے لیے سید علی ابن سید جلال مقصود عالم بن سید محمد مقبول عالم تھے، یہ گجرات کے شہر احمدآباد میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے بھائی سید جعفر بدر عالم کی سفارش سے اس عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہوئے، ان کا سلسلۂ نسب احمدآباد گجرات کے مشہور بخاری خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت شاہ عالم سے ملتا ہے نہایت لائق اور صاحبِ علم لوگوں میں سے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر سے لے کر محمد شاہ کے زمانہ تک شاہی کتب خانہ اپنی اصل حالت پر قائم رہا۔ ؎

مدرسہ ہدایت بخش کا کتبخانہ

احمدآباد میں مولانا شیخ نورالدین یگانۂ روزگار عالم اور متقی صوفی تھے فلسفہ منطق، ریاضی کی تعلیم مولانا احمد بن سلیمان متوفی ۱۰۷۷ھ سے حاصل کی تھی، جو مخدوم شیخ ابراہیم بن سلیمان کے حقیقی بھائی تھے، ان کے لئے شیخ الاسلام نے ایک عمارت مدرسہ ہدایت بخش کے نام سے تیار کرادی تھی، اس کی تعمیر میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ خرچ ہوئے تھے، ۱۱۰۱ھ میں مدرسہ کی عمارت، مسجد اور دارالاقامہ کی عمارتیں بن کر تیار ہوئیں۔ اسی کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں موجود تھیں خواص کے سوا عوام بھی اس کتب خانے سے فیضیاب ہوتے تھے، افسوس کہ مرہٹہ گردی میں یہ کتب خانہ تباہ ہوگیا۔ اس کی متعدد کتابیں کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ حیدرآباد میں موجود ہیں محلہ والوں کی دیکھ بھال سے مسجد البتہ اب تک قائم ہے

مدرسہ ولی اللہ کا کتب خانہ

احمدآباد میں تلیا آل کے متصل جو مسجد ہے اسی کے ساتھ ایک بڑا مدرسہ تھا ۱۱۵۵ھ میں مولانا بہاؤالدین اس کے ناظم تھے، اس کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ تھا۔

؎ تمدنی کارنامے صفحہ ۲۸۰۔

جس میں تقریباً ہر فن کی کتابیں موجود تھیں اور بہت سی فن کی منتخب کتابیں تھیں، مرہٹہ گردی میں اس مدرسہ اور کتب خانہ کا حال بھی ابتر ہو گیا، اس خاندان میں جب علمی چرچا کم ہو گیا تو کتب خانہ کی حفاظت کا خیال بھی جاتا رہا، اہل خاندان نے شائقین کو خود بہت سی کتابیں دیدیں، کچھ کیڑوں کی نواضع میں صرف ہوئیں، غرض اس طرح تمام کتب خانہ منتشر ہو گیا، بقیہ کتابیں جو اس وقت موجود ہیں ان سے قیاس ہوتا ہے کہ کتب خانہ بہت بڑا اور گوہرہائے نایاب کا بیش بہا خزانہ ہو گا، کیونکہ اس علمی خزانہ کے لٹ جانے کے باوجود آج بھی اس میں بہت سی نایاب اور بیش بہا کتابیں موجود ہیں جو احمد آباد کی درگاہ، حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں وقف کر دی گئی ہیں۔

شیعہ بوہروں کا کتبخانہ احمد آباد گیارہویں صدی ہجری کے وسط تک شیعہ اسماعیلی بوہروں کا مرکز رہا ہے۔ ان کا والی یا داعی یہیں رہتا تھا، اور ان کے مدارس بھی زیادہ تر یہیں قائم تھے داعی کے زیر نگرانی ایک بڑا عالی شان کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں تھیں ١٠٦٥ھ کے بعد کتب خانہ جام نگر کاٹھیاواڑ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ کتب خانہ آج بھی داعی وقت سیدنا طاہر سیف الدین کی نگرانی میں بمقام (سورت) اچھی حالت میں ہے قوم کے مخصوص علمار اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ١٠٠٠ھ (دسویں صدی) کے آخر میں یہاں ایک اور کتب خانہ سلیمانی بوہروں کی طرف سے قائم کیا گیا تھا جس میں زیادہ تر مذہبی کتابیں تھیں یہ کتبخانہ بھی آج تک ان کے داعی کے پاس موجود ہے۔ [1]

احمد آباد کے محکمۂ قضاۃ کا کتب خانہ اسلامی عہد میں احمد آباد کے

[1] تمدنی کارنامے صفحہ ۲۸۶۔

قاضی شہر کا درجہ بہت بلند ہوتا تھا، وہ پورے ضلع کے محکمۂ قضاۃ کا نگران بھی ہوتا تھا، اس لئے اس کے پاس کتب خانہ بھی ضروری تھا۔ چنانچہ احمد آباد کے قاضی شہر کے پاس اس وقت بھی ایک کتب خانہ موجود ہے جو اسلامی سلطنت کے زمانہ سے عہدۂ قضاۃ کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ لیکن اولاد بے علم ہونے کے سبب سے اس کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اب سنا ہے کہ کچھ حفاظت کا خیال پیدا ہوا ہے اور کتابیں صندوقوں سے نکال کر الماریوں میں رکھی گئی ہیں۔

شیخ حضرمی کا کتب خانہ

احمد آباد میں شیخ عبدالقادر حضرمی متوفی ۱۰۳۸ھ ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں ان کی تصنیفات میں سے "النور السافر، فی اعیان القرن العاشر" بڑی مشہور کتاب ہے۔ خیال آتا ہے کہ سول اسپتال سے مشرق کو جو گلی گئی ہے، اس کے اختتام کے بعد محلہ جوہری باڑہ میں ان کی قبر ہے۔ ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا لیکن اب بجز مقبرہ کچھ نہیں ہے۔ شیخ عبدالقادر بڑے مورخ، محدث اور صوفی تھے۔ اس لئے غالباً تصوف، تاریخ اور حدیث کی کتابیں اس میں زیادہ رہی ہونگی۔ [1]

اعتماد خاں گجراتی کا کتب خانہ

گجرات کا یہ بھی وہ بلند پایہ کتب خانہ تھا جس میں نہایت نفیس ونادر کتابیں جمع تھیں، اور جو اکبر کی فتح گجرات تک موجود تھا۔ اکبر نے اس کتب خانہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی کچھ کتابیں شاہی کتب خانہ میں داخل کر دیں اور کچھ ارباب علم کو دے دیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ "انوار المشکوٰۃ" کا نسخہ ان کے حصہ میں آیا تھا۔

گجرات مغلیہ سلطنت میں شامل ہونے کے بعد مغل بادشاہوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ عالمگیر کا اسے زیب و زینت ہندوستان کہنا ظاہر کرتا ہے

[1] تمدنی کارنامے صفحہ ۲۴۴

کہ گجرات نے اکبر سے لے کر عالمگیر کے عہد تک علم وادب اور صنعت وحرفت میں غیر معمولی ترقی کی تھی ۔

لیکن گجرات کے علاقہ میں جو کچھ علمی، اور ثقافتی سرمایہ مسلم عہد میں جمع ہوا تھا۔ اس کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کی تاراجی کے زمانہ میں برباد ہوگیا ۔ پھر بھی گجرات کے کتب خانوں کے کچھ باقیات احمدآباد، بھروچ اور کھمبایت وغیرہ کے صوفیوں قاضیوں اور عالموں کے گھرانوں میں ابھی تک موجود ہیں ۔ لکھا ہے کہ کچھ کتابیں احمدآباد کی درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں بھی محفوظ ہیں ۔ [1]

قاضی برہان الدین کا کتبخانہ

افسوس کہ اس کتب خانہ کا ذکر کہیں نہیں ملتا، حالانکہ قاضی موصوف بقول مصنف یاد ایام کثرتِ افادہ میں یکتائے روزگار تھے، اور گجرات میں علم ان ہی کی وجہ سے پھیلا ۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممدوح نہایت عمدہ کتب خانہ رکھتے تھے ۔

اسی طرح گجرات کے دوسرے مشائخ اور علماء مولانا راجح بن داؤد (متوفی ۹۰۴ھ/۱۴۹۸ء) قاضی جگّن (متوفی ۹۲۰ھ) مولانا علاء الدین (متوفی ۹۴۹ھ) مولانا عبدالملک (متوفی ۹۷۰ھ) شیخ حسن محمد (متوفی ۹۸۲ھ) مفتی قطب الدین (متوفی ۹۹۹ھ) مولا احمد کردی (متوفی ۱۰۸۷ھ) سید محمد رضوی (متوفی ۱۱۱۱ھ) وغیرہ کے کتب خانے تاریکی میں ہیں حالانکہ یہ حضرات اتنے جلیل القدر عالم، محدّث، فقیہ اور مصنف تھے جن پر ہندوستان ہمیشہ فخر کیا کرے گا ۔

مدرسہ شیخ الاسلام کا کتب خانہ

یہ اس اعتبار سے نہایت ممتاز تھا کہ اس کا استعمال صرف مدرسہ کے طلباء

---

[1] مولوی ابوالحسنات ندوی کی کتاب ص۔

تک محدود نہ تھا، بلکہ ہر اہلِ ذوق اس سے استفادہ کرسکتا تھا۔ یہ مدرسہ قاضی اکرام الدین خاں المعروف بہ شیخ الاسلام نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے میں تعمیر کرایا تھا، اور اس کی عمارت نو سال (۱۱۰۲ - ۱۱۱۱ھ) میں مکمل ہوئی تھی کہا جاتاہے کہ یہ مدرسہ مولانا نورالدین کے لئے تیار ہوا تھا، جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں صرف کردی تھی اور علامہ وجیہہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس وتدریس وکثرتِ تصانیف کے ان سے بڑھ کر کوئی اور عالم نہیں ہوا۔ انہوں نے ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء میں وفات پائی اور اسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔

بعض دیگر کتب خانے

مولانا شیرانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ! انہوں نے گجرات کاٹھیاواڑ کا سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ موسم گرما کی تعطیلات میں گجرات میں زبردست بارشیں ہوتی ہیں اس لیئے انہوں نے ۱۶ ستمبر سے ۳۰ ستمبر تک دو ہفتے کی چھٹی لی اور گجرات روانہ ہوگئے۔ اس سفر میں انہوں نے احمد آباد، بڑودہ، بمبئی اور جے پور کے بعض کتب خانے دیکھے۔

احمد آباد میں پیر محمد شاہ کی درگاہ کا کتب خانہ، سید بڑے صاحب کا کتب خانہ، سید جلال الدین مشہدی کا کتب خانہ، اور حسینی پیر کا کتب خانہ دیکھا بعض لوگوں مثلاً قاضی احمد آباد کے پاس عمدہ مجموعے تھے لیکن انہوں نے دکھانے سے انکار کردیا۔ بمبئی میں محمدیہ اسکول کی لائبریری اور پروفیسر نجیب اشرف صاحب کا کتب خانہ نظر سے گزرا۔ بڑودہ میں جامع مسجد لائبریری دیکھی لیکن اس میں صرف مطبوعہ کتابیں تھیں۔ جے پور میں خوش قسمتی سے انہیں دائرے کے مہد دیوں کے ایک کتب خانے کا کچھ حصہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتب خانہ کسی مقدمے کے سلسلے میں دائرہ سے ریاست

کے صدر مقام میں لایا گیا تھا۔ اس میں انہوں نے خاص مہدوی فرقے کے لوگوں کی گوجری اور راجستھانی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں دیکھیں۔ اس سے انہیں اپنے مضمون "دائرے کے مہدیوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ" کے لیے کافی مواد میسر آیا۔

ولی اللہ کا کتب خانہ ۱۱۵۵ھ میں مولانا عماد الدین کے زیر اہتمام جو مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ اسی کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں تقریباً ہر فن کی کتابیں موجود تھیں۔ اور فن کے لحاظ سے بعض بڑی نادر تھیں۔ مرہٹہ گردی میں مدرسہ اور کتب خانہ دونوں کا حال ابتر ہوگیا۔ مولانا عماد الدین کے خاندان میں رفتہ رفتہ علم کا چرچا کم ہوگیا۔ جس کے نتیجہ میں کتب خانہ کی حفاظت کا خیال بھی جاتا رہا۔ کچھ کتابیں بعض اہل علم کو دے دی گئیں اور کچھ کیڑوں کی نذر ہوگئیں لٹ جانے کے بعد بھی کچھ نایاب اور بیش قیمت کتابیں اس میں موجود تھیں۔ جن میں سے ایک، پانچویں صدی کی حدیث کی کتاب ہے ایک اور نادر کتاب ابوریحان بیرونی کی ہے جس کا کوئی دوسرا نسخہ یورپ اور ایشیا میں آج تک دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔ اس کتب خانہ کا بقیہ ذخیرہ کتب خانہ درگاہ پیر محمد شاہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ [1]

کتب خانہ آصف خاں عبدالعزیز آصف خاں متوفی ۹۶۱ھ/۱۵۵۳ء گجرات کے بہترین وزیروں میں سے تھے بہت بڑے عالم و فاضل، صاحبِ ذوق، اہل علم کے قدر دان، ان کا ایک عظیم الشان ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں بڑی نایاب کتابیں تھیں، وہ مکہ سے اپنے کتب خانہ کے لیے بہت سی کتابیں بھی خرید کر لا رہے تھے لیکن منگلور پہنچے تو دریا میں طوفان آگیا، خود تو بچ گئے لیکن جہاز ڈوب گیا، اور تمام

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۲۶۔

تحائفِ سفر ضائع ہو گئے۔ اِن کو اپنی بجلی کی تلوار، غلام، اصیل گھوڑے اور بیش قیمت اور نادر کتابوں کے تلف ہو جانے کا عمر بھر افسوس رہا ان میں ایک نسخہ مشکوٰۃ شریف کا بھی تھا، جو اُس کے مؤلف ولی الدین خطیب تبریزی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، یہ کتاب انہوں نے مکہ مکرمہ میں خریدی تھی، اور قیمت میں اُس کے وزن کے برابر سونا دیا تھا۔ اس کے علاوہ چالیس اشرفی اس کے دلاّل کو دی تھی۔ [1]

صحیح مسلم کا سب سے قدیم نسخہ سُلطان محمودؔ کے کتبخانہ میں

مولانا امتیاز علی عرشی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں :

صحیح مسلم کا ایک قدیم نسخہ ہندوستان میں : کتبخانہ رام پور میں مسلم شریف کا ایک پرانا نسخہ محفوظ ہے جو جمادی الاخریٰ ۷۸۷ھ / ۱۳۸۵ء میں لکھا گیا تھا۔ اس کی کتابت کا کام دو فاضلوں نے مل کر انجام دیا ہے۔ پہلی جلد کے کاتب کا نام محمد بن احمد بن محمد اور دوسری کے کاتب کا نام ابراہیم بن حاجی سلیمان بن محمد بن یحییٰ ہے مقام کتابت : قلعہ دارالامان ؛ ہے۔

کتاب کو تین حصوں میں لکھا گیا ہے۔ پہلے حصے کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ دوسرے حصے کے خاتمے میں درج ہے۔

: تم المجلد الثانی من صحیح مسلم یوم الجمعۃ الخامس من جمادی الاخریٰ سنۃ سبع وثمانین وسبعمائۃ بقلعۃ دار الامان حماھا اللہ تعالیٰ عن الحدثان بید العبد الضعیف المحتاج الی رحمۃ اللہ الاحد، محمد بن احمد ابن محمد حامداً ومسلماً ومستغفراً ؛ (ورق ۲۸۵ ب)

---

[1] ظفر الوالہ ج ۱ صفحہ ۲۹۸ لندن۔

آخر کتاب میں حسبِ ذیل ترقیمہ ملتا ہے ۔ تم الجلد الثالث، وھو آخر الکتاب، من صحیح مسلم بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ فی الثالث والعشرین من جمادی الاخریٰ سنۃ سبع وثمانین وسبعمائۃ علی ید العبد الضعیف المسکین الغریق فی بحار الخطایا الراجی الی رحمۃ واھب العطایا، ابراھیم بن حاجی سلیمان بن محمد یحییٰ اصلح اللہ شانہ ورحم اسلافہ ۔ (ورق ۲۷۵ ب)

کتاب کے حواشی میں جگہ جگہ قرأت وسماع کی یادداشتیں مندرج ہیں انہیں سے اکثر کے ساتھ تاریخیں بھی موجود ہیں، جن سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اسکی قرأت میں کتنا وقت لگا ۔ انہیں سب سے پہلی تحریر ورق ۱ الف کے حاشیے پر درج ہے، جس کی تاریخ جمادی الاولیٰ ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) ہے، مگر آخری جلد کے خاتمے پر جو تاریخ سماع درج تھی، وہ حاشیے کے ساتھ کٹ گئی ہے اسلئے واقعی تاریخ ختم قرأت تو بتانا ممکن نہیں، لیکن اس سے پہلے اندراج کی تاریخ سلخ جمادی الاخریٰ ۷۸۷ھ (۱۹ جولائی ۱۳۸۵ء) ہے اور ان دونوں کے درمیان صرف ۱۲ صفحوں کا فصل ہے، جو ان پڑھنے والوں کی رفتار قرأت کے پیش نظر ایک دن سے زائد وقت کا متقاضی نہیں معلوم ہوتا ۔ اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ یکم رجب کو یہ کام انجام پاگیا تھا ۔ دوسرے اور تیسرے حصوں کے آخر میں استاد نے قاری کا نام تفصیل سے لکھا تھا ۔ اب صرف دوسری کا سماع باقی ہے جو حسبِ ذیل الفاظ پر مشتمل ہے ۔ ”بلغ سماع مولانا وحبنا ومخدومنا احد العلماء الاعاظم الاکارم مجمع انواع من المادح والمفاخر والفضائل والمعالی والکمالات العلمیہ والعملیۃ، شمس الملۃ والدنیا والدین علی الاسم والمنزلۃ بن مولانا الاعظم عماد بناء الافادۃ، اعلی اللہ تعالیٰ شئونہا واوضح براھینھما. فی المجلس الخامس والعشرین فی الثانی عشر من جمادی الثانیہ سنۃ سبع وثمانین وسبع مائۃ. والحمد کلہ للہ“ (ورق ۳۸۵ ب)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سامع کا نام شمس الدین علی بن عماد تھا، اور وہ جاہ و منزلت رکھنے والی شخصیت کے حامل تھے، ورنہ اسے استاد ایسے القاب کے ساتھ یاد نہ کرتے

مذکورہ سماع کے بعد اس کتاب کو کسی اور محدث نے اپنے بیٹے یحییٰ کو پڑھایا تھا۔ اس سماع کا پہلا اندراج ورق ۵۸ الف پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے ۔

”بلغ سماع ولدی وفلذۃ کبدی یحییٰ، احیاہ اللہ حیوۃ طیبۃ

ووفقہ للعلم النافع والعمل الرافع ۲۰ رجب سنۃ ۸۰۵ھ؛
اس کے بعد ورق ۱۶۳ ب پر لکھا ہے !

؛ بلغ سماع ولد یحییٰ من والدہ الکاتب، احسن اللہ الیھما۔
من سنۃ خمس وثمان مائۃ۔ ومن ھنا سمع ولدی عبد
الرحمٰن جعلہ اللہ تعالیٰ من حزبہ المفلحین ؛

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کا اندراج کرنے والے بزرگ کے ایک اور بیٹے عبدالرحمٰن بھی آخری حصے میں شریک سماع تھے۔

اس سلسلے کا آخری اندراج ورق ۱۵۵ الف پر ملتا ہے ۔ جو ۲۷ رمضان سن مذکور کو کیا گیا تھا۔

حواشی پر اختلاف نسخ بھی پایا جاتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مصحح نے حسب ذیل ۵ نسخوں سے اس کے متن کی تصحیح کی ہے !

(۱) نسخہ صحا الجلودی جلودی سے مراد ہیں ابو احمد محمد عیسیٰ بن محمد بن عبدالرحمٰن الزاھد الجلودی النیشاپوری متوفیٰ ۳۶۸ھ (۹۷۹ء)

انہوں نے ابراہیم بن محمد بن سفیان النیشاپوری متوفیٰ ۳۰۸ھ (۹۲۰ء) سے صحیح مسلم کی روایت کی، اور ابو عبداللہ حاکم نیساپوری کے بقول ان کے بعد الکسائی سے روایت صحیح کرنے والا کوئی راوی بھی ثقہ نہیں ہے۔

جلودی کے خصوصی شاگرد جن کا سلسلۂ روایت چلتا ہے، ابوالحسین عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر الفارسی الفسوی النیساپوری متوفی ۴۴۸ھ (۱۰۵۶ء) ہیں ان سے الحافظ حسن السمرقندی نے کچھ اوپر تیس بار اور ابوسعید البحیری نے کچھ اوپر بیس بار صحیح مسلم کی قرأت کی تھی اس لئے ان کا نسخہ اہم شمار کیا جانا چاہیے۔

(۲) **نسخہ مغربیہ:۔** علامہ نووی نے دیباچہ شرح مسلم میں لکھا ہے کہ مشرق میں صحیح مسلم بروایت ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان عن الامام مسلم مروج ہے. لیکن بلاد مغرب میں اس کا رواج ایک اور سند سے ہے. جو صرف وہیں پائی جاتی ہے اور وہ ہے ابو عبداللہ محمد بن یحیٰی الحذاء التمیمی القرطبی، عن ابی العلیٰ عبدالوہاب بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن ماہان البغدادی، عن ابی بکر احمد بن محمد بن یحیٰی الاشقر الفقیہ الشافعی، عن ابی محمد القلانسی، عن مسلم بن الحجاج القشیری.

میری دانست میں ہمارے نسخے کے مصحح نے "نسخہ مغربیہ" سے یہی نسخہ مراد لیا ہے جو بروایت مذکورہ بلاد مغرب میں مروج تھا۔

(۳) **نسخہ حافظ اسماعیل اصفہانی:۔** اس سے مراد الحافظ ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل القرشی الاصفہانی الملقب بقوم السنۃ ہیں، جو ۴۵۷ھ (۱۰۶۵ء) میں پیدا ہوئے اور آخر سن ۵۳۵ھ (۱۱۴۱ء) میں انتقال کر گئے. یہ ابن مردویہ وغیرہ کے شاگرد اور حافظ ابن عساکر صاحب تاریخ دمشق کے استاد ہیں علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (ج۴ ص۲۷) میں عبدالجلیل بن محمد کوباہ کی زبانی اس عہد کے ائمہ بغداد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے بعد بغداد میں ان سے بڑا فاضل اور حافظ حدیث نہیں آیا۔

(۴) **نسخہ حافظ عبدالغنی مقدسی:۔** حافظ عبدالغنی سنہ ۵۴۱ھ (۴۷-۱۱۴۶ء) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۶۰۰ھ (۴-۱۲۰۳ء) میں فوت ہوئے ہیں. تاج الکندی کا قول ہے کہ دارقطنی کے بعد ان جیسا محدث کوئی نہیں ہوا. فن حدیث میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔[۱]

(۵) **نسخہ مکیہ:۔** کتاب کے ورق ۴۹۵ ب کے حاشیے میں اس نسخے کا حوالہ ہے. مجھے اس کے بارے میں پتہ نہ چل سکا کہ یہ کس کا نسخہ تھا۔

[۱] تذکرۃ الحفاظ ۱۶۰/۴۔

قرأت وسماع کے علاوہ حاشیوں میں الفاظ کی تشریح اور مطالب کی توضیح بھی ملتی ہے ۔ ان میں سے بعض کے آخر میں کاتب کا نام "محمود عماد" لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے ایک جگہ "تقریب" اور دوسری جگہ "التقریب والتہذیب" کا حوالہ دیا ہے ۔ یہ دونوں کتابیں ابن حجر عسقلانی متوفی سنہ ۸۵۲ھ (۱۴۴۹ء) کی تالیف ہیں، اور ان میں سے التہذیب سنہ ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں اور التقریب سنہ ۸۲۷ھ (۱۴۲۴ء) میں لکھی گئی تھی ۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مذکورہ حاشیے سنہ ۸۲۷ھ کے بعد لکھے گئے تھے ۔

اس نسخے سے پہلے قاری شمس الدین علی بن عماد کے نام کے پیش نظر یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ "محمود عماد" ان کے چھوٹے بھائی تھے ۔

نسخے کے سرورق پر حسب ذیل تحریریں اور مہریں ثبت ہیں

(۱) مُہرِ عبدالرحیم خانخاناں :۔ اس مہر کے اندر لکھا ہے "عبدالرحیم بن محمد بیرم ۹۹۱" اور مہر کے نیچے یہ عبارت درج ہے : "صحیح مسلم در حدیث کہ در شہور سنہ ۹۹۲ در، دارالامان احمدآباد داخل کتاب خانۂ خاصہ شدہ"

(۲) مہر موسوی خاں :۔ اس مہر کے اندر منقوش ہے : "موسوی خاں ۱۰۲۹" اور مہر کی دائیں جانب یہ عبارت درج ہے : اللہ اکبر صار مما صار لخادم الفقراء الاحقر موسوی خاں علی اکبر عفی عنہ ۔

وحسبك قول الناس فیما ملکته ✣ لقد کان ھٰذا امرۃ لفلان؛

(۳) مہر حسن الحسنی :۔ اس مہر میں منقوش ہے : "المتوکل علی اللہ الغنی

حسن الحسنی ؛؛ مہر کے اوپر لکھا ہے ؛ اللہ اکبر۔ شرفنی باعطار ہذا الکتاب النفیس الشریف۔ جعلہ اللہ من الفائزین بالدرجۃ العلیا ۔ حررا اقل مخلصہ حاجی حسن الحسینی القزوینی عفی عنہ، وعن والدیہ حرمۃ النبی وآلہ علیہم السلام ؛؛

منقوط حصہ کبھی ضائع ہوگیا ہے، اسلئے معطی کا نام معلوم نہ ہوسکا، لیکن بظاہر یہ عبدالرحیم خانخاناں ہی تھے۔

(۴) حاجی حسن کی تحریر کے نیچے لکھا ہے ؛؛ انتقل من السید الاجل لبطریق الہبۃ والعطیۃ الی اقل محبیہ مرزا علی الحسینی الجیلانی ؛؛

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی حسن الحسنی نے یہ کتاب علی الحسینی کو تحفے میں دے دی تھی۔

(۵) ایک محو شدہ مہر کے نیچے لکھا ہے ؛؛ قد انتقل الی بالشرار الصحیح الشرعی فی سلخ صفر للسنۃ العشرین والالف الہجریہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد و علی آلہ ۔

(۶) مہر مولوی امان اللہ ؛۔ اس کے نیچے صاحب مہر نے لکھا ہے! ؛؛ انتقل الی ؛ من مشتری ورثۃ بالابتیاع الشرعی ؛ لیکن مہر مٹادی گئی ہے اور اس کے محاذ میں کسی نے لکھا ہے ؛؛ مہر مولوی امان اللہ کہ در معرکہ نادر شاہ شہید شدہ ؛؛

دیگر مہروں اور تحریروں کے علاوہ نسخے میں دو جگہ (ورق ۲ الف اور ۲۱۷ الف) سلطان محمود گجراتی کی مہر ہے۔ ان میں سے پہلی جگہ مہر کے نیچے کسی نے شنجرف سے لکھا ہے ؛؛ مہر سلطان محمود گجراتی ؛؛ مہر کے اندر یہ شعر کھدا ہوا ہے

تا بلوح آسماں باشد منون مہر و ماہ
جاوداں باد انشان خاتم محمود شاہ

اور شعر کے ساتھ یہ دعائیہ جملہ بھی درج ہے۔ ؛؛ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ ؛؛

اُردو اور گجرات

اُردو کے مؤرخ لکھتے ہیں!

خود مختار ہونے والے صوبوں میں سے ایک صوبہ گجرات تھا۔ جس کے حاکم ظفر خاں نے مظفر شاہ کا خطاب اختیار کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ جاری کیا مظفر شاہ (م ۸۱۳ھ/۱۴۱۰ء) نے اپنے دربار کو سجانے کے لیے اہلِ علم و فضل کی خوب خوب سرپرستی کی اور اس کے بعد بھی سلاطینِ گجرات علماء فضلاء اور صوفیائے کرام کو معاشی و معاشرتی سطح پر ایسی سہولتیں بہم پہنچاتے رہے کہ وہ جوق در جوق گجرات کی طرف ہجرت کرتے رہے۔

صاحبِ مرآۃ احمدی نے لکھا ہے کہ!

"چوں ہمگی ہمت والا نہمت سلاطین گجراتیہ مصروف برواج دین مبین و حمایت بیضہ اسلام بود، بخواہش تمام و ابرام مالاکلام اکثر بزرگان و اہل اللہ و علماء و فضلاء را در کمال احترام طلب داشتہ برعایت وجہ معاش و حسنِ سلوک تکلیف سکنا دریں دیار فرمودنگاہ داشتہ اند وبعضے باستماع اوصافِ حمیدہ و فضائل پسندیدہ سلاطین مذکورہ نظر بر ہدایت جمہور وارد گشتہ توطن اختیار نمود۔"

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اردو زبان ادبی سطح پر اپنی روایت بناتی ہیں گجرات ہی میں نظر آتی ہے۔

گجری ادب کی یہ خالص ہندوی روایت اس عرصے میں ڈھل منجھ، کرانتی صاف اور مقبول ہو جاتی ہے کہ بعد کی نسلیں بھی اپنے متصوفانہ خیالات کے اظہار کے لئے اسی روایت کی مخصوص ہیئت کو پسند کرتی ہیں۔

،مرشد نامہ، میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ/۱۵۳۷ء) اسی صنف کو استعمال کرتے ہیں ،گرو گرنتھ صاحب، میں یہی ہیئت نظر آتی ہے۔ دکن میں میراںجی شمس العشاق (۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء) ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (م ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۶ء) برہان الدین جانم (۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) شاہ داول (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء) وغیرہ بھی اسی صنفِ سخن کو اپنا ذریعہ اظہار بناتے ہیں۔ یہاں تک کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں شاہ عبداللطیف بھٹائی (م ۱۷۵۲ء) بھی اپنے صوفیانہ خیالات کیلئے اسی ہیئت کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔

گجرات میں قدیم اردو کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں یا تو صوفیائے کرام کے ملفوظات ہیں جن سے اس زمانے کی عام بول چال کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے یا پھر شاعری کے وہ نمونے ہیں جو شاہ باجن، قاضی محمود دریائی، شاہ علی جیو گاؤدھنی اور خوب محمد چشتی کے قلم سے نکلے۔ گجرات میں پہلی بار ہمیں اس زبان میں تخلیق کرنے کی مسلسل روایت کا پتا چلتا ہے جو اس دور میں اس طور پر کہیں نظر نہیں آتی۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ شمال سے آئی ہوئی زبان جب گجرات کی زبان میں گھلی ملی تو اس عمل میں امتزاج سے ایک ایسی شکل ظہور میں آئی جو بعد میں ممتاز ہو کر گجری اردو کہلائی۔ [۱]

وہ زبان جسے آج ہم اردو کے نام سے جانتے ہیں برعظیم کے دور دراز علاقوں میں بھی نہ صرف اپنی خد و خال بنا رہی تھی بلکہ گجرات و دکن میں شمالی ہند سے پہلے ادبی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ [۲]

۱۔ تاریخ ادب اردو صفحہ ۹۱ تا ۹۳ ۲۔ تاریخ ادب اردو ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۸۷۔

دکن پر اثر گجرات

اس عہد کی تواریخ دکن سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ گجرات سے بہت سے ادیب اور عالم بیجاپور آیا کرتے تھے۔ وہاں کی سلطنت کے زوال پر ابراہیم عادل شاہ نے وہاں کے تمام ادیبوں کو اپنے دربار میں بلالیا۔ چنانچہ گجرات کے ان پناہ گزینوں نے دکن میں اردو کا ادبی ذوق بڑھانے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بیجاپور کے بعض اردو مصنفین جیسے شاہ برہان، اپنی زبان کو گوجری کہتے ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ گجرات کے اثر سے دکن کی ادبی زبان بڑی حد تک بدل گئی ہو اور جو لوگ اس متبدلہ زبان میں لکھ رہے ہوں وہ اپنی زبان کو گوجری کہنے لگے اور پرانی زبان دکنی کہلانے لگی۔[1]

اردو میں اہالی گجرات کی دلچسپی کا ایک قدیم تر ثبوت مولانا فضل الدین محمد بن قوام بلخی کی تصنیفات سے بھی ملتا ہے۔ جو قصبہ کڑی واقع گجرات کے باشندے ہیں۔ مولانا فضل الدین اپنی تصنیف 'شرح مخزنِ اسرار'، میں جو ۹۵۷ھ کے بعد لکھی گئی ہے۔ فارسی کے بعض الفاظ کے اردو مرادف بتلاتے ہیں۔ ان کی فرہنگ 'بحرالفضائل' میں جو ۸۰۲ھ میں تالیف ہوئی ہے تین سو سے زیادہ اردو الفاظ ملتے ہیں جو مختلف فارسی و عربی الفاظ کی تشریح کی غرض سے بیان ہوئے ہیں اس کے علاوہ وہ مؤلف ہندوستان کے جغرافیے، نجوم، ماہ و سال، موسیقی، اوزان اور پھولوں پر بھی مختصر مختصر اطلاع دے رہے ہیں۔ سب سے آخر میں ایک باب دیا ہے جس میں بعض ایسے ہندی الفاظ کا ذکر کیا ہے جو ہندی شاعری میں کارآمد ہیں۔

---

[1] مقالات شیرانی صفحہ ۳۰۴ ج ۱۔

مولانا کے اصل الفاظ یہ ہیں ۔

" باب چہارم در بعض الفاظ ہندوی کہ در تکلم ہندوی استعمال کنند "

ان امور سے واضح ہے کہ گجرات میں ان ایام میں یعنی فرہنگ "بحر الفضائل" کی تالیف کے وقت ہندی یعنی اردو میں عام طور پر کافی دلچسپی کا اظہار کیا جاتا تھا ۔

گجرات میں ہندی نظم کے ابتدائی حامیوں کے نام اور حالات سے ہم قطعاً تاریکی میں ہیں ، اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ نظم وہاں موجود تھی ، چنانچہ "بحر الفضائل" میں ایک شعر ملتا ہے ؎

دیکھ پیکہ پی پر گھر جاوے
تس نس نیند نہ آوے

۸۲۷ھ میں مولانا محمد بن قوام کڑئی نے فرہنگ "بحر الفضائل" تالیف کی ہے اس فرہنگ سے پتا چلتا ہے کہ گجرات میں ان ایام میں ہندی شاعری کا کافی چرچا تھا ۔ مولانا نے اپنی فرہنگ کے آخری باب میں صرف ایسے الفاظ کا ذکر کیا جو ہندی نظم میں مستعمل تھے ۔

اِس باب کا عنوان ہے : " باب چہارم در بعض الفاظ ہندوی کہ در تکلم ہندوی استعمال کنندہ " (بحر الفضائل قلمی)

نیز مولانا شیرانی لکھتے ہیں کہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ بحر الفضائل کا مصنف گجرات کا رہنے والا ہے ۔ نیز لکھا ہے کہ اردو زبان ہمارے مزعومہ نظریے کے برخلاف مغلیہ عہد سے بہت قدیم ہے ۔ ذیل میں ہم چند الفاظ کی فہرست ، بحر الفضائل ، سے نقل کرتے ہیں تاکہ اردو زبان کے ، جو اس زمانے میں ہندی یا ہندوی کے نام سے موسوم تھی ۔ ذخیرۂ الفاظ کا اندازہ کیا جا سکے ۔

جنبھائی (جمائی)، پالک، ترپھلہ، گھر گھت (گرگٹ) کنوار، چونہ، برھنہ، جلاھہ، چکنا چور، کوڑھ (کوڑھ) دشمنائگی، سانڈھ، بڑی لونگ، ہری چولائی، بیر، بکھان کرتیں (گانا گانا) بھوج پتر، ملائی، جھنجرو، (گھونگرو) اکھروت (اخروٹ) سوور (سؤر) تانبہ، گدگدی۔[1]

قدیم اُردو فقرے

سلطان محمود نے اپنے لئے ایک رباب تیار کرایا تھا، جو چھ مہینے میں جاکر تیار ہوا تھا۔ کاریگر رباب لے کر جو مرصع بجواہر تھا بادشاہ کی خدمت میں جارہا تھا کہ راستہ میں قاضی نجم الدین صاحب سے ملاقات ہوگئی انہوں نے اس کو مذہب کے خلاف سمجھ کر توڑ ڈالا، بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو اس نے قاضی صاحب کو کچھ نہیں کہا ہنستے ہوئے صرف یہ کہا

"نیچی بیری ہر کوئی جھورے"

قطب العالم نے حضرت راجو قتال کی پیدائش پر شاہ محمود سے فرمایا "بھائی محمود! خوش ہو اساں تھیں وڈا انساں تھیں وڈا ساڈے گھر جلال جہانیاں آیا"

اب قطب عالم کے فرزند شاہ عالم عرف شاہ منجھن (م ۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء) کے یہ فقرے دیکھئے جو اس دور کی عام بول چال کی زبان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ حضرت شاہیہ نے سلطان شاہ عزنی (م ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء) کے بارے میں کہا "جو راجن جی اونہایا ہووے تو تجھ جیسے فقیروں کی برسوں تین

[1] تاریخ ادب اردو ص ۱۰۲۔

۱ ۔ اپنوں کو کیا کشف ہوئے یا نہ ہوئے کام اس کا ہے ۔
۲ ۔ کیا ہوا جو بھو کوں سوا بھوکوں سے موتیں کیا خدا کو اپنڑیا خدا کو ان پڑنے کی استعداد ہور
۳ ۔ جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے ۔ اگر عبد کی تجلّی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے ۔
۴ ۔ عارف اسے کہویں جو خدا سے بھریا ہوئے ۔
۵ ۔ اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہوئے جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو نتیج پاوے ۔ دوجے بار بھی پاوے تیجے بار بھی پاوے ۔

اسی طرح ایک اور مخطوطہ میں شاہ وجیہ الدین علوی کے بہت سے اردو فقرے ملتے ہیں جو فارسی عبارت کے درمیان استعمال میں آئے ہیں ان میں سے چند ایک یہاں نقل کئے جاتے ہیں ۔

۶ ۔ رات دن خدا جنوں کی مدح کرے ۔
۷ ۔ نہ نہ بول تو ذوق نہ ہووے ۔
۸ ۔ اپنوں کو کیا فائدہ ۔
۹ ۔ آپیں جھک دجھک مار کر قبول کرے گا ۔
۱۰ ۔ جب ترقی پکڑیں گے آپیں درس کہیں گے ۔
۱۱ ۔ آقا شیخ عربی کا تقوی کہاں میرا مکان کہاں ۔
۱۲ ۔ سب چھوڑ بیٹھے تو شتاب فائدہ ہو جاوے ۔
۱۳ ۔ یک ہوں یا دو ہوں ۔
۱۴ ۔ ایک گھری یا دو گھری یا چار گھری ۔
۱۵ ۔ تمہی ایہاں رہتے ہو ۔
۱۶ ۔ دلیوں کیاں صفتاں ہوتیاں ہیں ۔

کناسی کرے، تحفۃ الکرام ج ۱ ص۳۱ میں یہ فقرہ اس طرح ملتا ہے۔
"جو راجن جی کا اونہ بہایا ہووے تو تجھ جیسے فقیروں کی برسوں نین کناسی کرے"، ایک اور جگہ آیا ہے کہ "روزے مخدوم سید راجو قدس سرہٗ بسلطان فیروز اتفاق ملاقات افتاد و در اوّل گفتہ از سلطان پرسیدند"
"کا کا فیروز چنگا ہے"، سلطان مرحوم گفت حالانکہ خورزادہ پرسش فرمود "کا کا چنگا شد یعنی نیک شد"، شیخ یحییٰ گجراتی کے متعلق، جو نظام الدین اولیاء کے مرید، شیخ لطیف کے فرزند اور شیخ عزیز اللہ متوکل کے والد ہیں۔ یہ مشہور تھا کہ "وقت شیخ یحییٰ جیسا پڑے نیسا سہے" اپنی پیڈن کسے نکہے"
سلطان قطب الدین نے جسے حضرت شاہیہ (شاہ عالم) سے حد درجہ عقیدت تھی، ان کی مدح میں یہ شعر کہا۔

منجھن شاہ جہانیاں جس دنیا سبحان
شاہوں کیرا شاہ توں دونہ جل تیری آن

رائے کھیڑ احمدآباد کی مسجد میں یہ کتبہ (۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء) آج بھی موجود ہے ؎

بناد نیں سنجھائے کر باندہے ساجی پال
بانو مسجد کے تئیں ہیجیں ملک جلال
تاریخ اس مسجد کی ہوئی سو یوں مشہور
مسجد جامع کے بیچ میں ڈھٹایا ہے نور (۹۶۳ھ)

وجیہ الدین علوی گجراتی کے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ جس میں سوال فارسی میں ہیں اور ان کے جواب جو شاہ وجیہ الدین نے دیئے ہیں اردو میں ہیں۔ یہ چند جوابات دیکھئے جن سے اس زمانے کی زبان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۷۔ فقیر پر فرض تو نہیں۔

جہانگیر کی اُردو ترجمہ کی فرمائش

تیرہویں سال جلوس میں جہانگیر محمود آباد گجرات میں مقیم تھے۔

سید محمد نبیرہ حضرت شاہ عالم گجراتی سے کہا کہ آپ مجھ سے کچھ مانگیں۔ وہ انکار کرتے ہیں لیکن بادشاہ اصرار کرتا ہے۔ آخر میں کلام مجید کی قسم دیتا ہے۔ سید عرض کرتے ہیں کہ جب بادشاہ سلامت نے کلام پاک کی قسم دلائی ہے تو پھر مجھ کو ایک کلام مجید ہی مرحمت ہو جائے۔ اس پر جہانگیر نے ایک قرآن مجید جو یاقوت المستعصمی کے ہاتھ کا نوشتہ تھا۔ اور کتب خانہ شاہی کے نوادرات میں شمار ہوتا تھا منگوا کر سید کو پیش کیا اور اپنے قلم سے اس کی پشت پر ہدیہ کی تاریخ و نام و مقام وغیرہ لکھ دی۔ بعد میں سید صاحب سے فرمائش کی کہ آپ کلام مجید کا ترجمہ کر کے مجھے اپنے فرزند سید جلال کے ہاتھ بھجوادیں اس موقع پر جہانگیر کے الفاظ ہیں :۔

> "بمشار الیہ فرمودیم کہ مصحف بہ عبارت سلیس خالی از تکلف و تصنع ترجمہ نماید و اصلا بشرح و بسط و شان نزول آں متقید نشدہ بہ لغات ریختہ قرآن را لفظ بہ لفظ فارسی ترجمہ کند و یک حرف بر معنی تحت اللفظ نیفزائد و بعد از تمام آں مصحف مصحوب فرزند خویش جلال الدین سید روانہ درگاہ سازد" ص۲۴۳

ریختہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ زبان ریختہ یعنی اردو میں مطلوب ہے، جہانگیر کے دربار میں ایرانی علماء و فضلاء کی کمی تھی جو فارسی ترجمے کی فرمائش احمدآباد کے ایک بزرگ سے کی جاتی ؟ اردو ترجمے کی صورت میں یہ فرمائش بالکل بجا ہے۔ کیونکہ گجرات میں ان ایام میں اردو زبان میں تصنیف و تالیف

کا سلسلہ جاری تھا اور گوجری یا گجری اردو میں کتابیں لکھی جاتی تھیں اگرچہ بعض مصنفین کا خیال ہے کہ فارسی ترجمہ ہی کا حکم تھا جو کیا گیا۔ [۱]

اہل سُنّت کا احمد آباد

صاحب ظفرالوالہ ۹۷۰ھ کے واقعات میں فرماتے ہیں کہ ۹۷۰ھ کے محرم میں چنگیز خاں نے وہ حرکتیں کیں جو شیعے عشرہ محرم میں کیا کرتے ہیں حالانکہ احمد آباد کی تاسیس و بنا کی ان عقائد و اعمال پر ہے جس پر اہل سنت والجماعت ہیں اس لیے چنگیز خاں کے اس قبیح فعل پر مدح سرائی کرنے والے کم اور اس کے شاکی زیادہ تھے۔ خاص طور پر شاکی حضرات میں احمد آباد کے سادات اور ائمہ حضرات تھے ان میں سے التقی النقی قطب وقت صدر الشریعہ مولانا میاں وجیہ الدین علوی تھے چنگیز خاں نے حرکت کی کہ عاشورہ کی صبح دار السلطنت میں وہ اور اس کے ساتھی نکلے اور سر سے پیر تک سب کالا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ سواری بھی کالی تھی اور کالا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے مگر گھر کے دروازے ہی پر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور علم ٹوٹ گیا اس لئے دوسرا علم اس کے سر پر بلند کیا گیا۔

صاحب ظفرالوالہ فرماتے ہیں کہ کسی کو اس میں تردد نہیں ہو سکتا کہ چنگیز خاں اہل توحید میں سے تھے، سنی بھی تھے اور شیعوں کا یہ شعار ان میں عقیدے اور مذہب کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ جہالت کی وجہ سے تھا جو اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی۔ اور یہ کہ ومثلہ لا یدخل فی الشیعۃ ولا یخرج من اہل السنۃ والجماعۃ کہ ایسا آدمی شیعوں میں نہیں جا سکتا اور اہل سنت سے نہیں نکل سکتا۔ جب کہ ان کی مجالست معاشرت بیٹھنا اٹھنا

[۱] مقالات شیرانی ص ۴۴۳، ۴۴۴ ج ۲

نمازیں سب اہلِ سنت کے ساتھ تھا، اور اہلِ سنت کے مشائخ کا ادب وغیرہ سب اس میں موجود تھا۔

چنگیز خاں کے متعلق لکھا ہے کہ اجتمع فی دیوانہ من روساء العجم و فضلاء الدہر مالم یجتمع لغیرہ ۔ [1]

عُلمار و مشائخ کی قدردانی

حکومت کی طرف سے عالموں، صوفیوں، مسجد کے اماموں اور درویشوں کو بکثرت وظائف دیئے جاتے۔ گجرات کے عالموں اور صوفیوں کے علاوہ غیر ملکی عالموں کو بھی وظیفے ملتے تھے۔

جاگیریں دو قسم کی ہوتی تھیں، موروثی اور غیر موروثی، موروثی زیادہ تر سپاہیوں مساجد کے اماموں اور مشائخ کو دی جاتی تھیں۔ چنانچہ سلطان قطب الدین احمد کے زمانے میں گجرات کا دو حصہ سپاہیوں کے قبضہ میں تھا اور ایک حصہ مساجد کے اماموں، مشائخ، صوفیہ اور علمار کے نام تھا۔

موسیقی : غنیۃ المنیۃ، ہندی موسیقی پر ایک تالیف ہے جو فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲ھ سے ۷۸۹ھ) میں امیر شمس الدولہ والدین ابراہیم حسن ابو رجا حاکم گجرات کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ یہ تالیف ہندی ماخذ پر مبنی ہے۔ اور دو قسم چار باب اور اٹھارہ فصلوں پر حاوی ہے۔ چنانچہ : قسم اول ۔ باب اول : در معرفت سرود (۴ فصل)

باب دوم : در معرفت مزامیر (۲ فصل)

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر والہ ص

قسم دوم : باب اول در بیان رقص (۱۰ فصل) باب دوم در شرائط و آداب سرود (۸ فصل)
اس سے پیشتر ایک عربی تالیف : فرید الزمان فی معرفۃ الالحان، جس کا موضوع ایرانی موسیقی ہے، اسی والی کے اشارے سے ترجمہ ہو چکا ہے ۔
گویا بخشو :۔ راجہ مان نے موسیقی میں بے حد ترقی کی ہے ۔ 'دھرپد' کو اس کے تصرفات نے کمال پر پہنچا دیا ۔ اس کے دربار میں اچھے اچھے موسیقی دان جمع تھے جن میں بعض اس فن کے امام مانے جاتے ہیں مثلاً نایک بخشو جو مسلمان ہے اور اسی راجہ کا تربیت یافتہ ہے نایک بخشو راجا مان کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک اس کے فرزند راجہ بکرما جیت کے پاس رہا ۔ اس کے بعد وہ کالنجر کے راجہ کیرت کے پاس چلا گیا، وہاں سے گجرات بہادر شاہ گجراتی (۹۳۲ھ و ۹۴۳ھ) کے دربار میں چلا گیا ۔ اور باقی عمر وہیں بسر کی
بخشو کے بعد کے بعد تان سین نے موسیقی میں نام پیدا کیا تان سین شیخ محمد غوث گوالیاری کا مرید ہے ۔ ابتدا میں وہ رام چند ربگھیلہ کے پاس تھا ۔ جب جلال الدین اکبر نے اس کی شہرت سنی تو اپنے دربار میں بلا لیا ۔

ساداتِ احمدآباد

۱۔ ساداتِ بخاریہ :۔ حضرت قطب العالم اور حضرت شاہ عالم کی اولاد ہیں ۔
۲۔ ساداتِ قادریہ :۔ جو پیرانِ پیر سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں، ان میں سے سید جمال پتھری رحمۃ اللہ علیہ، سید عبدالجلیل اور سید عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ مشہور و معروف ہیں ۔
سادات شیخ میں سے ایک دوسرا خاندان سادات شیرازی کا ہے ۔

جن میں سے سید احمد جعفر شیرازی اور ان کی اولاد ہیں۔ اسی طرح سید کمال الدین شیرازی جن کا مزار پرانے اساول میں مسجد آدینہ کے پیچھے واقع ہے تیسرے سید ابوتراب شیرازی اور ان کی اولاد ہیں۔

۴۔ سادات:۔ میں سے سادات رفاعی ہیں جو سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان میں سے سید عبدالرحیم ہیں جن کا مزار احمدآباد کے قلعہ کے باہر سلطان پور میں واقع ہے ان کی اولاد میں شاہ علی جی گام دھنی وغیرہ ہیں۔

۵۔ سادات مشہدی:۔ اس خاندان میں سید شرف الدین مشہدی ہیں جو مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کے داماد ہیں اور انکا مزار بھروچ میں ہے

۶۔ سادات میں سے سادات عیدروسیہ ہیں جو سید شریف ابوبکر عیدروس حضرموتی کی اولاد میں سے ہیں۔ سید شیخ عیدروس کا مزار جوہری واڑہ میں ہے اور ان کی اولاد سورت اور بھروچ میں آسودہ لحد ہیں۔

۷۔ سادات ترمذی:۔ جو مخدوم سید یحییٰ ترمذی کی اولاد میں سے ہیں جو مخدوم جہانیاں کے خلیفہ تھے جن کا مزار بڑودہ کے علاقہ میں تالاب کے نزدیک واقع ہے، جو تالاب ماتریہ کے نام سے مشہور ہے۔

۸۔ سادات سید یعقوب:۔ جو مخدوم سید بدر بھکری کی اولاد میں سے ہیں اور وہ بھی مخدوم سید جہانیاں کے خلیفہ تھے۔

۹۔ سادات عریضی:۔ سید خوندمیر اور سید یعقوب یہ دونوں سید سادات عریضی میں سے ہیں جن کا مزار پی پی پور میں واقع ہے۔

۱۰۔ سادات زیدیہ:۔ سید عثمان شمع برہانی یہ سادات زیدیہ میں سے ہیں۔ (خاتمہ مرآت احمدی صہ ۶۲)

احمد آباد کی آخری جھلک

ظفر الوالہ میں لکھا ہے کہ گجرات مظفر کی سلطنت کے دور میں ارض معمور میں ربع سکون پر شمار ہوتی تھی۔ ہمایون کے حادثے سے یہ آثار مٹ گئے۔ پھر دوبارہ سلطان محمود کے دور میں آبادی شروع ہوئی۔ فوج کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچ گئی، اکبر کے حملے کے وقت بھی بارہ ہزار گھوڑے سوار فوجی تھے۔

۱ سات سو گھوڑے سوار محمد رالغ خاں کی امارت میں ترکوں میں سے تین سو عماد الملک رستم خاں کے جھنڈے کے تحت اور میں سے چار سو سوار ان کے امیر ہیبت خان کے جھنڈے کے تحت غوریوں میں سے چھ سو سوار ان کے امیر امین خاں کے جھنڈے کے تحت مغلوں میں سے پانچسو محمد سلطان کے جھنڈے کے تحت، سادات بخارا میں سے پانچسو سوار ان کے امیر کے جھنڈے کے تحت اور ان کے امیر سید حامد بن سید میران بن سید مبارک بخاری تھے۔ افغان میں سے چار ہزار ان کے امیر شیر خان فولادی کے جھنڈے کے نیچے تھے اور تمام گجراتیوں میں سے مخلوط پانچ ہزار تھے جو اختیار الملک سلطانی کے جھنڈے کے تحت تھے۔ تین سو ہاتھی تھے پانچسو پیتل اور تانبے کی توپیں تھیں چھ ہزار کو کمان اور بارہ ہزار بندوقیں تھیں جو امیر بن جہانگیر اور اسد خاں کے ساتھ تھیں۔ اس کے علاوہ گھوڑے سوار اور پیادہ فوجی جو ایک لاکھ سے کم نہیں ہو نگے۔ [1]

---

[1] ظفر الوالہ بظفر والہ ص۲۶۵۔

دولت گجرات کے خزانے میں جواہرات اس قدر اعلیٰ تھے کہ اس عہد میں کوئی ہندوستانی سلطنت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

جواہر نامہ میں لکھا ہے کہ جوہریوں کا قول تھا کہ الماس پندرہ قیراط سے زیادہ ادھر دیکھنے میں نہیں آیا مگر گجرات کے خزانے میں تیس یا چالیس قیراط کا الماس موجود ہے۔

یہی سبب تھا کہ اکبر بادشاہ نے اعتماد خاں گجراتی کو جو مظفر شاہ آخری سلطان گجرات کا وزیر تھا اپنے جواہر خانہ کا ناظم بنا دیا تھا۔

بہادر شاہ اپنی فیاضی کیلئے مشہور تھے جب کبھی وہ انعام دیتے تھے تو ایک لاکھ سے کم رقم ان کی زبان پر نہیں آتی تھی۔ اس لئے وزیروں سے مشورہ کرکے کم قیمت کا ٹنکہ بنوایا جو ۱۲ دوکڑے کا تھا۔ یہ تانبے کے پیسے کے برابر تھا۔ اس حساب سے بہادر شاہی ٹنکہ کی قیمت آجکل کے حساب سے ۸ رہوتی تھی پھر بھی ظفر الوالہ میں ہے کہ جب ۱۵۳۴/۱۶/۹۴۱ھ میں بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کیا ہے اس وقت ایک کروڑ قدیم گجراتی سکہ دلی کے چالیس کروڑ کے برابر تھا۔ گویا ایک گجراتی ٹنکہ کے چالیس ہندوستانی ٹنکے ملتے تھے۔ "ٹنکہ" سفید ایک تولہ خالص نقرہ کے برابر ہوتا تھا۔

سلطان سکندر لودی کہا کرتا تھا۔

"مدار بادشاہ دہلی برگندم و جوار است و بنیاد بادشاہِ گجرات بر مرجان و مروارید کہ ہشتاد و چہار بندر در تخت شاہِ گجرات است" [۱]

مؤرخین نے گجرات کی اقتصادی خوش حالی، اس کی عمارتوں کی خوبصورتی اور اُس کی صحت بخش آب و ہوا کی تعریف کی ہے، معاصر مؤرخ محمود بخاری

---

[۱] مراۃ سکندری۔

احمد آباد میں دولت کی فراوانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"در معموری و آبادانی آں چناں بود کہ تمام ترازو ہائے بقالان عمود و کفتین زرد بود کہ ریسمان ابریشم داشت و تمام اہل شوق را نیز سنگ و ترازو از زر بود"

مغلوں کے ہاتھوں بربادی

جب ہمایوں کے مقابلہ میں گجراتیوں کو شکست ہوگئی، اور مغل رسم کے مطابق ہمایوں نے خونی لباس پہن لیا۔ اور قتلِ عام شروع کرادیا تو میاں منجھو اسی حالت میں اس کی خدمت میں باریاب ہوئے، اور اس کی فرمائش پر موسیقی کی ایسی تان کھینچی کہ ہمایوں بیخود ہوگیا، اور اس کے قدموں پر نثار ہونے لگا، اور فوراً سرخ لباس تبدیل کردیا۔ اس کے بعد منجھو نے اپنے ہزاروں گجراتی ہم وطنوں کو اپنا رشتہ دار ظاہر کرکے، اُن کی جان بچائی۔ ہمایوں نے میاں منجھو کی بڑی قدردانی کی، اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس کے مصاحب اور ہم جلیس ہوگئے۔ لیکن ان کا دل ان خونی مغلوں میں نہ لگا، اور بھاگ گئے، بہادر شاہ ان کا اتنا قدردان تھا کہ وہ جب اس کے یہاں پہنچے ہیں تو بہادر شاہ نے کہا کہ میاں منجھو تم مجھے مل گئے تو سمجھو کہ گجرات کی سلطنت واپس مل گئی۔

تاریخی کتب جو گجرات پر لکھی گئیں وہ حسب ذیل ہیں

(۱) مظفرشاھی :۔ جس میں سلطان مظفر شاہ اوّل کے دور کا ذکر ہے (۲۸۶/۱۱۰۶)

(۲) احمد شاھی :۔ سلطان احمد شاہ کے عہد کو نظم میں بیان کیا گیا ہے جو، حلوی شیرازی کی تصنیف ہے۔ (۱۱۰۳)

(۳) محمود شاھی :۔ جس کا دوسرا نام : مآثر محمودیہ بھی ہے جو محمود شاہ کبیر کے دور سلطنت کی تاریخ ہے۔ اس کے مصنف شمس الدین شیرازی ہیں جو زیرک کے لقب سے مشہور ہیں۔ (۹۶۶/۱۱۰۶)

(۴) طبقات محمود شاھی :۔ جس میں سیدنا آدمؑ کی تخلیق سے لیکر ۹۱۵ھ تک کے حالات مذکور ہیں جو شیخ عبدالکریم بن عطار اللہ شیرازی نے سلطان محمود شاہ کبیر کے دور میں تصنیف کی۔ (۲۲۰/۱۱۲۰)

(۵) مظفرشاھی :۔ اس میں سلطان مظفر بن محمود شاہ تک کے حالات مذکور ہیں۔ یہ ہلالی کی تصنیف ہے۔ (۲۸۷/۱۱۰۶)

(۶) بہادرشاھی :۔ جو سلطان بہادر شاہ بن مظفر کے عہد میں لکھی گئی اس کے مصنف حسام خاں ہیں۔ (۹۶۷/۱۱۰۵)

(۷) مرآۃ سکندری :۔ جو سکندر بن محمد نے ۱۰۲۰ھ میں سلاطین گجرات کے حالات میں لکھی۔

(۸) مرآۃ احمدی :۔ یہ بھی گجرات کی تاریخ ہے جو مرزا علی محمد نے تصنیف کی۔

(۹) تاریخ صغیر :۔ یہ بھی گجرات کی تاریخ ہے، شیخ ابوتراب بن کمال الدین حسینی کی لکھی ہوئی ہے۔

(۱۰) ظفر الوالہ بمظفر وآلہ :- اس میں عربی زبان میں گجرات کی تاریخ ہے۔
جو شیخ عبداللہ بن محمد عمر دبیر آصفی مکی کی تصنیف ہے۔

(۱۱) تحفۃ السادات :- یہ فارسی میں آرام کشمیری کی تصنیف ہے جو سید مبارک
حسینی بخاری کے لئے تصنیف کی گئی ہے۔

(۱۲) یادِ ایّام :- حضرت مولانا سید عبدالحیؒ حسنی کی تصنیف ہے۔ اردو زبان
میں ہے۔

تاریخ گجرات اور گجرات کی تمدنی تاریخ - یہ دونوں تصنیفات مولانا ابوظفر ندوی
کی ہیں۔

نوٹ :- جن کتابوں کے سامنے مابین القوسین نمبر پڑے ہوئے ہیں اس کا
مطلب یہ ہے کہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں یہ کتابیں اس نمبر پر دستیاب ہیں۔

حضرت شاہ شیروانی چشتی

۹۴۷ھ — ۱۳۴۸ء

آپکا اسم گرامی سلیم الدین ہے۔ اور آپ کا وطن شیروان تھا۔ آپ وہاں سے ہندوستان تشریف آئے۔ اور احمد آباد میں رہائش اختیار فرمائی۔ آپ طریقت میں حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رح سے مستفید ہوئے۔

حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رح نے آپ کو طریقہ چشتیہ میں خرقہ خلافت عطا فرماکر آپ کو لاہور جانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپ نے کافی عرصہ لاہور میں گذارا۔ اور ہزاروں طالبانِ حق کو راہ طریقت پر گامزن فرمایا۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے لاہور میں قیام فرماکر عوام وخواص میں رشد وہدایت کا کام کیا۔ آپ کم گو تھے اور اکثر وقت استغراق فی اللہ میں گذرتا۔

مفتی غلام سرور لاہوری آپ کے بارے میں خزینۃ الاصفیاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔ آپ کا شمار علمائے مشائخ چشت اور شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رح کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ پر جذب واستغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔ آپ عمر کے آخری حصہ میں لاہور سے احمد آباد تشریف لے آئے اور احمد آباد میں ہی ۹۴۷ھ مطابق ۱۳۴۸ء میں داعی اجل کو لبیک کہا (احمد آباد سے مراد یہ علاقہ ہے چونکہ اسوقت احمد آباد آباد نہیں کیا گیا تھا) آپ نے وصال کے وقت وصیت فرمائی کہ جب میں انتقال کر جاؤں تو میرا جنازہ پنجاب لے جایا جائے۔ چنانچہ آپ کی رحلت کے بعد مریدین آپ کے جسدِ خاکی کو لے کر لاہور پہنچے۔ لیکن وہ رات کا وقت تھا اس لئے مریدین نے شہر سے باہر ہی رات گذاری جب انہوں نے صبح کو آپ کا جنازہ اُٹھانا چاہا تو وہ اس کو نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کا مزار مزنگ اڈہ کے پاس ہے۔

صاحب تذکرہ چوہٹر بندگی نے آپکی وفات پر قطعہ تاریخ وفات یوں تحریر کیا ہے سہ

سرّ ربّانی چوشد اندر جناں ہست سال آں شہ والا مکان
زبدۂ دین سرّ ربّانی سعید ، سرّ ربّانی ولی مسعود ، دان [1]
۹۴۷ھ ۹۴۷ھ

شیخ کمال الدین علامہ قدس سرہٗ

متوفی ۷۵۶ھ — ۱۳۵۵ء

آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رح کے خلیفۂ اعظم تھے اور آپ کے خواہرزادہ بھی تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسن رض سے ملتا ہے۔ چونکہ آپ علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ اس لئے آپ کو علامہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ احمدآباد گجرات تشریف لے گئے (یعنی بعد میں تعمیر ہونے والے احمدآباد کے قریبی علاقہ میں) جہاں آپ کو بڑی شہرت ملی۔

آپ کی اولاد اور خلفاء آج (خزینۃ الاصفیاء کی تصنیف) تک احمدآباد میں موجود ہیں مولانا کمال الدین رح شجرۃ الانوار اور شجرہ چشتیہ کی تحقیق کے مطابق ۷۵۶ھ/۱۳۵۵ء میں فوت ہوئے تھے آپکا سانحۂ وفات حضرت شیخ نصیر الدین کی رحلت سے ایک سال پہلے ہوا تھا۔ سہ

چوں کمال الدین ولی باصفار رفت از دنیا بفردوس بریں
رحمت حق گو وصال پاک او ہم سفر با متقی اہل یقین [2]
۷۵۶ھ
۱۳۵۵ء

---

[1] گلزار صوفیاء، ص ۱۰۲ ۔ [2] خزینۃ الاصفیاء، ص ۲۱۹/۲ ۔

شیخ رضی الدین عثمان گنج علم

آپ کی ولادت ۶۶۷ھ/۱۲۶۸ء میں اور وفات ۷۰۰ھ/۱۳۶۸ء میں ہوئی۔
آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے استاد اور حضرت شاہ رکن العالم ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علم و فضل میں غیر معمولی دستگاہ رکھتے تھے اور اسی بنا پر گنج علم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے حضرت موصوف کے ایک فتویٰ کی تائید میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس سے ان کی جلالتِ شان اور علمی منزلت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے حضرت مخدوم نے لکھا ہے۔

اصاب فیما اجاب الاستاذ الاجل المرشد الکامل الاکمل شیخی الشیخ رضی الدین گنج علم نفعنا اللہ وایاکم بعلموکمالہ وافاض اللہ علینا فیوضہ ونوالہ۔

ترجمہ:۔ جلیل القدر مرشد کامل و اکمل میرے شیخ حضرت رضی الدین گنج علم نے صحیح جواب مرحمت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان کے علم و فضل اور کمالات و فیوض سے بہرہ ور ہونے کا موقع عطا فرمائے۔[1]

آپ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل اُوچ میں حضرت رضی الدین عثمان کے جدامجد حضرت حاجی رجب غزنوی غالباً شہاب الدین غوری کی معیت میں تشریف لائے اور یہیں اوچ میں سکونت اختیار فرمائی۔ لیکن ان کا انتقال پٹن (نہروالہ) گجرات، میں ہوا ۔ اور وہ سیّد احمد کبیر رفاعی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضؓ کی اولاد میں سے تھے۔

---

[1] خطہ پاک اُوچ صفحہ ۱۸۸۔

صاحبزادہ جمال الدین خنداں رو

آپ حضرت رضی الدین عثمان کے بیٹے تھے۔ اپنے عہد کے بہت بڑے اصحاب کمال اور ارباب علم و فضل میں سے تھے۔

مرآۃ المناقب میں ہے کہ حضرت مخدوم زکریا ملتانی جب اوچ تشریف لائے تو یہاں انہوں نے ایک بچے کی پیشانی میں آثار سعادت کی جھلک پائی اس کے حق میں دعا فرمائی۔ حضرت مخدوم بہاؤ الحق رح نے اس ہونہار بچہ کو عمر کے آخری لمحوں تک فراموش نہیں فرمایا انتقال سے کچھ عرصہ پہلے اپنے صاحبزادے گرامی شیخ صدرالدین عارف سے فرمایا: اُوچ میں ایک درویش رہتا ہے۔ وہ جوہر لطیف کا مالک ہے اور صاحب استعداد ہے اس نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہمارے ہی خانوادے سے فیض یابی اس کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے اگرچہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکا لیکن وہ تمہارے پاس ضرور آئے گا۔ جذبہ حق نے اس میں مجذوبانہ کیفیت پیدا کر دی ہے۔ جب وہ تمہارے پاس پہنچے تو اسے تین دن تک ایک حجرے میں بٹھا کر تلاوت قرآن کریم میں مشغول رکھنا تاکہ اس کے جذبات عشق و مستی سکون آشنا ہو جائیں اور شعور کے ساتھ آداب صحبت بجالانے کے قابل ہوسکے۔ اس کے بعد اسے اپنے پاس بلاکر حضرت شہاب الدین سہروردی کے خرقہ مبارک کے سوا باقی جو کچھ تمہارے پاس ہے نصف اس کے سپرد کر دینا۔

چنانچہ حضرت زکریا ملتانی رح کے وصال کے بعد جب مولانا جمال الدین خنداں رو حضرت شیخ صدرالدین عارف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ عارف نے اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق اوچ کے اس نامور عالم کو خرقہ خلافت کے ساتھ ساتھ وہ تمام تبرکات بھی حصہ رسدی کے طور پر عطا فرما دیئے جو ان کے پاس تھے۔

حضرت شیخ جمال الدین خنداں رو رح اوچ میں خانقاہ جمالیہ میں درس و تدریس کا شغل فرماتے تھے اور اس عہد کی اوچ کی تمام نامور شخصیات ان کے فیوض علمی سے

بہرہ ور ہوئیں ۔ علم شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت و معرفت میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا ۔ سلطان غیاث الدین تغلق آپ کا مرید تھا ۔ آپ کا انتقال غالباً ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء میں ہوا ۔ [۱]

آپ کے علمی پائے کا اندازہ اس سے ہو گا کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا بیان ہے کہ حضرت جمال خنداں رو رح ان کتابوں کا درس دیا کرتے تھے ۔

ھدایہ ، بزدوی ، مشارق الانوار ، مشکوٰۃ المصابیح اور عوارف المعارف ۔ [۲]

سلسلۂ راقم الحروف بمخدوم جہانیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

راقم الحروف کا سلسلہ یوں ہے [۱] یوسف از قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا[۲] مہاجر مدنی ، از حضرت مولانا خلیل[۳] احمد مہاجر مدنی ، از قطب العالم حضرت مولانا رشید[۴] احمد گنگوہی ، از سید الطائفہ حضرت مولانا حاجی امداد[۵] اللہ مہاجر مکی ، از حضرت میاں جیو نور محمد[۶] جھنجھانوی ، از حضرت حاجی عبد الرحیم[۷] ، از شاہ عبد الباری[۸] ، از شاہ عبد الہادی[۹] ، از شاہ عضد الدین[۱۰] ، از شاہ محمد مکی[۱۱] ، از شاہ محمدی[۱۲] ، از شیخ محب اللہ[۱۳] الہ آبادی ، از شیخ ابو سعید[۱۴] ، از شیخ نظام الدین[۱۵] ، از شیخ جلال الدین[۱۶] ، از شیخ عبد القدوس[۱۷] گنگوہی ، از درویش محمد بن قاسم[۱۸] ، از سید بڈھن[۱۹] بہرائچی ، از سید اجمل[۲۰] ، از مخدوم جہانیاں[۲۱] جہاں گشت ، از سید جلال الدین[۲۲] بخاری ، از شیخ عبد اللہ[۲۳] بن علی ، از شیخ عبید بن ابو القاسم[۲۴] ، از شیخ ابو المکارم فاضل ، از شیخ قطب الدین[۲۶] ابو الغیث ، از شیخ شمس[۲۷] الدین علی افلح ، از شیخ شمس الدین[۲۸] حداد ، از پیران پیر سید[۲۹] عبد القادر جیلانی ،

---

[۱] خطۂ پاک اوچ ص ۱۹۸-۱۹۹ ، [۲] ایضاً

از شیخ ابوسعید[۲۰] مخزومی، از شیخ ابوالحسن[۲۱] قرشی، از شیخ ابوالفراح[۲۲]، از شیخ عبدالواحد[۲۳] بن عبدالعزیز، از شیخ ابوبکر[۲۴] شبلی، از شیخ جنید[۲۵] بغدادی، از شیخ سری[۲۶] سقطی، از شیخ معروف[۲۷] کرخی، از شیخ داؤد[۲۸] طائی، از شیخ حبیب[۲۹] عجمی، از امام حسن[۳۰] بصری، از امیرالمؤمنین حضرت علی[۳۱] کرم اللہ وجہہ، از سید الکونین فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ [۱]

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت

وفات ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ — ۱۳۸۲ء

حضرت قطب العالم برہان الدین، حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے پوتے تھے ۔ مناقب برہانی میں مذکور ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت اپنی سیاحت گجرات کے درمیان جب "بٹوہ" پہنچے تو آپ نے اس جگہ قیام فرمایا جہاں آج کل حضرت قطب العالم کا مزار ہے آپ نے اس جگہ [illegible] فرمایا۔

اینہاں اساڈے پاواں دی خوشبو اے

اسلئے یہاں میں حضرت مخدوم جہانیاں کے حالات تحریر کئے جاتے ہیں ۔

حضرت سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں جہانگشت، حضرت سید احمد کبیر کے فرزند اکبر اور حضرت سید جلال سرخ بخاری کے پوتے تھے ۔ آپ ۱۴ شعبان المعظم ۷۰۷ھ کو شب برأت میں اوچ میں پیدا ہوئے ۔

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت سید احمد کبیر، اپنے عم محترم سید صدرالدین محمد اور شیخ جمال خنداں رو کے زیر سایہ ہوئی ۔ فقہ و اصول فقہ کی معیاری کتابیں مثلاً ھدایہ اور اصول بزدوی وغیرہ آپ نے علامہ شیخ

[۱] کلیات امدادیہ، ارشاد مرشد ص ۹۵ ۔

بہاء الدین اوچی سے پڑھیں۔

حضرت علامہ بہاؤ الدین کی وفات کے بعد آپ ملتان تشریف لے گئے۔ جہاں آپ ایک سال رہے۔ اور شیخ ابوالفتح، رکن الدین، شاہ رکن عالم ملتانی کی نگرانی میں مولانا موسیٰ نبیرۂ حضرت زکریا ملتانی اور ان کے چچا زاد بھائی مولانا مجدالدین کے زیر تدریس رہے۔ ملتان کے زمانۂ قیام میں آپ نے مولانا شاہ رُخ عالم سے بھی استفادۂ علمی کیا۔

درمنظوم میں ہے کہ آپ سبعۂ قرأت کے قاری تھے۔ آپ تحصیلِ علم کی غرض سے حجاز بھی تشریف لے گئے جہاں مکہ معظمہ میں آپ نے شیخ عبداللہ یافعی سے اور مدینہ منوّرہ میں شیخ عبداللہ مطری سے تصوف وحدیث کی کتابوں کا درس لیا۔ مدینہ منوّرہ میں شیخ عبداللہ مطری کی صحبت میں دو برس کا عرصہ گذارا۔ صحاحِ ستہ کے علاوہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور تصنیف عوارف المعارف کا سبق بھی شیخ عبداللہ مطری سے لیا۔ معمول یہ تھا کہ تہجد کے وقت سبق پڑھتے۔ شیخ عبداللہ مطری کو آپ کے حال پر خصوصی شفقت وعنایت تھی۔ مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ مسجدِ نبوی میں امامت کا شرف بھی حاصل کیا۔

حضرت مخدوم نے عوارف المعارف کا درس جس نسخہ سے لیا تھا وہ خود حضرت شہاب الدین سہروردی رح کے زیر نظر رہ چکا تھا۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے عوارف المعارف کا سبق شیخ شرف الدین محمود تستری سے بھی ان کے وطن شوکارہ (عراق) پہنچ کر حاصل کیا۔

سیر وسیاحت

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی زندگی کی ایک امتیازی خصوصیت انکی جہاں نوردی اور ان کا شوقِ سیاحت ہے۔ لطائفِ اشرفی ہیں۔

آپ نے زمین کے بہت بڑے حصہ کا سفر کیا۔ اور ۱۴ سلسلوں کے تمام مشائخ اور بزرگوں کے ایک بڑے گروہ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ ایک سو تیس سے زیادہ صاحبِ ارشاد مشائخ سے اکتسابِ فیض کیا۔ اور خرقہ خلافت واجازت حاصل کیا۔ اخبار الاخیار میں ہے حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

"سیاحت بسیار کردہ واز بسیارے از اولیاء نعمت وبرکت یافتہ"

بہت سیر وسیاحت فرمائی تھی۔ اور بے شمار اولیاء اللہ سے روحانی برکات وفیوض حاصل کئے۔

اس سیر وسیاحت کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھے وہ حضرت مخدوم ہی کی زبانی سنئے فرماتے ہیں۔

سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور ۴۰ خانقاہیں میری تحویل میں دے دیں۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح (شاہ رکن عالم ملتانی رح) مجھے خواب میں دکھائی دیئے اور فرمایا۔ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا۔ صبح کو شیخ کے امام نے بھی کہا کہ شیخ کا حکم ہے جلد روانہ ہو جاؤ۔ تیاری کی کیا ضرورت ہے، میں نے حضرت مخدوم والد سے اجازت طلب کی اور روانہ ہو گیا۔ میرے پاس زادِ سفر نہیں تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے بے حد انعامات واکرامات سے نوازا اور زادِ سفر کی یہ سبیل فرمائی کہ ایک عزیز جو سفرِ حج کے ارادہ سے روانہ ہوا تھا۔ واپس آگیا اور اس کا سفر خرچ مجھے مل گیا۔ ساتھ ہی گھوڑا بھی سواری کے لئے دیا۔ میں نے وہ گھوڑا مولانا نظام الدین کڑہ کو دیدیا۔ جو دِق کے مریض تھے اور خود پیادہ حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوا اور انواع واقسام کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوا۔

مخدوم جہانیاں کا لقب

ایک روایت میں ہے کہ عید کے مبارک دن آپ حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانی کے مزار پر

حاضر ہوئے اور اپنی عیدی طلب کی ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا تمہاری عیدی یہ ہے کہ تم مخدوم جہانیاں کے خطاب سے سرفراز کئے گئے ۔ بعد ازاں آپ اپنے مرشد حضرت شاہ رکنِ عالم کے مزار پر حاضر ہوئے ۔ وہاں سے بھی عیدی کی درخواست کی جس کا حسبِ سابق جواب ملا ۔ جب آپ احاطۂ مزار سے باہر تشریف لائے تو ہر شخص کی زبان پر مخدوم جہانیاں جہاں گشت ، کے الفاظ تھے ۔ بعض پرانے قلمی مسوّدوں میں جہانیاں جہانگیر ، بھی مرقوم ہے ۔

آپ کی ذات سے لاکھوں انسانوں نے ظاہری اور باطنی فیض پایا ۔ اور ہزارہا نفوس نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔ تمام عمر آپ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے ۔ اور ہمیشہ حلال روزی پر گزر بسر کیا ۔ چنانچہ ، الدرالمنظوم ، میں ہے ، حضرت مخدوم مکہ معظمہ میں حصولِ علم اور فیوض باطنی کی تحصیل میں مشغول تھے ۔ وجہ معیشت کتابت تھی ۔ دن میں تعلیم میں مصروف تھے اور رات کو دو تین جز لکھ کر اس کی اجرت حاصل فرماتے اور اس سے اپنا پیٹ بھرتے ۔ [1]

سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان کے نظم و نسق میں جو ابتری پھیلی اس کا اثر گجرات پر بھی پڑا ۔ گجرات کے گورنر نظام مفرح راستی خاں نے علم بغاوت بلند کیا ۔ محمد تغلق ایک کمزور حکمراں ثابت ہوئے ۔ وہ اس بغاوت پر قابو نہ پا سکے ۔

بالآخر انہوں نے اپنے ایک امیر ظفر خاں کو گجرات کا گورنر نامزد کیا ۔ ظفر خاں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا عقیدت مند اور مرید تھا ۔ اور حضرت والا نے اسے بادشاہت کی دعا سے سرفراز فرمایا تھا ۔ اگرچہ اس کی طبیعت میں ہوسِ اقتدار کو مطلق دخل نہیں تھا ۔ تاہم جب ۸۰۱ھ میں امیر تیمور گورگان نے

---

[1] الدرالمنظوم صفحہ ۲۶

دہلی پر حملہ کر کے تغلق خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ تو اس انتشار اور خانہ جنگی کے ماحول میں اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ صوبہ گجرات میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھے۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کی دعا کی تاثیر تھی کہ علماء و مشائخ کے مشورے اور امراء دربار کے اصرار پر ۸۱۰ھ میں اس نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کر کے گجرات کی خود مختار بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ سلطان مظفر خاں بانی سلطنت گجرات کا انتقال ۸۱۴ھ میں ہوا۔

ان کے مرنے کے بعد ان کے پوتے احمد شاہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے۔ وہ بھی اس خانوادہ بخاریہ کے انتہائی عقیدت مند تھے۔ اور حضرت مخدوم کے پوتے حضرت قطب العالم برہان الدین کے دامن ارادت سے وابستہ تھے۔ حاجی دبیر آصفی مکی نے جن کا اصل نام عبداللہ محمد بن عمر ہے۔ ایک کتاب سلطان مظفر خاں والیٔ گجرات اور انکی اولاد و احفاد کے بارے میں "ظفر الوالہ بمظفر و آلہ" کے نام سے ترتیب دی ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وسبقت الاشارة فی ترجمة مظفر سلطان گجرات الی البشارة له بالسلطنة من القطب الربانی مولانا جلال الدین المخدوم جہانیاں قدس سرہ،

یعنی گجرات کے سلطان مظفر کے حالات میں یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ اس کو سلطنت کی خوشخبری حضرت قطب ربانی مولانا جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے دی تھی۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں۔

"حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے کرامات کا صدور بڑی کثرت سے ہوتا تھا۔ شاید ہی متاخرین صوفیاء میں کسی سے اتنی کرامتیں رونما ہوئی ہوں۔ مگر حضرت والا ان کرامات کو شرف و کمالات کا سبب نہیں جانتے تھے۔ بلکہ فرماتے تھے کہ یہ ممکن ہے

کہ ایک آدمی ہوا میں اڑے، پانی پر چلے اس کے لیے آسمان اور زمین کی طنابیں کھینچ سکتی ہیں مگر اس وقت تک درجۂ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی رفتار، گفتار اور کردار میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پاک کی اتباع نہ کرے"
آپ جاہل صوفیوں کے سخت خلاف تھے۔ فرمایا

کن عالماً باحکام الفقہ ولا تکن من جہال الصوفیۃ فانہم لصوص الدین وقطاع الطریق علی المسلمین۔ (سفرنامہ ص۲۱)

مسائل فقہیہ کا علم ضروری ہے۔ جاہل صوفی مت ہو کہ یہ لوگ دین کے چور اور ڈاکو ہوتے ہیں جو مسلمانوں کی متاع دین پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔

خزانۂ جلالی میں ہے کہ حضرت مخدوم نے فرمایا۔

یکے از علامات قیامت آنست کہ علماء فاسق گردند وصوفیا جاہل باشند،

قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ علماء بدراہ ہو جائیں اور صوفی جاہل ہوں۔ (سفرنامہ ص۲۲)

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت مسلکاً اہلِ سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ جامع العلوم میں ہے کہ

ولا نتبرأ من احد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا بیننا وبین الروافض لانہم یتبرءون من الصحابۃ الا عن علی رضی اللہ عنہ فنرد علیہم بقولہ علیہ السلام اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم وان ابیستم غویتم فالاخبار فی فضائلہم کثیرۃ یطول ذکرھا ھنا ولا نوالی احداً من الصحابۃ دون احد وھذا بیننا وبین الشیعۃ لانہم والوا علیا علی جمیع الصحابۃ وھذا قریب من مذھب الروافض ایضاً۔

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے اظہار بیزاری کرنے کے روا دار نہیں ہیں۔ ہمارے اور روافض کے درمیان یہ مسئلہ اختلاف کا باعث ہے کیونکہ وہ حضرت علی کے سوا باقی تمام صحابہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ہمارے پاس روافض کے رد

میں یہ حدیث ہے کہ ۔

میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے ۔ اور اگر انکار کروگے تو گمراہ ہو جاؤگے ۔

پس ہم صحابہ کو واجب الاحترام مانتے ہیں کہ ان کے فضائل میں بے شمار احادیث مروی ہیں لیکن شیعہ صرف حضرت علی بن ابی طالب کے قائل ہیں ۔ اور باقی صحابہ کو نظر انداز کرتے ہیں ۔ اور یہ اعتقاد رافضیوں کے اعتقاد سے زیادہ قریب ہے ۔

یہ عجیب سوئے اتفاق ہے کہ آج اُنہی مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے سجادہ نشینان بارگاہ میں اپنے آباؤ اجداد کی جھلک کم پائی جاتی ہے ۔ ——— بلکہ عملاً بے راہروی اور فسق و فجور میں مبتلا ہو کر " نام نیک رفتگان " کو ضائع کر رہے ہیں اسے کہتے ہیں " مدزاغوں کے تصرّف میں عقابوں کا نشیمن " حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے خلفاء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی ۔ الدر المنظوم میں بیالیس ۴۲ خلفاء کے نام ملتے ہیں جو اپنے دور کے عظیم الشان بزرگ اور شیوخ طریقت تھے ۔ آپ کے خلیفہ اعظم آپ کے حقیقی بھائی سید صدر الدین راجو قتال ہوئے ان کے علاوہ شیخ اخی راجگیری ، شیخ علم الدین ترمذی ، شیخ سراج الدین ، سید اشرف جہانگیر سمنانی ، سید شرف الدین مشہدی شیخ تاج الدین بھکری ، سید محمود شیرازی ، سید سکندر بن مسعود ، شیخ علاء الدین علی ، سید ناصر الدین محمود اور اس قبیل کے دیگر حضرات کو بھی آپ کی بارگاہ سے خرقۂ خلافت واجازت حاصل ہوا ۔

مریدین کی تعداد " ثمرات القدس " کی روایت کے مطابق پونے دو لاکھ کے قریب تھی ۔ خود حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کو ایک سو چالیس سے زیادہ مشائخ طریقت سے نسبت باطنی حاصل تھی ۔ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب اولیاء دہلوی کے چار خلفاء سے آپ نے باطنی فیض حاصل کیا ۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے بھی آپ کو خصوصی محبت و عقیدت تھی۔ اور ہمیشہ اپنی اس خوش بختی پر نازاں رہے کہ انہوں نے حضرت شیخ کے دیکھنے والوں کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ [۱]

ایک دفعہ بادشاہ کے ہاتھ میں تلوار دیکھی جس کا قبضہ سونے کا تھا۔ آپ نے فوراً ٹوکا۔ بادشاہ نے وہ تلوار فوراً اسلحہ خانہ میں جمع کروا دی۔

دہلی کے زمانہ قیام میں جب آپ بادشاہ سے رخصت ہوئے تو شاہی خاندان کے کچھ بچے بھی طلبِ دعا کیلئے حاضر ہوئے۔ انہیں ریشمی لباس میں ملبوس دیکھ کر فرمایا "ریشم کا لباس مردوں کیلئے حرام ہے اس کا وبال شہزادوں کے سرپرستوں پر آئے گا"

کوئی شخص جوشِ عقیدت میں پاؤں چومنے کو جھکتا تو اسے سختی سے روک دیتے اور فرماتے ہمارے مذہب میں سجدۂ تحیت جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کسی مرید نے آپ کو قطب عالم، شیخ الشیوخ اور سید السادات کے القاب لکھے فرمایا "میرے لئے ایک ہی لقب گدائے عالم کافی ہے یہ لکھا کرو"

وفات: ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ کو علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا آپ کی خانقاہ اوچ بخاری کے شمال مغربی گوشے میں واقع ہے۔ لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے جو تاریخ وفات کو ظاہر کرتا ہے۔

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ
تاریخ بود بہ ہفصد و ہشتاد و پنج سال [۲]

خاتمہ مرأۃ احمدی میں آپ کے متعلق اتنا ہے۔
مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری کے متعلق "جامع العلوم" میں لکھا ہے کہ آپ

---

[۱] الدر المنظوم صفحہ ۲۵۹ [۲] خطۂ پاک اوچ صفحہ ۲۲۴، ۲۲۴۔

محدث اور فقیہہ تھے ۔ اصول و فروع دونوں میں امام ابوحنیفہ رح کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے، مگر نماز میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے ۔

ان کے پوتے حامد الکبیر بن محمود بن حسین الاچی اور جلال الدین احمد بن یعقوب بن محمود بن سلیمان البتی کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ یہ دونوں فن حدیث میں مخدوم صاحب کے شاگرد تھے ۔ [1]

شیخ سماء الدین

م ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱ ۹ ھ مطابق یکم فروری ۱۴۹۶ء

شیخ سماء الدین نے حضرت مخدوم جہانیاں کے بھائی اور اپنے والد کے پیر و مرشد شیخ راجو قتال کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ ان سے کسی حد تک مربوط بھی رہ چکے تھے ، ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی خواجہ بدھ فتح اللہ تھا ۔ ایک بار انہوں نے اپنے ایک پڑوسی ملک نامی کی انتہائی منت سماجت پر اس کی جاگیر کی درستی محصول کی ذمہ داری قبول کر لی لیکن چند دنوں بعد سلطان المشائخ سید صدر الدین کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس کام سے منع فرماتے ہیں ۔ چنانچہ خواجہ فتح اللہ اس کام کو چھوڑ کر اپنے گھر لوٹ گئے لیکن ملک کی دوبارہ منت سے مجبور ہو کر خواجہ کو اس کی جاگیر پر پھر جانا پڑا ، لیکن اسی دن بالا خانہ پر وضو کر رہے تھے کہ سلطان المشائخ نمودار ہوئے اور انہوں نے خواجہ بدھ کو نیچے دھکیل دیا ۔ خواجہ بچ گئے لیکن اس کام سے علیحدگی اختیار کر کے اہل اللہ

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صـ ۶۲ [2] سیر العارفین صـ ۱۲۱

کے زمرے میں داخل ہو گئے، اور شیخ راجو قتال سے رابطہ ارادت استوار کر کے سہروردیہ سلسلہ میں شامل ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سماء الدین بھی باپ کے ہمراہ شیخ راجو کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

شیخ سماء الدین کو بچپن سے عبادت میں جس قدر شغف تھا اس کا حال سیر العارفین[1] میں خود شیخ کے حقیقی بھائی شیخ اسحاق کے حوالہ سے بیان ہوا ہے کہ بارہ سال کی عمر سے تہجد کی نماز کبھی فوت نہیں ہوئی۔

اخبار الاخیار ص۲۱۱ سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ موصوف کے استاذ مولانا ثناء الدین تھے جو میر سید شریف جرجانی کے شاگرد رہ چکے تھے۔

مولانا ثناء الدین بڑی صلاحیت کے عالم تھے چند سال شیراز میں رہ کر سید شریف سے بھی علوم حاصل کر کے اپنے ہم عصروں میں بے حد ممتاز ہو گئے۔ ان کے والد قطب الدین بہرام تھے جو کبر سنی تک لاولد تھے کلام اللہ کے حافظ تھے ہر شب جمعہ کو حضرت بہاء الدین زکریا اور ان کے صاحبزادے حضرت صدرالدین کے مقبرے پر حاضر ہوتے۔ اور ایک ختم قرآن کے بعد واپس آتے، ایک شب ختم کلام کے بعد غنودگی طاری ہوئی۔ حضرت شیخ صدرالدین کو خواب میں دیکھا کہ وہ خرمے دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک خود کھاؤ اور دوسرا اپنی زوجہ محترمہ کو کھلادو۔ انشاء اللہ تم کو فرزند نیک بخت حاصل ہوگا، ابھی اس جگہ سے نکل رہے تھے کہ ایک اور بزرگ نے دو خرمے دیئے اور ان دونوں کے حسب ارشاد عمل کرنے کا نتیجہ مولانا ثناء الدین کی ذات بابرکات تھی۔

بہرحال شیخ سماء الدین نے مولانا ثناء الدین سے علم حاصل کیا۔

---

[1] سیر العارفین ص۱۴۰۔

خرقۂ خلافت

اخبارالاخیار میں لکھا ہے کہ شیخ سمارالدین شیخ کبیر نبیرہ سید جلال الدین بخاری کے مرید تھے، اور سیرالعارفین سے اس کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ چنانچہ جیسا اشارہ ہوچکا ہے بچپن میں ان کے والد خواجہ بدھ نے انہیں بھی شیخ راجو کا معتقد کردیا تھا، لیکن باقاعدہ ان سے خلافت نہ ملی تھی، ان کی وفات کے بعد شیخ سمارالدین نے حضرت شیخ المشائخ شیخ کبیرالدین اسماعیل کی طرف رجوع کیا۔

سیرالعارفین میں خود شیخ مذکور کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام صدرالدین محمد المعروف بہ شیخ راجو قتال (جو حضرت شیخ کے والد کے پیرومرشد تھے) کے انتقال کے بعد وہ ایک روز حضرت کبیرالدین کی خدمت میں حاضر ہوکر شفقت ومرحمت کے طالب ہوئے، حضرت شیخ کبیر نے ایک دوسرے صوفی درویش شیخ فضل اللہ کا ذکر کیا۔ اوران سے خرقۂ خلافت دلانے کا وعدہ کیا، لیکن شیخ سمارالدین نے کچھ بھی نہ کہا اور مکان واپس چلے آئے، کچھ دنوں بعد پھر شیخ کبیر کے آستانہ پر گئے اور وہی درخواست پیش کی مگر شیخ نے گذشتہ موقع کی طرح پھر شیخ فضل اللہ کا تذکرہ کیا اس پر شیخ سمارالدین نے کہا کہ۔

"پیری ومریدی ومرشدی ومسترشدی بہ رابطۂ قلبی وفرط محبت نہادہ اند ومن این معنی نسبت حضرت مخدومی مستحکم ومستقیم می یابم"

اس جواب سے شیخ کبیر اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً اٹھ کر ان سے بغل گیر ہوئے اور حجرۂ خاص میں لے جاکر تلقین وذکر شروع کیا[1] ان ہی ایام میں شیخ سمارالدین کے دل میں ترک علم ظاہری کا خیال راسخ ہوگیا تھا، شیخ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اساس دین کی بنیاد علم ظاہری پر ہے، اس لئے اس کو ترک کرنے کا خیال

---

[1] سیرالعارفین صد ۱۲۲۔

ختم کر دینا چاہیئے ۔ چند وجوہ سے انہیں اپنا وطن چھوڑنا پڑا ۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ ، از ملتان بنابر بعضے وقائع کہ در آن دیار واقع شدہ برآمد ،

سفرِ گجرات

ناگور میں کچھ دنوں قیام کے بعد شیخ سماء الدین گجرات کی طرف چلے گئے ۔ اس وقت انکی عمر ۶۵ سال کی تھی ، اس لحاظ سے ان کا سفر ۸۶۲ھ کے قریب ہوا ہوگا ، گجرات کے قیام میں انکی ملاقات شیخ وجیہ الدین احمد سے ہوئی جو بقول صاحب سیر العارفین اس وقت ۱۲۰ سال یا ۱۲۳ سال کے تھے ۔ وہ علوم ظاہری میں ابو حنیفہ وقت اور علوم باطنی میں بایزید زمانہ تھے ، شیخ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان کے ساتھ باوجود ناشناسائی کے ایسا برتاؤ کیا جو کوئی خورد اپنے بزرگ کے ساتھ کرتا ہے ۔ حالانکہ دونوں کی عمر میں تقریبًا ۶۰ سال کا فرق تھا اور اپنا ایک خاص مصلّٰی شیخ سماء الدین کی خدمت میں پیش کیا ۔

گجرات سے واپسی پر شیخ سماء الدین رنتھمبور کی طرف آئے اور یہاں کے قلعہ کے قریب بلانیہ / بیانہ نام کے ایک قریہ میں قیام کیا ، اسی قریے میں شیخ جمالی نے شیخ سماء الدین سے بیعت کی تھی ۔

شیخ سماء الدین رنتھمبور سے بیانہ آئے یہاں ان کا قیام زیادہ دنوں تک معلوم ہوتا ہے ، شیخ سماء الدین بیانہ سے دہلی چلے آئے اور تا آخر حیات یہیں مقیم رہے ۔ اس عہد میں دہلی کا تاجدار بہلول لودھی تھا وہ شیخ سماء الدین کا بے حد عقیدت مند تھا اور ان کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتا تھا ، شیخ کو بھی بہلول سے بڑی محبت تھی ، اس سے بہلول لودھی کی اس عقیدت کا پتہ چلتا ہے جو اس کے فقراء مشائخ سے تھی ، اور غالبًا اسی ارادت مندی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنی ایک لڑکی کی نسبت ایک صوفی درویش شاہ عبداللہ قریشی سے کر دی ، جو ملتان کے رہنے والے اور حضرت بہاء الدین زکریا کی اولاد میں سے تھے ۔ شاہ عبداللہؒ موصوف نہ صرف شیخ سماء الدین

کے ہم وطن تھے بلکہ دونوں ایک ہی سلسلہ سہروردیہ سے مربوط تھے۔

بہلول کی وفات ۸۹۴ھ میں ہوئی، اس کے بعد اس کا لڑکا سکندر لودھی تخت نشین ہوا۔ باپ کی طرح وہ بھی درویشوں کا بیحد عقیدت مند تھا۔ حضرت شیخ سماء الدین سے بھی بڑی ارادت رکھتا تھا، چنانچہ جب تخت نشینی کے لئے اس کو دعوت دی گئی تو سب سے پہلے وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ [1]

اخبار الاخیار میں ہے کہ آخر وقت میں شیخ کی بصارت جاتی رہی تھی مگر خدا نے بغیر دوا کے ان کی آنکھیں روشن کر دیں۔ شیخ نے طویل عمر پائی آپ نے ۱۷ جمادی الاولی ۹۰۱ھ بمطابق یکم فروری ۱۴۹۶ء کو تقریباً سو سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ انتقال سے پہلے آپ اپنے بڑے لڑکے شیخ عبداللہ کو دیکھنا چاہتے تھے جو ایک مدت سے صحرا نشین ہو گئے تھے۔ شیخ جمالی ان کی تلاش میں جانے کو تیار تھے اور شیخ سماء الدین نے بیٹے کے نام ایک اشتیاق نامہ بھی لکھا تھا جس میں یہ شعر درج تھا۔ [2]

طاقت و صبر مرا نیست برین ہجر طویل

قدم زودہ بنہ بر سر این پیر علیل!

مگر دوسرے دن چاشت کے وقت شیخ جمالی کو طلب کر کے فرمایا، معلوم نہیں شیخ عبداللہ کا دیدار نصیب ہوتا ہے یا نہیں، میری خواہش یہ ہے کہ تم میرے پاس سے الگ نہ ہو ورنہ ایسا نہ ہو کہ میرے جنازے میں شریک نہ ہو سکو، اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ استغراق کا عالم طاری رہا مگر ہر نماز کے لئے تازہ وضو کر کے نماز پڑھتے۔ پھر محویت طاری ہو جاتی، یہاں تک کہ سترہویں جمادی الاوّل کو بعد نماز عشاء آنکھ کھولی تبسم فرمایا اور رحلت کی۔ شیخ جمالی نے یہ قطعہ نظم کیا ہے۔

مرشد انس و ملک شاہ سماء الدین چوں رفت

اے جمالی بر سریر عرش آمد گام او!

[1] معارف ۱۱ جلد ۵۷۔ [2] اخبار الاخیار ص ۲۴۵

ہشت خلد آمد بنام او اگر پرسد کسے
سال تریخش بگو ہشت آمدہ برنام او

ہشت کے ۵.۷ ہوتے ہیں اس میں سماء الدین کے ۲۰۱ شامل کرنے سے ۹۰۱ھ ہوگا
مؤلف خزینۃ الاصفیاء نے یہ قطعہ لکھا ہے ۔

سماء الدین ولی سہروردی ! کہ در ارض وسماعکش رواں شد
چو از حکم قضا رخت سفر بست قضا تاریخ ترحیلش بیاں شد
دگر مہتاب جنت گشت روشن ہم عارف متقی سالش عیاں شد

آپکی تجہیز وتکفین کے وقت دہلی کے اکابر مشائخ وعلماء موجود تھے، شیخ جمالی نے حضرت حاجی عبدالوہاب، مولانا عبداللہ الہ داد، شیخ نصیرالدین اور حضرت زبدۃ الانام کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے، ان میں اول الذکر سید جلال بخاری کی اولاد میں تھے، جو حضرت مخدوم جہانیاں کے جد اور سلسلہ سہروردیہ کے ایک ممتاز رکن تھے۔ حضرت حاجی ملتان سے دہلی آکر سکونت پذیر ہو گئے ۔

مولانا عبداللہ الہ داد شیخ جمالی کے استاد اور عہد سکندری کے سب سے ممتاز عالم تھے، بہلول لودھی کے زمانے میں ملتان سے دہلی آگئے ۔

تیسرے شیخ سماء الدین کے چھوٹے صاحبزادے تھے اور آخری کی شخصیت کا تعین نہیں ہو سکا، شیخ سماء الدین کا مقبرہ حوض شمسی پر ہے ان کے پہلو میں ان کے خاندان کے بعض دوسرے افراد بھی مدفون ہیں، سیر العارفین سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار نے ان کے مدفن کا نشان مقرر کیا تھا

معمولات

شیخ سماء الدین اکابر اولیاء میں تھے، آپکی حیات کا ہر سانس عبادت وطلب رضائے الٰہی میں صرف ہوتا تھا، آپ کا باقاعدہ دستور تھا جس میں تبدیلی مشکل سے ہوتی ۔ سیر العارفین میں ہے کہ آدھی رات کو تجدید

وضو کرکے نماز شروع کرتے اور تقریباً ایک پہر نوافل میں گذارتے، نصف پہر ورد میں صرف ہوتا پھر صبح صادق تک مراقبہ میں رہتے ۔ اس کے بعد فجر کی سنت مؤکدہ ادا کرتے اور نماز فجر باجماعت پڑھتے ، نماز چاشت کے بعد کچھ مراقبہ کرتے اور پھر درس ا تدریس میں مشغول ہوجاتے ، تفسیر، حدیث اور اصول فقہ کا خاص طور پر درس دیتے، جس میں کبھی کبھی علماء تک شریک ہوتے ۔ اس کے بعد مریدوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتے اور ہر مرید کی اصلاح فرماتے ۔ عصر تک یہ کام جاری رہتا ، پھر مغرب تک استغراق کا عالم رہتا ۔ نماز مغرب وا وابین ادا کرکے مراقبہ میں چلے جاتے ، نماز عشاء سے فارغ ہوکر مسجد سے گھر آتے ، کھانا کھاتے ، کچھ دیر استراحت فرماتے مگر ذکر جاری رہتا اس طرح صبح سے شام تک سوائے عبادت کے دوسرا شغل ہی نہ رہتا تھا

شیخ جمالی آپ کے داماد تھے ۔ [۱] شیخ جمالی نے لکھا ہے کہ ایک روز ایک درویش شیخ سماء الدین کی خدمت میں آئے ان کے پاس مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی کا ایک نسخہ تھا حضرت نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور چند ورق مطالعہ کرنے کے بعد شیخ عین القضاۃ کا ایک واقعہ نقل کیا ۔ ایک بار ان کی بیس [۲] جگہ دعوت تھی لیکن وہ حجرہ سے باہر نہ نکلے اور ہر جگہ موجود بھی تھے ، شیخ جمالی کے دل میں شبہ پیدا ہوا چنانچہ حسب معمول جب وہ طشت و مشربہ لے کر شیخ سماء الدین کے کمرہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ شیخ اپنی جگہ پر موجود ہیں اور چاروں کونوں میں اُن کی چار صورتیں کھڑی ہیں اس کے بعد خود فرمایا کہ درویشوں میں یہ قوت ہوتی ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ حاضر ہوجائیں لیکن یہ باتیں ہر شخص سے کہنے سننے کی نہیں ہیں ۔ [۲]

---

[۱] معارف ۲ ج ۵ ، ص ۱۱۱ [۲] سیر العارفین ص ۱۲۵ ، معارف ۱ ج ۵ ۔

سیّد صدر الدّین راجو قتال

قطب العالم کے پیر و مرشد

(متوفی ۱۹ جمادی الاخری ۸۲۷ھ/۱۶ مئی ۱۴۲۴ء)

آپ حضرت سیّد احمد کبیر بن سید جلال سرخ بخاری رح کے چھوٹے فرزند اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے برادرِ حقیقی اور خلیفہ اجل تھے۔ ۲۶ شعبان ۷۳۰ھ/۱۲ جون ۱۳۲۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹ جمادی الاخری ۸۲۷ھ/۱۴۲۴ء کو انتقال فرمایا۔ علم و عمل کے جامع اور شریعت و طریقت کے ماہر تھے مرآۃ العالم میں تحریر ہے۔

صدر الدین راجو قتال اپنے والد احمد کبیر کے مرید و خلیفہ تھے اور اپنے بڑے بھائی مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے بھی خرقہ خلافت پایا۔ اور ان کے بعد ۔ ۔ ۔ جانشین اور خلیفہ ہوئے۔ آپ علوم ظاہری، اصول، معاملات اور اشارات میں جامعیت رکھتے تھے اور ہند کے اجل مشائخ میں سے تھے۔

اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اپنے برادر بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی صحبت میں بسر کیا۔ اور سفر و حضر میں حضرت مخدوم رح کے فیوض ظاہرہ و باطنہ سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ حضرت مخدوم فرمایا کرتے تھے۔

خالقِ حقیقی نے ہم کو امور خلقت میں مشغول کیا۔ اور برادر عزیز صدر الدین کو اپنی ذات کے عشق میں مستغرق کر رکھا ہے۔

چونکہ طبیعت میں جلال کا عنصر غالب ہے اس لئے "قتال یا کتال" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس سلسلہ میں اُوچ کے ہندو حاکم "نواہوں" کا واقعہ مشہور ہے جس سے شانِ جلالی اور افتادِ طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مرض الموت کے ایام میں ، نواہوں، عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے ۔ اور حضرت والا کی تعریف میں ایک ایسی بات انکی زبان سے بے ساختہ نکل گئی جس سے توحید و رسالت کا اقرار مترشح ہوتا تھا۔ آپ نے اسے قبولِ اسلام کا حکم دیا ۔ نواہوں کو اس میں تامل ہوا اس لئے راتوں رات بھاگ کر دہلی پہنچے ۔ فیروز تغلق سے ان کے مراسم دوستانہ تھے ۔حضرت صدرالدین راجو قتال نے دہلی تک اسکی وجہ سفر کیا ۔مشہور بزرگ قاضی عبدالمقتدر تھانیسری کے صاحبزادے مولانا محمد تھانیسری نے ، نواہوں، کی جاں بخشی کے لئے حیلہ شرعی سے کام لیا ۔اس پر آپ مولانا محمد تھانیسری سے بگڑ گئے ۔ اور ان پر ایک نگاہ غضب آلود ڈالی اور فرمایا تمہاری گفتگو دیانت سے خالی ہے تم اپنے کفن و دفن کی فکر کرو ۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ مولانا محمد تھانیسری کے پہلو میں درد اٹھا اور اس حد تک بڑھا کہ مرغ بسمل کی طرح زمین میں لوٹنے لگے ۔ قاضی عبد المقتدر اور دیگر علمار و فضلا ر نے ان کی آپ سے سفارش کی فرمایا جو ہونا تھا وہ ہوچکا ۔ اب انکی تجہیز و تکفین کا اہتمام کرو ۔ اور غم نہ کرو ۔ مولانا محمد تھانیسری کے ہاں جو لڑکا پیدا ہونے والا ہے وہ اپنے وقت کا مشہور زمانہ عالم اور ولی اللہ ہوگا ۔ چنانچہ مولانا محمد تھانیسری کے انتقال کے ۲ دو ماہ بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام ابو الفتح رکھا گیا ۔ یہ بچہ آگے چل کر بہت بڑے عالم فاضل اور خدا رسیدہ بزرگ ثابت ہوتے ۔ ان کا مقبرہ جون پور میں مرجع خلائق ہے ۔

ملفوظات میں لکھا ہے کہ سید صدرالدین راجو قتال کے ہاتھ پر تین لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ افراد نے بیعت کی ۔

ایک نومسلم دین محمد کا حال مناقب الولایت میں اس طرح تحریر ہے کہ یہ نومسلم پہلے

ہندو تھے (حضرت راجو قتال کی) صرف گفتگو سنتے ہی مسلمان ہوگئے۔ (آپ نے) انکا نام دین محمد رکھا اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور سہروردیہ طریقہ میں داخل کیا۔

حامد گنج بخش لکھتے ہیں کہ وہ صرف ان کے دیکھنے ہی سے مسلمان ہوگئے۔ اور اس طرح تین سو کافر آئے اور مسلمان ہوئے۔

آپ کی اولاد کافی تھی مگر خلافت و سجادگی اپنے بھتیجے سید ناصر الدین محمود کے صاحبزادے سید فضل اللہ کے سپرد کی جن کا مزار اُوچ میں آپ کے مزار سے متصل جانبِ جنوب واقع ہے۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بھی سینکڑوں سے متجاوز ہے مشہور خلفاء میں قطب العالم سید برہان الدین احمد آبادی، شیخ کبیر الدین، اسماعیل بخاری، حاجی سید عبدالوہاب، شاہ داؤد قریشی، شیخ اسماعیل قریشی اور سید احمد مخدوم جہاں شاہ کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت راجو قتال کا ۱۹ جمادی الآخر ۸۲۷ھ/۱۴۲۴ء کو وصال ہوا اور اُوچ میں دفن ہوئے۔

حضرت راجو قتال کے حالات میں حاجی حامد گنج بخش نے ایک کتاب "مناقب الولایت" لکھی ہے۔ [۱]

سیّد تاج الدّین

سیّد جلال مخدوم جہانیاں رح کے خلیفہ تھے۔ آپ کا مزار احمد آباد شہر کے اندر محمد بیگ خاں کی حویلی کے نزدیک مرزا پور میں واقع ہے۔ [۲]

---

[۱] مخدوم جہانیاں ص۱۸۳۔ خطہ پاک اوچ ص۲۳۵۔ [۲] خاتمہ مرات احمدی ص۱۰۳۔

بابا اسحاق مغربی اور حضرت شیخ احمد کھتوی سرکھیجی

(م ۷۷۶ھ سے ۷۶۳ھ)

شیخ احمد کھتوی، شیخ اسحاق مغربی کے خلیفہ تھے۔ شیخ مغربی اپنی طول عمری کی وجہ سے حضرت شیخ ابو مدین مغربی سے فیض یافتہ تھے۔ تحفۃ المجالس میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ اسحاق مغربی اپنے پیر ابو مدین مغربی کی وفات کے بعد اپنے پیر و مرشد کے اشارے سے برصغیر ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ سلطان فیروز شاہ کے زمانہ میں اجمیر شریف آئے اور حضرت خواجہ اجمیری کے مزار پر انوار پر قیام کیا۔ ایک عرصہ تک یہاں قیام فرمایا۔ ایک رات حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رح نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ ناگور کے علاقہ میں قصبہ کھتو / کھاتو میں چلے جائیں اور وہاں کام کریں۔

خطۂ پاک اوچ نامی کتاب میں ہے کہ آپ شیخ معین الدین اجمیری رح کے معاصر ہیں۔ آپ کو حضرت اجمیری نے کھتو (کھاتو) بھیجا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منامی ارشاد نہیں بلکہ بیداری کا واقعہ ہے۔

آپ کھتو (کھاتو) پہنچے۔ فقر و فاقہ میں زندگی گذارنی شروع کر دی۔ اور خلقِ خدا کو روحانیت سے مالا مال کرتے رہے۔ ایک وقت آیا کہ سلطان فیروز شاہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار نیازمندی کی بادشاہ کو دیکھ کر مزید بے پناہ مخلوق آپ سے فیض یاب ہونے لگی۔ آپ نے ۷۷۶ھ/۷۶۳ھ/۱۳۶۱ء میں وفات پائی

شیخ اسحاق پیر روشن دل	آنکہ در خلق ذات او طاق است
رکن رقم سال رحلتش سرور	آنکہ مشہور جملہ آفاق است
مہدی متقی امیں اللہ!	نیز سردار عالم اسحاق است
۷۷۶ھ ۷۷۶ھ	۷۷۶ھ

جہانگیر اپنی توزک میں گجرات کے سفر کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"چون مزار شیخ احمد کھتو بر سر راہ واقع بود نخست بدانجا رفتہ فاتحہ خواندہ شد کھتو نام قصبہ ایست از سرکار ناگور و مولد شیخ از آنجاست،"

لیکن شیخ کی پیدائش کے معاملے میں جہانگیر کو سہو ہوا ہے۔ آپ کی پیدائش کھتو نہیں بلکہ دہلی کی ہے۔ جیساکہ ابوالفضل نے آئین میں تحریر کیا ہے۔

لقب جمال الدین در دہلی سال ہفت صد وسی و ہفت بزاد۔ از بزرگ زاد ھای آنجاست، مرید و خلیفہ بابا اسحاق مغربی، نام او نصیر الدین علاوہ ازیں۔ شیخ احمد کھتو در سال ہفت صد سی ہفت در دہلی متولد شد۔ سلہ بحرالتواریخ۔

شیخ وجیہ الدین (یوسف ثانی)

جمالی لکھتے ہیں

حضرت شیخ، وجیہ الدین، کو لوگ ان کے حسن وجمال کی وجہ سے یوسف ثانی کہا کرتے تھے وہ فسق و فجور میں مستغرق رہتے تھے اور ہمیشہ شراب پیتے تھے۔ ایک روز سوار ہوکر جارہے تھے کہ ان کا گزر بابا اسحاق مغربی کی خانقاہ کے دروازے سے ہوا۔ بابائے مذکور اپنی خانقاہ کے دروازے پر کھڑے تھے، انہوں نے (شیخ وجیہ الدین احمد) کو دیکھا تو آدھے مثقال کے وزن کا ایک ڈھیلا اٹھا کر شیخ (وجیہ الدین) احمد کے مارا اور کہا کہ اے لڑکے! کب تک فسق و فجور میں مبتلا رہے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ وجیہ الدین احمد بیہوش ہوگئے اور گھوڑے سے زمین پر گر پڑے۔ جب بابا اسحاق نے یہ دیکھا تو ان کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ کچھ دیر کے بعد ان کو خانقاہ کے اندر لائے، تھوڑا سا پانی طلب کیا خود پیا اور بقیہ ان کے منہ میں ڈال دیا۔ شیخ ہوش میں آگئے اور بیعت کرلی اور جو مال ومتاع ان کے پاس تھا وہ سب بابا اسحاق کے سامنے پیش کردیا جو مستحقین میں تقسیم کردیا گیا۔

سلہ (مقالات شیرانی صہ 19/1)

تھوڑے ہی عرصے میں وہ قطب کے درجے پر فائز ہوئے۔ چنانچہ ہندوستان کے اکثر بادشاہ ان کے مرید ہوئے۔ شیخ وجیہ الدین احمد نے شادی نہیں کی وہ پندرہ سال تک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے مجاور رہے اور وہاں سے گجرات آئے۔ سلطان احمد گجراتی کہ جو ایک عالم اور حافظ قرآن تھے ان کے مرید ہوئے۔ اس زمانے میں ان کا مقبرہ شہر احمدآباد کے نزدیک قصبہ سرکھیج میں ہے۔ انکی پائنتی گجرات کے بہت سے بادشاہوں کی قبریں ہیں۔

شیخ احمد کھٹو ملقب بہ گنج بخش
جمال الدین، شہاب الدین

متوفی ۱۰رشوال/۱۴شوال ۸۴۹ ھ

شیخ شہاب الدین احمد بن عبداللہ کھٹوی سرکھیجی رح ۷۳۷ ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور حکمت الہی نے کھٹو میں پہنچایا۔ جو جودھپور کے ضلع ناگور میں کھاٹو نا کے دو موضع ہیں جو ایک دوسرے سے دو تین میل کے فاصلے پر ہیں دونوں میں امتیاز کرنے کی خاطر مشرقی قصبے کو چھوٹی کھاٹو اور مغربی کو بڑی کھاٹو کہتے ہیں کھاٹو جدید تلفظ ہے قدیم صورت کھٹو ہے۔ تمام پرانی کتابوں، فرامین اور کتبوں میں یہ نام بہ صورت، کھٹو، ملتا ہے۔ بڑی کھاٹو کسی زمانے میں نہایت اہم مقام رہا ہے۔ اس میں بہت سی مساجد، مزارات اور دیگر پرانے آثار موجود ہیں، ان میں سب سے قدیم ایک مسجد ہے جو سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ ھ) کے دور سے تعلق رکھتی ہے۔

اسی عہد کا ایک کتبہ بھی موجود ہے ۔ سنگ مرمر کے اس کتبے پر جو عربی میں کندہ ہے رمضان ۶۲۹ھ تاریخ دی گئی ہے ۔ کتبے کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدا میں التمش کے عہد میں کسی تالاب پر نصب کیا گیا تھا ۔ یاد رہے کہ اس علاقے میں پانی کی قلت کے سبب برسات کا پانی بڑے بڑے تالابوں میں محفوظ کیا جاتا ہے ۔ جو سال بھر استعمال ہوتا ہے آجکل یہ کتبہ حضرت اسحاق مغربی کی درگاہ میں جو آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں ۔ موجود ہے انہی حضرت اسحاق مغربی (متوفی ۷۶۳ھ) کے مرید مشہور بزرگ شیخ احمد کھٹو تھے ۔ جن کا مزار سرکھیج (گجرات) میں واقع ہے ۔ یہ اپنے پیر خانے کی نسبت سے کھٹو کہلاتے ہیں ۔ جہانگیر اپنی توزک میں گجرات کے سفر کے سلسلے میں لکھتا ہے ۔

"چوں مزار شیخ احمد کھٹو بر سر راہ واقع بود نخست بدانجا رفتہ فاتحہ خواندہ شد ۔ کھٹو نام قصبہ ایست از سرکار ناگور و مولد شیخ از آنجاست"

لیکن شیخ کی پیدائش کے معاملے میں جہانگیر کو سہو ہوا ہے ۔ آپ کی پیدائش کھٹو نہیں بلکہ دہلی کی ہے جیسا کہ ابوالفضل نے آئین میں تحریر کیا ہے ۔

"لقب جمال الدین در دہلی سال ہفت صد وسی و ہفت بزاد از بزرگ زادہائی آنجاست ۔ مرید و خلیفہ (بابا اسحاق مغربی) نام او لفیر الدین ------"

علاوہ ازیں "شیخ احمد کھٹو در سال ہفت صدسی ہفت در دہلی متولد شد" [۱]

جیسا ہم چاہتے تھے آپ کے حالات نہ مل سکے اسلئے کہ سب سے قدیم تلمیح کتاب مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول میں ملتی ہے جو شیخ احمد کھٹو کے حالات میں نویں صدی ہجری کے وسط کی تالیف ہے ۔ جو حضرت شیخ احمد کے کسی معتقد محمد قاسم نامی نے مرتب کی ہے ۔ اس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں حسینی پیر کے کتب خانے میں موجود ہے [۲] دیگر کتابوں سے ہم نے یہاں کچھ حالات جمع کر دیئے ہیں ۔

[۱] بحرالتواریخ [۲] مقدمہ مقالات شیرانی صفحہ ۱۹،۱۸

شیخ احمد بچپن میں بابا اسحاق تک کیسے پہنچے اس میں روایات مختلف ہیں ایک روایت یہ ہے کہ۔

آپ کے آباء و اجداد دہلی کے باشندے تھے۔ آپ کا بچپن بھی دہلی میں گذرا۔ ایک بار دہلی میں بچوں کے ساتھ آپ کھیل رہے تھے کہ سخت طوفان اور آندھی آئی۔ جو آپ کو وہاں سے کسی اور طرف لے گئی۔ مسافروں کی طرح آپ بے یار و مددگار ہو گئے۔ اس زمانے آپ کسمپرسی کی حالت میں اِدھر اُدھر گھوم کر وقت گذارا کرتے۔ ایک دن بابا اسحاق مغربی سے ملاقات ہو گئی، جو اس وقت کے بڑے کامل درویش تھے۔ وہ آپ کو اپنی قیام گاہ کھٹو میں لے آئے جو اجمیر کے قریب ایک گاؤں ہے۔ اس طرح آپ نے بابا اسحاق مغربی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ۔ صاحب معارج الولایت فرماتے ہیں کہ شیخ احمد کھٹو کے پیر و مرشد بابا اسحاق میرٹھ کی طرف آئے دریائے جون (جمنا) کے کنارے ایک توت کے درخت کے نیچے چند روز یادِ خداوندی میں گذارے اور وہاں سے کھٹو نامی موضع میں آکر مقیم ہو گئے۔ انہی دنوں دہلی میں زبردست طوفان آیا تمام ماحول میں اندھیرا چھا گیا دہلی کا ایک بچہ جسے اس کی دایہ گھر سے باہر لائی ہوئی تھی، تاریکی میں گم ہو گیا۔ اور پھرتا پھرتا ایک ایسے مقام پر آپہنچا جہاں ایک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ صبح قافلے والوں نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا تو اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ اور دوآبہ (پنجاب) کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ بچہ ایک شخص نجیب نسّاج کے ہاتھ آگیا۔ یہ شخص پنجاب کے ایک قصبے دہند وانہ سے روئی کی تجارت کو دہلی گیا ہوا تھا چنانچہ وہ بچے کو اپنے گھر لے آیا۔ اتفاقاً مولانا شہاب الدین ہمدانی کے پوتے مولانا صدر الدین اسی گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔ وہ جناب ابو اسحاق کو ملنے کے لئے کھٹو گئے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ اگر بچہ اس شکل و صورت کا ملے تو میرے لئے لانا۔

اس نصبہ میں آپ نے جب اس بچے کو غور سے دیکھا تو وہ واقعی اسی شکل وصورت کا تھا۔ جس کی خواہش حضرت شیخ اسحاق نے کی تھی۔ چنانچہ آپ نے نجیب نساج سے وہ بچہ لیا اور حضرت کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اسے اپنی فرزندی میں رکھ کر پرورش کی اور اس کا نام شیخ احمد رکھا۔

ان دنوں اس بچے کی عمر چار سال تھی جو بعد میں شیخ احمد کھٹو کے نام سے مشہور ہوئے شیخ احمد بارہ سال کی عمر کے ہوئے تھے کہ حضرت اسحاق نے انہیں دہلی میں بزرگان چشت کے مزارات کی زیارت کے لئے ساتھ لیا شیخ احمد کے بھائی نے انہیں پہچان لیا اور کہا یہ تو میرا بھائی ملک نصیرالدین ہے۔ وہ سیاہ اندھیری میں گم ہوگیا تھا۔ اس وقت آپ کے والدین ابھی تک زندہ تھے انہوں نے اصرار کیا مگر بچے نے شیخ اسحاق سے جدا ہونا قبول نہ کیا۔ ان دنوں مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ اوچ شریف سے دہلی میں قیام پذیر تھے۔ سلطان فیروزشاہ اور دوسرے امرائے سلطنت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

شیخ اسحاق نے اپنے بیٹے شیخ احمد کو کہا۔ اگر تم چاہو تو تمہیں مخدوم جلال الدین جہانیاں سے بیعت کرالوں انہوں نے کہا کہ میں آپ کا مرید ہوں آپ ہی میرے مخدوم ہیں۔ مجھے نئی جگہ بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ بچے کی بات سنکر شیخ اسحاق بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان کے شہنشاہ تمہارے دروازے پر حاضری دیا کریں گے۔

شیخ اسحاق کی محبت کا یہ عالم تھا کہ شیخ احمد کھٹو کو ایک لمحہ کے لئے نہیں بھولتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شیخ احمد کو بھی حسن وجمال سے نوازا تھا کہ جو بھی آپ کو دیکھتا بے اختیار ہوجایا کرتا تھا۔ اور آواز میں بڑی جاذبیت تھی۔ شیخ احمد کی عمر بیس سال ہوئی تو شیخ اسحاق نے آپ کو لباس خلعت سے نوازا اور خرقہ خلافت کے ساتھ

ساتھ اپنے پیرانِ کرام کے تبرکات اور روحانی اما نتوں سے بھی نواز دیا اور خود فوت ہوگئے[۱]

بابا اسحاق مغربی کا سلسلہ شیخ ابو مدین مغربی سے جاکر ملتا ہے اور یہ اس قدر عالی سلسلہ ہے کہ صرف پانچ بزرگوں کے واسطہ سے سید الکونین فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے کیونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے سلسلہ کے تمام بزرگوں کی عمریں ڈیڑھ سو برس سے زائد تھیں۔

سفرِ حج

آپ کے پیر و مرشد حضرت بابا اسحاق مغربی کا وصال بعمر ۱۱۶ / ۱۱۱ ر ۷۷۶ھ/۷۶۲ھ میں ہوا۔ ان کا مزار کھٹو میں مرجع خواص و عوام ہے۔[۲]

پیر و مرشد کی رحلت کے بعد ۷۸۳ھ میں آپ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ حج سے فراغت پر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ جب قافلہ مدینہ منورہ کی سرحد میں داخل ہوا۔ اور گنبد خضرا کا نظارہ ہوا تو آپ پر والہانہ کیفیت طاری ہوئی اونٹ سے اتر گئے اور پیادہ درود شریف کا ورد کرتے ہوئے اور نعتیہ اشعار پڑھتے ہوئے دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔

حجاز سے واپسی

حجاز سے واپسی پر حضرت ٹھٹھہ ہوتے ہوئے اُچھ پہنچے اور وہاں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ اُچھ سے آپ کھٹو پہنچے۔ پھر آپ دہلی تشریف لے گئے اور مسجد خانجہاں میں آپ نے قیام فرمایا۔

مسجد خانجہاں میں

مسجد خانجہاں میں آپ کا زیادہ وقت مراقبہ، ذکر و فکر اور تحصیل میں گذرا۔ عبادت و ریاضت میں ایسے مشغول ہوئے

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۹۵۔ گلزار ابرار صفحہ ۱۴۲۔ اخبار الاخیار۔ تذکرہ اولیائے پاک و ہند صفحہ ۱۹۵۔ تذکرہ صوفیائے میوات۔ نزہۃ الخواطر صفحہ ۴۵ ج ۱۹۔ [۲] تاریخ صوفیائے گجرات۔

کہ دن بھر روزہ سے رہتے۔ اور شام کو کھلی کے ایک ٹکڑے سے روزہ افطار فرماتے۔ اور جب چلہ کشی شروع فرمائی تو شیخ عبدالحق رح فرماتے ہیں کہ چالیس روز میں صرف ایک کھجور کھایا کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت دہلی تشریف لائے۔ جب انکو معلوم ہوا کہ آپ مسجد خانجہاں میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو آپ سے ملاقات کے لئے پہنچے۔ اور آپ کو بڑی دعائیں دیں۔

تیمور کا حملہ

۱۳۹۸ء میں تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ دہلی پہنچ کر اس نے تخت و تاج پر قبضہ کیا۔ اس وقت دہلی کا بادشاہ محمود تغلق تھا۔ تغلق دہلی چھوڑ کر گجرات چلا آیا شیخ احمد کھٹو اس وقت دہلی میں مقیم تھے۔ تیمور کی فوج نے لوٹ مار کرکے بہت سے لوگوں کو گرفتار بھی کر لیا۔ ان لوگوں میں آپ بھی تھے تیمور کو جب بزرگی اور کرامات کی خبر پہنچی تو اس نے آپکی رہائی کا حکم دے دیا۔ اور سواری بھیج کر اپنے پاس بلا لیا۔

آپ نے تیمور سے قیدیوں کی رہائی کے لئے کہا اور لوٹ مار اور قتل و غارت گری بند کرنے پر زور دیا۔ تیمور نے آپ کی بات مان لی اور آپ سے متاثر ہوا بلکہ معتقد ہوگیا۔[1]

سفر سمرقند

تیمور کی درخواست پر آپ اس کے ساتھ سمرقند پہنچے سمرقند میں کچھ دن قیام کے بعد ہندوستان لوٹے۔ ہندوستان آتے ہوئے بلخ، ہرات، اور قندھار بھی تشریف لے گئے۔ قندھار کے گورنر نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ اور آپ سے قندھار میں قیام کی درخواست کی لیکن آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ وہاں سے آپ ملتان تشریف لائے اور ملتان سے پٹن پہنچے۔

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات۔

پھر آپ نے سرکھیج میں سکونت اختیار فرمالی اور تادم حیات یہیں مقیم رہے۔

اخبار الاخیار میں آپ کی گجرات تشریف آوری کا حال اس طرح لکھا گیا ہے کہ ظفر خاں جو فیروز شاہ کی حکومت کی طرف سے نہروالہ کا حاکم تھا۔ جو سلطان مظفر کے لقب سے مشہور ہوا، اس نے آپ کو دہلی کی اقامت کے دوران تعلقات کی بنا پر مجبور کیا کہ آپ گجرات تشریف لائیں اور یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائیں چنانچہ آپ تشریف لائے۔ اور سرکھیج میں رہنے لگے [1]

سلطان مظفر خاں کی وفات کے بعد ان کے پوتے سلطان احمد تخت نشین ہوئے وہ بھی شیخ احمد کے مرید ہو گئے تھے۔ ایک دن سلطان احمد نے التماس کی کہ حضور مجھے حضرت خضر سے ملائیے۔ آپ نے فرمایا میں حضرت خضر سے پوچھتا ہوں۔ اگر وہ مان گئے تو بہتر انہوں نے پوچھا تو حضرت خضر نے کہا۔ انہیں چالیس دن تک عبادتِ خداوندی میں رہنا چاہیئے سلطان ایک ماہ تک چلہ میں رہے پھر حکم ہوا کہ دو چلے مزید کاٹیں، تین چلے مکمل کر لیئے گئے تو سلطان احمد حضرت شیخ احمد کے حجرے میں بیٹھے تھے کہ نماز صبح کے بعد حضرت خضر تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو سلطان احمد نے درخواست کی حضور مجھے عجائباتِ دنیا سے کوئی حیران کن چیز دکھائیں۔ آپ نے فرمایا۔ دریائے سابرمتی کے کنارے پر جہاں آج کل صحرا ہے ایک شہر آباد تھا۔ اس شہر کا نام تھا باداں باد وہاں کے لوگ بڑے خوش حال اور امیر تھے ایک دن مجھے بھوک لگی میں اس شہر میں گیا۔ ایک حلوہ فروش کی دکان پر پہنچا اور تیس تنکہ دیکر حلوہ خریدنا چاہا دکاندار نے مجھے دیکھتے ہی کہا تم مجھے درویش دکھائی دیتے ہو میں تم سے پیسے نہیں لونگا۔ ہاں حلوہ جس قدر چاہو کھالو۔ کچھ عرصہ بعد میں پھر وہاں سے گذرا تو وہاں شہر، شہر والوں ، بازاروں اور محلات کا نام ونشان نہیں تھا۔ ان کھنڈرات پر ایک ڈیڑھ سو

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۲۴۴۔

سالہ بوڑھا بیٹھا نظر آیا۔ میں نے اس سے شہر کے حالات دریافت کیے تو کہنے لگا شہر کا حال تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔ ہاں میں نے اپنے بوڑھوں سے سنا ہے کہ یہاں ایک شہر تھا۔ جس کا نام باداں باد تھا۔ سلطان نے حضرت خضر سے اجازت لی کہ اگر آپ چاہیں تو میں اسی مقام پر ایک شہر آباد کرنے کا حکم دوں۔ حضرت خضر نے کہا۔ ہاں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن ایک شرط یہ ہے کہ سارے ملک سے ایسے چار اشخاص لائے جائیں جن کا نام احمد ہو۔ اور انہوں نے اپنی (شعوری) عمر میں نماز عصر کی سنتیں بھی قضا نہ کی ہوں اور وہ اس شہر کا سنگ بنیاد رکھیں۔ اور اس کا نام احمد آباد رکھا جائے۔ چنانچہ چار ایسے آدمی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا۔ سارے ملک گجرات میں صرف دو اشخاص احمد نامی ملے۔ ایک قاضی احمد اور دوسرے ملک احمد تھے۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ملتا۔

حضرت شیخ احمد نے فرمایا تیسرا شخص احمد میں ہوں۔ سلطان احمد یہ سنکر کہنے لگا چوتھا احمد میں ہوں۔ مجھ سے آج تک عصر کی سنتیں قضا نہیں ہوئیں چنانچہ چاروں ملکر دریائے سابرمتی کے کنارے پہنچے حضرت خضر نے جس جگہ کی نشان دہی کی تھی وہاں بتاریخ ۷ ذیقعدہ ۸۱۳ھ احمد آباد کی بنیاد رکھی۔ اطراف میں تین سو ساٹھ پورے بنائے گئے، ہر ایک پورہ ایک مکمل شہر تھا۔ جیسا کہ صرف عثمان پورہ میں جو تین سو ساٹھ میں سے ایک تھا۔ اس میں صرف کاریگروں کی دوکانیں دس بارہ ہزار تھیں۔ [1]

مرآۃ سکندری میں لکھا ہے کہ گجرات کے سلطان احمد نے احمد آباد کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تعمیر کا آغاز ذیقعدہ ۸۱۳ھ / ۱۴۱۱ء اور اختتام ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۴ء میں ہوا۔ احمد نام کے چار آدمیوں نے اس کی بنیاد رکھی یعنی قطب المشائخ شیخ احمد کھٹو۔ سلطان احمد رسی کا ایک سرا سلطان نے پکڑا اور دوسرا سرا شیخ

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۲۹۸۔

احمد نے) شیخ احمد اور ملا احمد۔ اسی سلطان نے ۱۴۱۴ء/۸۱۶ھ میں مانک چوک کے قریب ایک عظیم الشان مسجد بنوائی۔ جس میں "ملوک خانہ" کے علاوہ تین سو باون ستون تھے۔ دروازۂ ملوک خانہ میں بارہ "تخت ملوک خانہ" میں آٹھ اور جنوبی و شمالی بازوؤں میں دو سو بارہ ستون تھے۔ اور اسی طرح دیگر بہت سے ستونوں کے علاوہ ۹۸ گنبد تھے۔
محمود ثانی کے زمانے میں دستور تھا کہ ربیع الاول کی یکم سے بارہویں تک علماء وصلحاء اور مشائخ وغیرہ ان کے دربار میں حاضر ہوتے۔ بخاری شریف کا درس وغیرہ ہوتا۔ بارھویں کو سلطان خود آنے والوں کی خدمت کرتے۔ ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالتے اور وزیر طشت پکڑے رہتے۔ اس روز بہت زیادہ نقدی اور پارچہ انعام میں دیا جاتا۔[۱]
اسی طرح ۸۱۰ھ/۸۱۳ھ میں شہر احمد آباد کا سنگ بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔

شیخ احمد کھٹو جب سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھا۔ ان بزرگ نے آپ کو آواز دی آپ اُن کے پاس گئے تھوڑی دیر تک دونوں بزرگ بیٹھے رہے۔ پھر آپ ان بزرگ سے اجازت لے کر رخصت ہوئے اور پھر احمد آباد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ احمد کھٹو سے کسی خادم نے دریافت کیا کہ وہ بزرگ کون تھے حضرت نے بتایا وہ حضرت خضر تھے انہوں نے فرمایا ہے کہ جاؤ بنیاد رکھو بہت اچھا شہر ہو گا۔
[۲] شہر کی تاسیس کے بعد ۸۱۲ھ میں احمد آباد کی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا جس کی تاریخ ان کلمات سے نکلتی ہے۔ "خیر و بخیر"

---

[۱] مرآۃ سکندری، صفحہ ۲۴، ۲۵، ۲۷، ۲۸۔ بحوالہ تاریخ ادبیات ص ۵۴۹ ج ۴
[۲] تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ تاریخ سلاطین گجرات۔

سلاطین سے تعلقات

شیخ احمد کھٹو نے دہلی اور گجرات کے کئی سلاطین و بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ فیروز تغلق، غیاث الدین تغلق، ابوبکر تغلق، ناصر الدین تغلق، محمود تغلق یہ سارے شاہان دہلی حضرت کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ گجرات کے بادشاہوں میں بھی سلطان مظفر شاہ، احمد شاہ اور سلطان محمد آپ کے معتقد تھے بلکہ احمد شاہؒ نے تو حضرت کے ہاتھ پر بیعت بھی کرلی تھی۔ ؎۱

شیخ احمد کھٹو کی سوانح

محمود بن سعید ایرجی نے تحفۃ المجالس کے نام سے آپ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ ساتھ ساتھ سوانح وکوائف بھی۔ اس کتاب میں آپکی عبادت و ریاضت کشف وکرامات اور تبحر علمی کے بہت سے واقعات مرقوم ہیں۔ چند واقعات درج ذیل ہیں۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ یہ فقیر جب زیارت خانہ کعبہ کے ارادہ سے جہاز پر سوار ہوا۔ تو ایک دن وضو کرنے میں اتفاق سے پاؤں پھسل گیا اور میں سمندر میں جاگرا۔ گرتے ہی یا حافظ یا حفیظ یا رقیب یا وکیل یا اللہ کا ورد کرتا رہا میں پانی کی سطح پر تھا اور یہ وظیفہ زبان پر تھا اتنے میں مجھے اپنے پاؤں کے نیچے پتھر سا معلوم ہوا میں اس پر کھڑا ہوگیا۔ پانی کمر تک تھا میں نے ان اسمار مبارکہ کا ورد برابر جاری رکھا اسکے بعد ملاحوں نے مچھلی کی طرح اوپر اٹھا لیا۔ اس کے ساتھ ہی شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر حج کیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ میں ہمارے ساتھ امام خانجہاں اور شیخ تاج الدین سرکھیجی کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ہم مسجد نبوی میں تھے

؎۱ تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ ہسٹری آف گجرات۔ توزک جہانگیری ص۴۹۔

ساتھیوں نے کہا کھانے کا انتظام کرنا چاہیئے میں نے کہا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوں۔ وہ لوگ باہر گئے اور کھانے سے فارغ ہوکر واپس آئے۔ ہم نے ایک ساتھ عشار کی نماز پڑھی نماز پڑھکر وہ حضرات سو گئے اور میں تسبیح میں مشغول ہوگیا۔ ناگہاں آواز آئی رسول اللہ کا مہمان کون ہے؟ میں نے خیال کیا کسی اور کو آواز دی جارہی ہے پھر دوسری اور تیسری مرتبہ جب یہ آواز آئی تو میں یہ سمجھا کہ یہ آواز مجھے دی جارہی ہے میں اٹھا اور اس کے سامنے آگیا دیکھا کہ وہ شخص ایک طبق ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ میں نے دامن پھیلا دیا اس نے کھجوریں میرے دامن میں ڈال دیں اور طبق لے گیا وہ کھجوریں میں نے کھائیں وہ اتنی لذیذ اور میٹھی تھیں کہ اس کا بیان نہیں ہوسکتا کھجوریں کھاکر سوگیا۔ رات کو ایک خواب دیکھا اور یہی خواب میرے ساتھیوں نے دیکھا کہ:

ایک نہایت پر فضا مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تشریف فرما ہیں اور ایک عورت زیور سے آراستہ وہاں موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کو قبول کرلو میں نے عرض کیا کہ بابا (اسحاق) نے قبول نہیں کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیطرف اشارہ کرکے فرمایا "یہ تمہارے باپو ہیں میں نے دیکھا تو حضرت علی اپنی انگلی دانتوں میں دبائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ بابا احمد رسول اکرم ؐ کے حکم کی تعمیل کرو" اور اس عورت کو قبول کرلو۔ چنانچہ میں نے اس عورت کو قبول کرلیا شیخ احمد کھٹو فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ عورت دنیا کی صورت مثالی تھی۔ آج جو ہمارے یہاں دنیا کی بہتات ہے وہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ

علیہ وسلم کا صدقہ ہے۔

مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت ہم تینوں ساتھی آخری سلام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے۔ روضہ مبارک کے خدام دس گز کے فاصلے پر ہاتھوں میں کالے دستانے چڑھائے کھڑے تھے مجھ سے کہا یہ عمامہ لو میں نے جواب دیا ہمارے مرشد نے عمامہ نہیں باندھا وہ ٹوپی پہنتے تھے۔ اس پر خدام نے کہا رات خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ آپ کو دس گز کپڑا عمامہ باندھنے کے لئے دیا جائے اور ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ احمد شاہ کو ہمارا حکم ہے کہ یہ عمامہ اپنے سر پر باندھ لے اور مخلوق خدا کو اسلام کی دعوت دے۔ چنانچہ وہ کپڑا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطیہ تھا میں نے ہاتھ میں لیا اس کو چوما اور سر پر باندھ لیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دہلی کی مسجد خانجہاں میں رہ کر پہلے سے زیادہ ریاضت و عبادت اور مجاہدہ کیا جائے اسی اثنا میں سیّد جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کو بھی یہ ندائے غیبی سنائی دی کہ ایک جوان صالح دہلی کی مسجد خانجہاں میں مشغول عبادت ہے اور بہت ہی ریاضت کر رہا ہے چنانچہ جب ہم حج سے واپس آئے تو مسجد خانجہاں میں سید جلال الدین میری ملاقات کو تشریف لائے وہ مسجد کے قریب پہونچے تو ان کے ایک معتقد نے آکر مجھے اطلاع دی کہ مخدوم جہانیاں آپ سے ملنے کیلئے آرہے ہیں میں فوراً اٹھا اور مسجد کے دروازہ پر پہونچا وہ پالکی پر سوار تھے پالکی سے اترے اور نہایت شفقت و پیار سے مجھے گلے لگایا دیر تک سینے سے لگائے رکھا پھر پالکی میں بیٹھ کر واپس تشریف لے گئے۔ ایک جگہ سفر کا تذکرہ ہے

فرماتے ہیں اس فقیر نے بلا کسی رفیق اور ساماں کے تنہا سفر کیا ہے اور پورے
گیارہ سال تک برہنہ پا جس شہر اور قصبہ میں جاتا وہاں کی مسجد میں رات
بسر کرتا ۔ یہ سفر اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اور ریاضت و مجاہدہ کے سلسلہ میں
ہوتے تھے ایک دن فرمایا فقیروں کی مجلس میں آنا آسان ہے مگر وہاں سے
اپنے کو صحیح سالم واپس لیجانا مشکل ہے ۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ایک دفعہ سمرقند کی مسجد میں جا پہنچا وہاں ایک
فقیہہ طلبہ کو پڑھا رہا تھا میں فقیروں کی سی ٹوپی اور درویشوں کے لباس
میں تھا ۔ طلبہ سے دور ہو کر بیٹھ گیا ایک طالب علم حسامی پڑھ رہا تھا ۔
اس نے غلط اعراب پڑھے ۔ میں نے آواز سے کہا کہ "اعراب غلط میخوانی" میری
آواز سنتے ہی فقیہہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھ سے ملا ۔ وہاں سے اٹھ کر اپنی مسندِ
درس کے قریب لے گیا ۔ علم اصول کے بارے میں مجھ سے کچھ سوالات پوچھے
میں نے صحیح جواب دیا ۔ میری علمی جانچ کر کے مجھ سے بولا ۔ اس علم کے
باوجود یہ معمولی کپڑے اور فقیروں سی ٹوپی کیوں پہن رکھی ہے میں نے جواب دیا ۔

اگر عمدہ کپڑے پہنوں تو نفس بدخوئی کی طرف مائل ہو جائے گا اس لئے
اس فقیر نے اپنے آپ کو اس لباس میں چھپا رکھا ہے ۔ ایک مرتبہ آپ نے
فرمایا کہ ایک دفعہ بہت بڑا تاجر تقریباً تیس سیر مصری اور مشک کا ایک نافہ
ہمارے پاس اس زمانے میں لایا جب کہ ہم مسجد خانجہاں میں تھے میں نے اُن سے
پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کب سے جانتے ہیں اس نے جواب
دیا کہ میں شیخ نور کا مرید ہوں جو پنڈوہ میں رہتے ہیں اور میں اس وقت وہیں سے
آرہا ہوں اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ دہلی آچکا ہوں گذشتہ دنوں دہلی سے
سامان تجارت کی خرید و فروخت کے بعد شیخ نور کی خدمت میں حاضر ہوا

تو انہوں نے پوچھا کہ دہلی میں کن کن مشائخ سے ملاقات کی ؟ میں نے جن بزرگوں سے ملاقات کی تھی سب کے نام بتا دیئے۔ شیخ نے دریافت فرمایا کہ شیخ احمد کھٹو سے بھی ملے۔ چونکہ آپ سے نہیں ملا تھا اس لئے خاموش ہوگیا شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ کھٹو سے نہیں ملے تو آپ کا دہلی جانا بالکل بے کار ہے اس کے بعد پریشانی کی حالت میں وہاں سے روانہ ہوا اور شیخ کے حکم کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

اس کے بعد فرمایا اس شخص کے پیر شیخ نور سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی لیکن انہوں نے اپنے کشف سے جو خدا کی ایک خاص نعمت ہے مجھے خود ہی پہچان لیا شیخ احمد کھٹو کے مرید محمود بن سعید ایرجی اپنی کتاب تحفۃ المجالس میں لکھتے ہیں کہ سلطان فیروز کو بھی شیخ کھٹو سے بہت عقیدت و محبت تھی۔ امیر تیمور کے دہلی آنے سے پندرہ دن قبل شیخ نے اپنے کچھ مریدوں اور خود سلطان فیروز کو اس کے دہلی پر قابض ہونے کی خبر دیدی تھی۔ چنانچہ سلطان فیروز شیخ کی پیشن گوئی کیوجہ سے دہلی چھوڑ کر جونپور چلا گیا۔ شیخ کو بھی فیروز نے ساتھ چلنے کو کہا مگر آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو دہلی والوں ہی کے ساتھ رہنا ہے بالآخر شیخ اور آپ کے کچھ متعلقین مغلیہ فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے آپکی بزرگی اور عظمت کی جب امیر تیمور کو اطلاع ہوئی تو اس نے ان تمام لوگوں کو جو شیخ کے ہمراہ گرفتار ہوئے تھے بڑی عزت و ادب سے رہا کر دیا۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ چالیس فقیر جیل میں قید تھے غیب سے روزانہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس چالیس گرم گرم روٹیاں بھیجدیا کرتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ میں ننگے پاؤں اور بلا کسی ساز و سامان کے سفر کیا کرتا تھا اور کسی شہر یا بستی میں پہونچکر رات مسجد میں گذارا کرتا تھا خدا تعالیٰ نے

اپنے فضل وکرم سے مجھے احتلام سے بھی محفوظ رکھا۔ میں ہمیشہ عشار کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا رہا سفر میں بھی روزے رکھتا اور اتنی ریاضت کرتا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا اگرچہ سفر میں مشقتیں اور تکلیفیں بے شمار ہوتی ہیں لیکن میرا دل ہمیشہ مسرور رہتا تھا میں برہنہ پا اور پیادہ اس لئے سفر کرتا تھا کہ حدیث شریف ہے وامشوا حفاۃً عراۃً ستروں اللہ جھرۃ ای عیانا۔ شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ شیخ احمد کھٹو کے یہاں فقرا امرار وسلاطین ہر ایک کے لئے دسترخوان وسیع تھا۔

صاحب تحفۃ المجالس لکھتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد نے مولانا محمد قاسم رح سے کہا کہ تم فلاں گاؤں چلے جاؤ۔ قصّہ یہ تھا کہ مولانا نماز تراویح میں تمام قرآن سن چکے اور صرف سبح اسم ربك کے بعد والا حصہ رہتا تھا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ آج رات قرآن سنکر صبح سویرے فلاں کام کے لئے فلاں جگہ روانہ ہو جاؤنگا شیخ احمد نے فرمایا کہ مولانا آپ ابھی فلاں گاؤں چلے جائیں مگر مولانا اس خیال سے خاموش رہے کہ اگر نفی میں جواب دیتا ہوں تو شیخ ناراض ہو جائیں گے اور اگر چلا جاتا ہوں تو قرآن کریم پورا نہ سن سکونگا چنانچہ شیخ نے پھر حکم دیا کہ آپ فلاں گاؤں ابھی چلے جائیں۔ شیخ کے اس حکم پر مولانا سلام کر کے اس گاؤں کی جانب روانہ ہو گئے جہاں ان کو جانا تھا۔ اس گاؤں کا نام قصبہ دھولکہ تھا چنانچہ مولانا قصبہ دھولکہ پہنچے تو اسوقت عشار کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لئے وضو کر کے فوراً مسجد میں چلے گئے۔ امام کے ساتھ عشار کے فرض پڑھے پھر نماز تراویح شروع ہوئی تو امام نے سورہ سبح اسم ربك ہی سے پڑھنا شروع کیا اور مولانا کا قرآن ختم ہو گیا۔ پھر مولانا کام سے فارغ ہو کر اس گاؤں سے واپس آئے اور شیخ کی

خدمت میں عرض کیا کہ حضرت معاف فرمائیں میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں ذرا تامل اس لئے کیا تھا کہ مجھے اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں تمام قرآن سننے کی سعادت سے محروم نہ رہوں۔ شیخ احمد نے فرمایا کہ مولانا! تمہارے کسی دنیاوی کام کی وجہ سے شیخ دینی کام میں نقصان واقع نہیں ہونے دیگا۔

وصال حضرت شیخ احمد کھٹو ایک طویل مدت رشد و ہدایت فرماتے رہے جب زندگی کے ایک سو گیارہ سال ہوئے تو خدا کی طرف سے بلاوا آگیا۔ چنانچہ ۱۴ر شوال ۸۴۹ھ کو واصل بحق ہوئے آپ کا وصال محمد شاہ کے زمانہ میں ہوا۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ احمد کی عمر شریف ایک سو سے تجاوز کر گئی تھی آپ نے صلاح الدین کو جو راجپوتوں کا ایک لڑکا تھا اور بچپن سے آپ کی زیر تربیت رہا تھا۔ اپنا جانشین بنایا، خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ آپ ایک سو گیارہ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔

شرح جلال اور معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۷۳۸ھ میں ہوئی تھی اور ایک سو گیارہ سال کی عمر میں بروز جمعرات دس شوال ۸۴۹ھ میں فوت ہوئے۔ یہ زمانہ سلطان محمد بن سلطان احمد بادشاہ گجرات کا تھا۔

صاحب معارج الولایت نے آپ کا سن ولادت مخدوم الاولیاء (۷۳۸ھ) اور سن وصال قطب الاولیاء (۸۴۹ھ) اور سن عمر قطب (۱۱۱ھ) سے نکالا ہے۔ احمد آباد سے قریبی فاصلہ پر آپ کا مزار پر انوار موضع سرکھیج میں واقع ہے۔ ؎

شیخ احمد بود مرغوب خدا ۔۔۔ رہنمائے حق فقیر بے نظیر
امجد آفاق (۷۳۸ھ) احمد مجتبیٰ (۷۳۸ھ) ۔۔۔ سرور دین مصرع تولیدش بگیر[1]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۰۰۔

خطۂ پاک اوچ میں تحریر ہے کہ۔

حضرت گنج احمد مغربی گجرات کے نامور بزرگان طریقت میں سے تھے۔ آپ بابا اسحاق مغربی کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح کے ہمعصر تھے۔ بظاہر یہ قرین قیاس ہے اس لئے کہ حضرت معین الدین اجمیری رح کی وفات ۶۳۲ ھ میں اور بابا اسحاق مغربی کی ۷۶۲ ھ میں وفات ہے اور عمر ڈیڑھ سو برس ہوئی تو گویا ۵۸۷ ھ میں ولادت ہوئی۔ اس لئے بابا اسحاق انہی کے مشورہ سے کھٹو میں قیام پذیر ہوئے۔ بابا اسحاق مغربی کا مزار کھٹو ضلع ناگور میں ہے۔ جو ایک قدیم تاریخی قصبہ ہے۔ مزار پر خط کوفی میں کتبہ لگا ہوا ہے۔ مغربی سلسلہ کے بزرگوں نے بڑی طویل عمریں پائی۔ حضرت گنج احمد مغربی کی عمر بھی ڈیڑھ سو یا ایک سو گیارہ برس کے لگ بھگ ہوئی۔ انہوں نے دہلی کے زمانہ قیام میں حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔ حضرت گنج احمد مغربی رح کو یہ خصوصی امتیاز بھی حاصل ہے کہ ان کے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف چھ واسطوں سے نسبت ہے۔ (اخبار الاخیار)

آپ کے بارے میں یہ عام شہرت ہے کہ علم کیمیا کے زبردست ماہر تھے۔ حضرت گنج احمد مغربی حضرت قطب العالم کے ہمعصر بزرگوں میں سے تھے۔ عمر بھر مجرد رہے ان کا مزار احمد آباد سے سات کوس کے فاصلے پر سرکھیج نام کی بستی میں ایک پر فضا مقام پر واقع ہے۔ مزار پر حاضری سے ایک خاص روحانی کیف و سرور حاصل ہوتا ہے اور طمانیت قلب کا احساس دل و دماغ پر چھا جاتا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مزار کسی ولی کامل اور عارف باللہ کا ہے۔ [1]

---

[1] خطۂ پاک اوچ صفحہ ۲۹۵۔

گجراتیوں کی مرغوب غذا کھچڑی

سلطان احمد شاہ اول کے عہد میں مسلمانوں میں کھچڑی کا رواج ہو گیا تھا۔ ۸۱۲ھ احمد آباد اور کاٹھیاواڑ میں رات میں کھچڑی کھائی جاتی تھی۔ اور سورت میں دن میں رات میں کھانے کا دستور قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ احمد شاہ اول اور شیخ احمد کھٹو دونوں رات ہی میں کھچڑی کھاتے تھے۔ [1]

عرف بابو کا قدیمی استعمال

محمود بن سعید ایرجی کی "تحفۃ المجالس" کے ایک اقتباس سے جو "اخبار الاخیار" میں منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمد کھٹو (متوفی ۸۴۹ھ) اپنے مرشد شیخ اسحاق مغربی کو "بابا جیو" اور "بابو جیو" کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ [2]

جہانگیر بادشاہ کی شیخ احمد کھٹو کے مزار پر حاضری

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں۔

۴ ماہ بہمن ۱۰۲ھ ۱۶۱۷ء کو مبارک شنبہ جمعرات کے دن باغ فتح کی سیر کیلئے گیا جو موضع سیر خیر میں واقع ہے۔ راستے میں ایک ہزار پانچ سو روپے نچھاور کئے چونکہ شیخ احمد کھٹو کا مزار سرِراہ واقع تھا اس لئے وہاں حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ کھٹو ایک قصبہ کا نام ہے جو سرکار ناگور میں واقع ہے۔ یہی قصبہ شیخ احمد کھٹو کی پیدائش گاہ ہے۔ شیخ سلطان احمد کے زمانے میں تھے جس نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی تھی۔

سلطان احمد، شیخ سے نہایت عقیدت و اخلاص رکھتا تھا۔ اس علاقے کے لوگ بھی ان سے نہایت عقیدت رکھتے ہیں اور انہیں اکابر اولیاء میں شمار کرتے ہیں۔ ہر جمعہ کی شب میں ان کے مزار پر شریف و ذلیل ہر قسم کے لوگ کثرت سے

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۱۶۲۔ [2] مقالات شیرانی ج ۱ ص۱۴۵۔

ان کے مزار کی زیارت کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔ سلطان محمود کے بیٹے سلطان احمد نے شیخ کے مقبرے و مسجد اور خانقاہ کی عالی شان عمارتوں کی بنیاد رکھی تھی۔ اور مقبرے کے متصل جنوبی حصے میں ایک بڑا تالاب بنوایا تھا۔ تالاب کے گرد و پیش کو پتھر اور چونے سے پختہ کیا تھا۔ یہ عمارتیں محمود کے بیٹے قطب الدین کے زمانے میں مکمل ہوئیں۔ تالاب کے کنارے شیخ کے مزار کی پائنتی میں گجرات کے سابقہ بادشاہوں کے مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کے اندر سلطان محمود بیگڑہ اور اس کا بیٹا سلطان مظفر اور اس کا پوتا محمود شہید، جو سلاطین گجرات کا آخری فرمانروا تھا ابدی نیند سو رہے ہیں۔ سلاطین گجرات کے مقبرے کے قریب ان کے امراء کے گنبد ہیں۔ بلاشبہ شیخ احمد کھٹو کے مقبرے کی عمارت نہایت عالی شان اور اس کا محل وقوع نہایت نفیس ہے۔ تقریباً پانچ لاکھ روپے اس عمارت پر صرف ہوئے ہونگے [۱]۔ واللہ اعلم بالصواب

آپ کا مدرسہ شیخ احمد کھٹو کی متوفی ۸۴۹ھ - ۱۴۴۵ء نے سرخیز (سرکھیج) میں خانقاہ، مسجد، اور تالاب بنوایا تھا۔ وفات پانے پر محمد شاہ دوم نے ان کا مقبرہ اور مدرسہ وغیرہ بنوایا اس کے ساتھ طلبہ کے رہنے کے لئے ایک دارالاقامہ بھی تھا جو عرصہ تک قائم رہا۔ ۱۹۲۱ء تک اس کے حجروں کے آثار موجود تھے۔

محمود اور ان کے لڑکے مظفر کے عہد میں حسن العرب اس مدرسہ کے افسر اعلیٰ تھے۔ [۲]

آپ کا کتب خانہ سرکھیج میں شیخ احمد کھٹو کی مستقلاً قیام پذیر تھے جہاں اپنی زندگی میں انہوں نے مسجد، تالاب اور خانقاہ تعمیر کرائی۔ محمد شاہ نے آپ کے بعد اسی جگہ مقبرہ اور ایک مدرسہ بنوایا جس میں کتب خانہ بھی رہا ہوگا۔ لیکن شیخ احمد کھٹو کی کے پاس اپنا ذاتی کتبخانہ بھی تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر حدیث کی کتاب مصابیح

[۱] توزک جہانگیری صـ ۲۴۳ - ۲۴۴ [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ مسلمانوں کے عہد میں صـ ۱۲۵

اپنے کتب خانہ سے نکال کر حاضرینِ مجلس کو ایک حدیث سنائی تھی ۔ [۱]

مرقاۃ الوصول میں ہے کہ قاضی عبدالرزاق مبارک ابوالحی جو آپ کے مخلص ملازموں میں سے تھے وہ اس کتب خانہ کے ناظم اور کاتب تھے ۔ لوگ ان کو قاضی بڈھ مبارک بھی کہتے تھے ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں اتنی زیادہ کتابیں تھیں کہ اس کے انتظام کے لئے ایک مستقل ناظم اور کاتب رکھنا پڑا ۔ حضرت شیخ کتابوں کے مطالعہ کے بڑے شائق تھے ۔ [۲]

مرآۃ احمدی میں سابقہ مذکورہ احوال سے کچھ مختلف حالات ذکر کئے گئے ہیں ۔ لکھا ہے کہ مخدوم شیخ احمد کھٹو جو گنج بخش کے لقب سے مشہور ہیں ۔ اسی طرح آپ کو گنج گیر بھی کہا جاتا ہے ۔ آپ کو باطنی نعمت حضرت بابا اسحاق سے ملی ۔ جن کے آپ مرید تھے ، اور انہیں کے خلیفہ مجاز تھے ۔ بابا اسحاق کا مزار کھٹو میں ہے جو سلسلہ مغربیہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ جب آپ بیت اللہ کے ارادہ سے چلے تو پٹن کے راستہ سے کھنبایت پہنچے ۔ اور وہاں سے جہاز میں سوار ہوئے ۔ اس وقت راستی خاں وہاں کے صوبہ دار تھے ۔ اور پٹن میں راستی خاں کے والد فتح الملک سے بھی ملاقات ہوئی ۔ اور حرمین کے سفر سے واپسی میں لوٹتے ہوئے ٹھٹھہ کے راستے سے واپس تشریف لائے اور وہاں سے بخارا کی طرف روانہ ہو گئے جس کی تفصیل شیخ ابوالقاسم نے کتاب الکبیر میں تحریر فرمائی ہے ۔

۸۰۲ھ میں جبکہ مظفر خاں کی حکومت تھی ابھی انہوں نے استقلال کا اعلان نہیں کیا تھا ۔ اور علم سلطنت بلند نہیں کیا تھا ۔ اس وقت آپ گجرات پہنچے اور سرکھیج میں بدا بوہرہ نامی شخص کے ہاں قیام فرمایا اور بعد میں سرکھیج میں مستقل سکونت اختیار فرمائی جب احمد آباد کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا ۔ اس وقت سلطان احمد کی درخواست پر

---

[۱] تحفۃ المجالس قلمی مجلس ۳۸ ، مرقات الوصول ص۵ (بحوالہ گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۲ ۔ [۲] ایضاً ۔

رسی کا سرا آپؒ کے دستِ مبارک میں تھا۔ آپ کی کرامات اور خرقِ عادات بیان سے باہر ہیں۔ اس کا اکثر حصہ ملفوظات میں بھی لکھا گیا ہے۔

۸۴۹ھ میں ۱۴ شوال پنجشنبہ کے روز زوال سے پہلے آپ نے رحلت فرمائی آپ کی تاریخ وفات نظم میں کہی گئی۔ ؎

طاء میم علے ثمان مائۃ کان دال ویا من شوال

عمرہ دل انہ قطب راح یوم الخمیس قبل زوال

آپ نے عمر بھر نکاح نہیں کیا۔ عمر ترک و تجرید میں گزار دی۔ آپ کا مزار سرکھیج میں معروف ہے۔ آپکی خانقاہ، مسجد، تالاب کی بنیاد سلطان قطب الدین بن سلطان احمد شاہ نے رکھی۔ اور ان کے صاحبزادے محمد شاہ نے اس کو مکمل کیا۔

سلطان محمود بیگڑہ اور سلطان مظفر حلیم بھی آپ کی پائنتی میں مدفون ہیں اسی طرح آپ کے تمام خدام اور خلفاء بھی وہیں مدفون ہیں۔ [۱]

ظفرالوالہ میں شیخ احمد کھٹو کے متعلق آصفی لکھتے ہیں۔

شہاب الدین شیخ احمد کھٹو سرکھیجی رحمۃ ۷۳۸ھ میں کھٹو میں پیدا ہوئے جو ناگور کے اطراف میں ہے۔ اور آپ نے بروز جمعرات زوال سے پہلے ۱۴ شوال ۸۴۹ھ کو اپنے جائے سکونت سرکھیج میں وفات پائی۔

کسی نے ان کا مرثیہ کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎

انّ ھٰذا لنا الم ببال نحن کالطین وھو مثل جبال

تاریخی بیت کہا گیا ہے۔

طآء ومیم علے ثمان مائۃ کان دال یاء من شوال

آپ کی مدّت عمر بتانے والا شعر۔ ؎

---

[۱] خاتمہ مرأت احمدی صـ۲۳۔

عمرہ دلنا علیٰ انہ قطب — مات یوم الخمیس قبل الزوال

سلطان محمد بن احمد کی مجلس میں بعض شعراء نے آپکا مرثیہ کہا۔

شیخ احمد امام دین و دنیا — سوئے فردوس می شد خرم وشاد

فلک می گفت درتاریخ آں سال — شہ عالم محمد را بقا باد [1]

شیخ احمد کھٹو کی سلطان گرا ور پیر گر بھی

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ مشہور ہے کہ شاہ عالم کی تصوّف اور سلوک میں کچھ عجیب سی حالت تھی، اکثر اوقات آپ پر مستی کا عالم چھایا رہتا تھا۔ کبھی کبھی ریشمی لباس پہن لیا کرتے تھے، اور ملامتیہ فرقے کے پیرو کار نظر آتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت پر کھلے اور واضح دلائل موجود تھے۔ اور شیخ احمد کھٹو آپ کی تربیت و ارشاد کے ذمہ دار تھے، آپ کثیر الکرامات بزرگوں میں تھے، ۸۸۰ھ میں آپ نے وفات پائی جس کے عدد کو لفظ "مخسر" ظاہر کرتا ہے، شیخ قطب عالم اور شاہ عالم کے کچھ خلفاء بھی احمد آباد میں مدفون ہیں، گجرات کے مشہور شہر پٹن میں خاص طور پر شیخ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کا مزار بہت مشہور ہے جن کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے، یہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں سے عشق و محبت کی خوشبو آتی ہے۔ اور اس کے جنگلوں اور کھنڈروں سے ولایت کی برکت کے انوار درخشاں معلوم ہوتے ہیں، یہ شہر ہمیشہ اہل دل کی آماجگاہ ہے اس لئے آج بھی اس میں اہل دل بستے ہیں۔

شعر

بھر زمیں کہ نسیمے ز زلف او زدہ است — ہنوز از سر آں بوئے عشق می آید

غرضیکہ آپ اپنے وقت کے علماء اور مقبولان درگاہ رب العلیٰ لوگوں میں سے تھے، اور آپ کی برکات کے اثرات ابھی تک اس شہر میں نظر آتے ہیں۔

[1] ظفر الوالہ صفحہ ۲۰۱ جلد ۱

مخدوم شیخ صلاح الدین

ان کے والد، نو کاجیو، نامی ہندو تھے۔ حضرت شیخ گنج بخش رح کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہوئے، جس وقت نو کاجیو، اسلام قبول کرنے کیلئے آپ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت شیخ تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔ حضرت شیخ نے نو کاجیو سے فرمایا کہ بابا طالب آؤ اور رکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اس کے بعد آپ نے اسلام کی ان کو تعلیم فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ تھوڑا پانی لاؤ جس میں سے حضرت نے تھوڑا پانی نوش فرمایا اور بقیہ نو کاجیو کو جس کا نام اب شیخ طالب تھا، اس کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس کو پی لو، چنانچہ شیخ طالب نے وہ پانی پی لیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے وہ قرآن پاک جس میں سے آپ پڑھ رہے تھے شیخ طالب کو دے کر فرمایا کہ پڑھو۔ عظمتِ الٰہی اور حضرت شیخ کی برکت سے بابا طالب قرآن پڑھنے لگے۔ اس وقت سے ان کا نام شیخ طالب مقرر ہوگیا اور ہمیشہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

ایک دن سلطان محمد نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ نو کاجی تو مسلمان ہو گئے ان کے ایک اور بھائی ہیں مولاجی ۔ ان کو بھی آپ بلائیے ۔ چنانچہ شیخ نے ان کو بلوایا اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ نو کاجی کی دو بیویاں ہیں ۔ ان میں سے ایک جو شہر لاش میں ہے وہ حاملہ ہے اس سے لڑکا پیدا ہوگا وہ ہمارا ہوگا ۔ چنانچہ شیخ نے بادشاہ کو حکم فرمایا، سلطان محمود نے مولاجی کو لاش نامی شہر بھیج دیا ۔ مولاجی کے لاش شہر پہنچنے کے چھ روز بعد نو کاجی کی بیوی کو اللہ نے ایک لڑکا دیا اور اس کے بعد مولاجی دونوں ماں اور بیٹے کو شیخ کی خدمت میں لے کر پہنچے ۔ یہاں پہنچنے کے تین ماہ بعد ماں کا انتقال ہوگیا ۔ اور اس کے دو ماہ بعد بچے کے والد نو کاجیو (جن کا نام شیخ طالب ہو چکا تھا) وہ بھی انتقال کر گئے ۔ اس بچے کا نام صلاح الدین رکھا گیا ۔ اس کو حضرت نے اپنی فرزندی میں قبول فرمالیا

اور پرورش فرمائی ، اور حضرت کی پیشین گوئی پوری ہوئی ۔ حضرت خود فرماتے تھے کہ جب صلاح الدین ایک سال کا ہوا تو میرے پیٹ پر کھیل رہا تھا ۔ اتفاقاً وہ اچانک آگ میں گر گیا ۔ وہاں سے میں نے اس کو ہاتھ ڈال کر کھینچ لیا ۔ جب یہ چار سال کا ہوا تو ایک دن میں نے اس سے کہا کہ بابا صلاح الدین ایک دفعہ جب تو بہت چھوٹا تھا تو، تو آگ میں گر گیا تھا ۔ میں نے ہاتھ ڈال کر تجھے کھینچ لیا تھا ، صلاح الدین نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت سلامت یہ کیا آگ ہے وہاں کی آگ سے بھی آپ ہمیں نکالیئے ۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ارے کیوں نہیں بلکہ جو تم پر اور تمہاری اولاد پر شفقت و لطف کا معاملہ کرے گا اس کو بھی ہم اس آگ سے نکالیں گے ۔ باذن اللہ ۔

جب حضرت شیخ گنج بخش شیخ احمد کھٹو کا آخری وقت آیا تو سلطان محمد عبادت کیلئے حاضر ہوئے اور قاضی عبدالحیٔ بن منصور کو بھی ساتھ لاکر حضرت کے سامنے پیش کیا اور حضرت سے عرض کیا حضرت اس گھر کے چراغ کی روشنی کیلئے کسی کو حکم فرما دیجئے ۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بچہ یعنی صلاح الدین یہ ہمارا فرزند ہے یہ انشاء اللہ چراغ روشن رکھے گا ۔ کچھ دیر کے بعد سلطان نے پھر عرض کیا کہ اس گھر کے چراغ کو روشن رکھنے کا کام بڑا عظیم ہے اور یہ بچہ بہت چھوٹا ہے ۔ یہ قاضی صاحب اس کے بہت مناسب ، لائق اور بزرگ آدمی ہیں ۔

حضرت نے فرمایا کہ چھوٹا بچہ چھوٹا نہیں ہے ۔ اور اس فقیر کو بھی مردہ نہ شمار کیجئے اِنَّ اَولیاءَ اللہ لَایَموتُونَ ۔ اس کے بعد سلطان نے شیخ صلاح الدین کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا اور بہت زیادہ ان کی تعظیم و تکریم بجا لائے ۔ [1]

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صـ۳۶

غوث الوریٰ حسن فقیہہ

مُتوفّیٰ ۲۸ رجب ۸۴۹ھ/۲۹/اکتوبر ۱۴۴۵ء

آپ بھی گجرات کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے پوتے حضرت شاہ رکن الدین کان شکر کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کے والدِ ماجد قاضی قطب الدین بھی بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ نے ان سے بھی خلافت حاصل کی بعد ازاں حضرت گنج احمد مغربی شیخ احمد کھٹو سرخیزی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا پھر حضرت قطب العالم برہان الدین رح کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ علوم شریعت و طریقت کے زبردست عالم تھے۔ گجرات کا ایک عالم آپ کا مرید و معتقد تھا۔ آپ نسباً سادات باقریہ میں سے تھے ۲۸ رجب ۸۴۹ھ ۲۹ راکتوبر ۱۴۴۵ء میں انتقال فرمایا مزار مبارک پٹن میں ہے۔ [1]

ابوالبرکات سراج الدین سیّد محمد

معروف بہ حضرت شاہ عالم

ولادت ۹ ذیقعدہ ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء وفات ۲۰ جمادی الآخریٰ ۸۸۰ھ/۲۰ اکتوبر ۱۴۷۵ء

شاہ عالم حضرت قطب عالم کے صاحبزادے ہیں بشارت نبوی سے آپ کا نام سید محمد رکھا گیا۔ لیکن منجھلے بیٹے ہونے کی وجہ سے منجھن میاں کے لقب سے مشہور تھے والدہ ماجدہ کا نام بی بی آمنہ بنت کریم خاں بن عماد الدین خداوند خاں (از امرائے گجرات) والدہ ماجدہ کو سلطان خاتون کہتے تھے۔

---

[1] خطہ پاک اوچ صفحہ ۳۰۶۔

؛ وارث علی ؛ سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اس کے مطابق آپ کی ولادت ۹ ذیقعدہ ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی، علوم ظاہری میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ والد ماجد کی صحبتِ بابرکت میں رہکر راہ سلوک طے کیا۔ اور ان سے خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔ اس طرح صرف سترہ سال کی عمر میں خلافت کے ساتھ حضرت مخدوم جہانیاں کا خرقہ پایا۔

شاہ عالم کو حضرت شیخ احمد کھٹو سے بڑی عقیدت تھی اور انکی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا اور خرقہ خلافت واجازت پایا۔ [1]

شاہ عالم کا نکاح

حواشی مکلی نامہ میں ہے کہ جام تغلق جونا اس وقت اندرونی اختلافات کیوجہ سے سخت پریشان تھا اور وہ باہر سے مدد کا خواہاں تھا۔ مولانا محمد صدیقی ملتانی نے جو جام تغلق جونہ کے پیر تھے۔ اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو گجرات میں بیاہے۔ ایک سلطان محمد سے اور دوسرے کو قطب عالم کے فرزند شاہ عالم سے۔

چنانچہ جام تغلق جونہ نے اپنی دونوں بیٹیوں کو جام خیرالدین اور جام صلاح الدین سمیت مولانا محمد صدیقی کے ذریعے گجرات روانہ کیا۔ اس رشتے سے مقصد سیاسی فائدہ اور اپنی حکومت کی تقویت مدنظر تھی۔ گجرات پہنچنے کے بعد بی بی مغلی کی شادی سلطان محمد کے ساتھ اور بی بی مرکی کی شادی شاہ عالم کے ساتھ ہوئی۔ حالانکہ جام تغلق جونہ نے بی بی مغلی کو شاہ عالم کے لئے اور بی بی مرکی کو سلطان محمد کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن یہ تبدل و تغیر سلطان محمد اور جام تغلق جونہ کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی سازش سے ہوا۔ اس کا امکان ہے کہ اس منصوبے میں خود مولانا محمد صدیقی بھی شامل تھے۔

بہرحال بی بی مغلی کا نکاح سلطان محمد والئ گجرات (۸۴۶ - ۸۵۵ھ) سے ہوا اور بی بی مرکی کا عقد قطب عالم (۷۹۰ - ۸۵۸ھ) کے فرزند شاہ عالم (۸۱۷ - ۸۸۰ھ)

[1] گلزار ابرار ص ۱۲۰

کے ساتھ ہوا ۔ یہ نکاح (۸۴۷ ۔ ۸۴۸ ھ) میں ہوئے تھے ۔ بی مغلی کے بطن سے ۸۴۹ ھ میں فتح خان نامی لڑکا پیدا ہوا جو آئندہ چلکر سلطان محمود بیگڑہ کے نام سے گجرات کا بادشاہ ہوا بی بی مرکی کے بطن سے جو شاہ عالم کے اولاد ہوئی ان میں دو لڑکیاں بی بی امان اور بی بی دچھین اور ایک لڑکا بیگ محمد عرف بھیکن پیدا ہوئے

سلاطین کے تعلقات آپ نے گجرات کے چار بادشاہوں کا زمانہ پایا یعنی محمد شاہ، قطب شاہ، داؤد شاہ اور سلطان محمود بیگڑہ،

سلطان قطب الدین (قطب شاہ) آپ کے والد ماجد کے بہت معتقد تھے اور آپ کے بھی نیاز مند تھے ۔ سلطان محمود بیگڑہ پر آپ کا بہت اثر تھا بلکہ اپنے آپ کو حضرت کا خادم سمجھتے تھے ۔ [۱]

اوصاف وکمالات آپ صاحب کرامات ومقامات تھے ۔ عشق رسول میں سرشار تھے ۔ اکثر وقت یادِ الہٰی میں گذارتے ۔ توکل وقناعت اور سخاوت وشجاعت آپ کا شیوہ تھا ۔

آپ کے زمانہ میں سہروردی سلسلہ عروج پر تھا ۔ بادشاہ امراء اور درباری آپ کے معتقد تھے آپ کے خلفاء میں داورالملک عبداللطیف نے بہت شہرت پائی ۔ قطب عالم اور شاہ عالم کے خلفاء کی ایک جماعت احمد آباد میں آسودۂ لحد ہے ۔ نیز پٹن میں بھی بہت سے ہیں [۲]

وفات:۔ شاہ عالم نے تریسٹھ سال کی عمر پائی ۔ اور ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۸۸۰ ھ مطابق ۲۰ راکتوبر ۱۴۷۵ء شب شنبہ کو بوقت سحر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے ۔ مزار احمد آباد کے محلہ رسول آباد میں مرجع خواص وعوام ہے [۳]

---

[۱] تاریخ گجرات، گلزار ابرار صفحہ ۱۶۰۔ [۲] پاک وہند صفحہ ۲۰۴، ۲۰۵۔ [۳] گلزار ابرار، اخبار الاخیار صفحہ ۲۴۵

آپ کی وفات کی "آخر الاولیاء" سے تاریخ مستفاد ہوتی ہے۔ نیز کسی نے کہا ہے

عین یاء علی ثمان مائۃ		کان کاف من جمادی الآخر
عمرہٗ تابع بعمر نبی		راح فی لیل سبت وقتِ سحر

خلفائے کرام:۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید محمد زاھد، قاضی محمود دریائی بیر پوری، قاضی سید اسمٰعیل اصفہانی، شریف ابوبکر عیدروس، شیخ حسام الدین متقی ملتانی قاضی نجم الدین، ملک عبداللطیف داور الملک خواجہ احمد بن دوس۔ [1]

شاہ عالم کا لقب | مرزا محمد حسن نے مرآۃ احمدی کے خاتمہ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ عالم لقب عطا کئے جانے کا قصہ مفصل ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ۔

شاہ بارک اللہ چشتی، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رح کے مرید اور انکے خلیفہ تھے۔ آپ کا مقبرہ ایدر دروازہ کے باہر بارہ حاجی پور کے نزدیک واقع ہے۔ جب حضرت شاہ عالم کو حق تعالی شانہٗ کی بارگاہ سے شاہ عالم کا خطاب عنایت ہوا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس سے فرمایا گیا کہ آپ کو حق تعالی کی طرف سے شاہ عالم کا خطاب عنایت کیا جاتا ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ میں اس کا اظہار کس طرح کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں اپنے والد اور پیر قطب عالم کے پاس جانا چاہئے وہ آپ کو شیخ بارک اللہ چشتی کے پاس بھیجیں گے۔ اور خطاب کا ظہور اس جگہ سے ہوگا۔

الغرض حضرت شاہ عالم حضرت قطب العالم کی خدمت میں پہنچے۔ جیسے ہی حضرت قطب العالم کی نظر حضرت شاہ عالم پر پڑی تبسم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آئیے شاہ عالم تمہیں شیخ بارک اللہ چشتی کے پاس جانا چاہئے۔ ان کو رخصت فرما دیا۔ حضرت شاہ عالم

---

[1] محفل پاک اوچ صـ۲۹۹

حسب حکم شیخ بارک اللہ چشتی کے پاس پہنچے۔ اس وقت شیخ بارک اللہ دیوار کی تعمیر میں مشغول تھے۔ تمام مریدین مٹی اور اینٹیں پہنچا رہے تھے۔ حضرت شاہ عالم بھی اپنے سر کے اوپر ایک برتن میں مٹی کو بھر کرکے پہنچے۔ جیسے ہی شیخ نے اس حال میں آپکو دیکھا فرمایا کہ آیئے شاہ عالم آپ کو تو چتر شاہی زیب دیتا ہے اور اس مٹی سے بھرے ہوئے برتن کو لیکر کام میں لگایا اور دیوار پر سے نیچے اترے اور اپنے بھائی شیخ عطاء اللہ کے گھر میں پہنچے جو کہ ان کے بھائی تھے دیکھا کہ لوبیا سے بھری ہوئی دیگ تیار ہے اس کو اٹھا کرلائے اور حضرت شاہ عالم کو عنایت فرمائی اور رخصت فرمایا اور خدام سے فرمایا کہ شاہ عالم کیساتھ جاؤ اور جس جگہ پہنچکر تم سنو کہ آسمان و مافیہا و زمین و ما علیہا شاہ عالم بول رہے ہیں وہاں سے واپس آجانا شاہ عالم لوبیا کی دیگ سر پر رکھکر قطب عالم کیخدمت میں جانے کیلئے چلے راستہ میں دروازۂ وسط پر جب پہنچے جو تین دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے جو احمدآباد کے بازار میں واقع ہے وہاں پہنچے تو وہاں ایک ڈہل بجانے والا تھا جو لنگڑا تھا اور دیکھ نہیں سکتا تھا وہ ہمیشہ ڈہل بجاکر بھیک مانگا کرتا تھا۔ جب اس کے قریب پہونچے تو حق تعالیٰ نے اس کو صحیح سالم کر دیا۔ پیر دیا زبان دی، کان اور آنکھیں دیں اور وہ کھڑا ہو گیا اور شاہ عالم، شاہ عالم کہنے لگا۔ دوسرے لوگ بھی اس کو سنکر دکانوں میں اور ہر جگہ آسمان و زمین اور سب مخلوق شاہ عالم شاہ عالم کہنے لگی اس وقت شاہ عالم شیخ بارک اللہ کے خدام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ اب تم یہاں سے واپس چلے جاؤ تمہارے شیخ کا یہیں تک آنے کیلئے حکم تھا۔ چنانچہ خدام وہاں سے واپس لوٹے اور حضرت شاہ عالم نے قطب العالم کی خدمت میں پہنچ کر ماجرا عرض کیا اور لوبیا سے بھری ہوئی دیگ حضرت کو پیش کی اور وہاں سے یہ گجرات میں مثل چلی کہ چشتیوں نے پکائی اور بخاریوں نے کھائی۔ [۱]

منجملہ آپ کی کرامات کے مردہ کو زندہ کرنے کی کرامت بہت مشہور رہی ہے۔ جو

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی صـ۲۳ ۔

مرآۃ احمدی سے یہاں نقل کی جاتی ہے کہ ملک فخر الدین بن ملک سیف الدین بن اژدر خاں جو سلطان احمد شاہ کے داماد تھے۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ان کے والد ملک سیف الدین نے حضرت شاہ عالم سے درخواست کی کہ میری ولادت بھی حضرت کی دعا سے ہوئی ہے۔ تو حق تعالیٰ مجھے بھی آپ کی کرامت سے لڑکا عطا فرمائیں چنانچہ لڑکے کی ولادت ہوئی اس کے بعد ایام طفولیت میں ان کی روح قبض کرلی گئی فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت قطب عالم کی خدمت میں (جبکہ اساول میں مقیم تھے) پہنچے اور انتہائی اضطراب اور بے چینی کے عالم میں کلاہ ارادت اور شجرہ بھی لے کر گئے کہ اگر میرا بچہ زندہ نہ ہو تو یہ دونوں میں حضرت کو واپس کر کے جنگل میں نکل جاؤں گا۔
جب حضرت قطب العالم کی خدمت میں پہنچے اور اضطراب کا اظہار کیا اور اضطراب وپریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ تو قطب العالم نے فرمایا کہ میاں منجھلا (کہ اکثر حضرت شاہ عالم کو آپ اسی نام سے یاد فرمایا کرتے تھے) کے پاس جاؤ۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں جاکر بہت زیادہ عاجزی کی کیفیت سننے کے بعد مقصد کے پورا ہونے میں متأمل ہوئے۔ اور فرمایا کہ شاید ان کی عمر اتنی ہی رہی ہو گی۔ اس لئے دعا اور توجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ کہتے ہیں کہ میرے والد نے گستاخانہ یہ جملہ خدمت میں عرض کیا آخرت میں سفارش کے وقت بھی اسی قسم کا جواب دے دیجئے گا۔
حضرت شاہ عالم نے اس جواب سے اعراض فرمایا اور اندر محل سرا میں چلے گئے۔ میرے والد نے شاہ بھیکن کو وسیلہ بنایا۔ ان سے پریشانی حال عرض کی انہوں نے ان کے دل کی جلن اور پریشانی مشاہدہ کر کے اندر جاکر حضرت شاہ عالم سے خود دل کے مدعا کے پورا ہونے کی درخواست کی۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا اگر میں ان کے بیٹے کے عوض میں تمہیں دے دوں تو راضی ہو۔ تو یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ کے مضمون کے موافق انہوں نے یہی آیت جواب میں عرض کی۔

حضرت شاہ عالم ان کو اپنے حجرہ میں لے گئے اور ہندی زبان میں مناجات کرنی شروع کی، کہ راجن بجر وتی بدل بجر وتا۔ کہ ان کے بدلہ میں اس کو لے لیجئے ادھر یہ عرض کرنا تھا کہ ادھر شاہ بھیکن کی روح تسلیم بحق ہو گئی۔ اسی وقت حضرت شاہ عالم کی زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون کا کلمہ جاری ہوا۔

خدام میں سے کسی نے سیف الدین سے جا کر کہا کہ شاید آپ کا صاحبزادہ انتقال نہ کر گیا ہو اچھی طرح دیکھ لیجئے کہ شاید سکتہ کے عالم میں رہا ہو۔ میرے والد نے جب یہ بشارت سنی تو گھر واپس لوٹے، راستے میں ہی خبر ملی کہ میں زندہ ہوں۔ مگر میرے والد کو مخدوم زادہ کے انتقال کی خبر نہیں تھی بعد میں جب اطلاع ملی تو بہت افسوس کیا۔

انکی والدہ بی بی مرکی کا مزار جام جونہ کے مقبرے میں ہے جو دریائے سابرمتی کے کنارے پر احمد آباد میں واقع ہے۔ [1]

جہانگیر کی شاہ عالم کے مزار پر فاتحہ خوانی

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں: چونکہ اس منزل میں شاہ عالم کا مزار سر راہ پڑتا ہے میں وہاں فاتحہ پڑھ کر آگے بڑھا اس مقبرے پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہوگا۔

شاہ عالم قطب عالم کے بیٹے ہیں۔ ان کا سلسلہ مخدوم جہانیاں پر منتہیٰ ہوتا ہے۔ اس ملک کے عوام وخواص کو ان سے عقیدت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ عالم مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ جب وہ کئی مردوں کو زندہ کر چکے تو ان کے والد کو اس کی اطلاع ہوئی۔ اور انہوں نے ان کو اس سے منع کرتے ہوئے کہا اللہ کے کارخانۂ قدرت میں مداخلت کرنا گستاخی اور طریقۂ بندگی کے خلاف ہے۔

اس کے بعد جہانگیر نے مردہ زندہ کرنیکا قصہ جو گذر چکا تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کے

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۴۹۔

بعد جہانگیر لکھتے ہیں ۔

مختصر یہ کہ علاقۂ گجرات میں حضرت شاہ عالم کے متعلق اس قسم کی بہت سی باتیں مشہور ہیں ۔ میں نے خود سید محمد سے جو حضرت شاہ عالم کے سجادہ نشین اور صاحب علم و فضل اور معقول انسان ہیں پوچھا کہ ان باتوں کی کیا حقیقت ہے ؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد اور دادا سے بھی یہی باتیں سنی ہیں اور مجھے یہ باتیں تواتر سے پہنچی ہیں ۔ صحیح علم اللہ ہی کو ہے ۔ اگرچہ یہ باتیں عقل سے بعید ہیں ۔ لیکن چونکہ لوگوں میں انتہائی شہرت رکھتی ہیں لہذا ان کے عجیب و غریب ہونے کی بنا پر میں نے یہاں لکھدی ہیں ۔

انکی رحلت سلطان محمود بیگڑہ کے زمانے میں اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف ۸۸۰ھ میں ہوئی ۔ ان کے مقبرے کی عمارت تاج خاں ترپالی کی بنوائی ہوئی ہے ۔ جو سلطان مظفر بن محمود کے امراء میں سے تھے ۔ [1]

شاہ عالم کا فیض احمد آباد سے بہار تک

صوبہ بہار میں پھلواری شریف ایک مشہور خانقاہ ہے جو بڑے بڑے اہل اللہ اور اصحاب طریقت کی آماجگاہ رہی ہے ۔ اس خانقاہ کے موسس اول حضرت شاہ محمد مجیب اللہ بھی اوچ کے خانوادہ سہروردیہ بخاریہ کے منتسبین میں سے تھے شجرۂ طریقت حسبِ ذیل ہے ۔

شاہ محمد مجیب اللہ، شاہ عتیق اللہ، شاہ عبدالمقتدر، شیخ عبدالنبی، محمد شیر، عزت شاہ، سید برہان، سید شاہ عالم، مخدوم عبداللہ، سید ناصرالدین محمود، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۔

شاہ محمد مجیب اللہ کا انتقال ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء میں ہوا ۔ [2]

---

[1] توزک جہانگیری صفحہ ۲۳۸-۲۳۷ ۔ [2] تذکرہ ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی ۔

بہار کی ایک مشہور خانقاہ قصبہ منیر میں واقع ہے۔ اس خانقاہ کے شیخ طریقت شاہ محمد مبارک بھی اوچ کے بخاری خاندان کے توسط سے سلسلہ عالیہ سہروردیہ سے منسلک تھے آپ شاہ نعمت اللہ کے خلیفہ تھے، اور شاہ نعمت اللہ سید محمد مقبول کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت شاہ عالم احمد آبادی کی چھٹی پشت میں تھے۔

مدرسہ شاہ عالم مولانا ابو ظفر ندوی نے آپ کے مدرسے کے متعلق لکھا ہے کہ گجرات کے مشہور و معروف مقدس بزرگ حضرت شاہ عالم متوفی ۸۸۰ھ ۱۴۷۵ء کے جانشین نے انکی یادگار میں یہ مدرسہ قائم کیا تھا۔

اس میں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم ہوتی تھی۔ یہاں سے بڑے بڑے لوگ تعلیم پاکر نکلے اس کے ساتھ دارالاقامہ بھی تھا۔ اس میں رہنے والے طلبہ کو وظیفے بھی ملتے تھے۔ اس پر کئی گاؤں وقف تھے۔ مولانا شیخ نورالدین شیخ الکل اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

سید محبوب عالم کے وقت میں یہ مدرسہ بڑے عروج پر تھا، مرہٹہ گردی میں پورا مدرسہ تباہ ہوگیا۔ [۱]

شاہ عالم کا کتب خانہ حضرت محمد شاہ عالم متوفی ۸۸۰ھ/ ۱۴۷۵ء تنے بڑے زبردست عالم تھے اور مطالعہ کتب کا اتنا شوق تھا کہ مطالعہ کیلئے ٹیک لگانے سے دونوں ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے۔ [۲]

ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں عام کتابوں کے علاوہ نایاب اور نادر کتابیں بھی تھیں۔ چنانچہ جب مولانا صدر جہاں ان سے ملنے گئے تو ان کو امام رازی کی ایک کتاب کا ایسا نسخہ دکھایا جس کی موصوف کو خبر نہ تھی۔ [۳]

ان کے جانشین بھی اس کتب خانہ کو برابر ترقی دیتے رہے۔ سید جعفر بدر عالم

---

[۱] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۱۹۸۔ [۲] مرآۃ احمدی صفحہ ۲۰۵/۱۷۔ [۳] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۶۴ بحوالہ گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۹۲

متوفی ۱۰۸۵ھ/۷۴-۱۶۷۴ء کے زمانے میں یہ بڑے عروج پر تھا۔ ہزاروں کتابیں خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر کتب خانہ میں داخل کیں۔ ایک مرتبہ رات کے وقت راستہ میں ایک سائل نے قرآن پاک کا ایک نسخہ طلب کیا فرمایا صبح کو آنا کتب خانہ سے دیدونگا۔ اس نے کہا کہ اس وقت آپ کے پاس جو موجود ہے اسی کو دیدیں، آپ نے مجبوراً دے دیا۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہد تک یہ کتب خانہ بہترین حالت میں تھا مرہٹوں کی جنگ میں اس کا بڑا حصہ جل گیا جو بچا لوٹ مار کے ڈر سے آپ کے اخلاف شہر پناہ کے اندر رہے آئے لیکن کافی حفاظت نہ ہونے کیوجہ سے آہستہ آہستہ کتب خانہ برباد ہوگیا۔ حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا ایک قلمی نسخہ جواہر میوزیم اوٹاوہ میں موجود ہے جو غالبًا دسویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے اس میں آپ کے اقوال، کرامات اور اس زمانہ کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ [1]

حلیہ اور زبان

داراشکوہ نے "سفینۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ ان کا حلیہ شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا سے ملتا جلتا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اپنی مشہور تصنیف اخبارالاخیار میں کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ملامتی فرقہ کے قدم بہ قدم چلتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت ظاہر تھی جس کی خاص علامات بھی تھیں، گجرات کے مشہور بزرگ شیخ احمد کھٹو نے آپ کی تربیت کی مشہور چشتیہ بزرگ شاہ بارک اللہ چشتی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بشارت کے تحت حضرت سراج الدین بن قطب عالم کو شاہ عالم کے لقب سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس واقعہ کو حضرت شاہ عالم نے اپنے والد قطب عالم کے گوش گزار کیا۔ تو اسی موقع پر انہوں نے یہ ہندوی فقرہ کہا تھا کہ "چشتیوں نے پکائی اور اُسے بخاریوں نے کھائی" جس سے پتہ چلتا ہے کہ باپ اور بیٹا دونوں

---

[1] اسلامی کتب خانے صـ ۲۷۹۔

ہندی جانتے اور سمجھتے تھے۔ میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں حضرت شاہ عالم کا ہندی فقرہ "ارجن جی کا اونہ بہایا ہوئے تو تجھ سے فقیروں کی برسوں تئیں کناسی کرے" نقل کیا ہے۔ جو انہوں نے سلطان غزنی (رشتہ دار شاہان گجرات) کے انہیں سلام نہ کرنے کے موقع پر کہا تھا۔ اس طرح انہوں نے قصبہ نڑیاد (نزد احمد آباد) کے ایک شخص شیخ محمد عرف میاں الولک کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا "ارے میاں الولک بولتے کیوں نہیں"

مرزا محمد حسن نے مرآۃ احمدی میں شاہ عالم کا فقرہ میاں الولک اللہ بوک بولتے کیوں نہیں کا ذکر کیا ہے۔ مرآۃ احمدی میں حضرت شاہ عالم رح کا ایک اور فقرہ "راجن جی بکر وٹے بدل بکر وٹا" بھی ہے پروفیسر ابراہیم ڈار نے مضمون گوجری اور اردو زبان کی نشو و نما میں اہل گجرات کا حصہ، میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شاہ عالم نے محمود شاہ بیگڑہ کو کہا تھا "پڑھ ڈو کرے" (یعنی پڑھ میرے بیٹے) میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں حضرت شاہ عالم کا ایک دوہا نما ہندی بیت بھی درج کیا ہے۔ ؎

کاندھی کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے

اس قسم کے مقولے ملفوظات اور جملے ان کے مجموعہ "ملفوظات جمعات شاہیہ" میں کئی جگہ ملتے ہیں۔ مولوی عبدالحق نے اپنی تالیف "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ" میں اور حافظ محمود شیرانی نے اپنے مضمون "گوجری یا گجراتی اردو سولہویں صدی عیسوی میں" بھی ان کو نقل کیا ہے۔

ظفر الوالہ میں ہے کہ ایک دن سلطان قطب الدین شاہ عالم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو گفتگو اس پر چل رہی تھی کہ نیک صالح اولاد والدین آباد و اجداد کے انتقال کے بعد ان کے حیات کا سبب ہوتی ہیں۔ سلطان قطب الدین کو اس کی تمنا ہوئی کہ

کاش میری بھی اولاد ایسی ہوتی ۔ تو شاہ عالم اچانک ان سے فرمانے لگے ان کے تمنا کرنے کے فوراً بعد ہی کہ آپ کے بعد آپ کے بھائی کیلئے ایک عظیم شان ہوگی ۔ چنانچہ سلطان قطب الدین نے مایوسی سے اپنا سر جھکا لیا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ کہ جب سلطان قطب الدین فوت ہو گئے تو تخت سلطنت پر پہلے ان کے صاحبزادے داؤد بیٹھے مگر ان میں اہلیت نہیں تھی ۔ اسلئے سب امراء وزراء اس کے معزول کرنے پر متفق ہو گئے ۔ اور عماد الملک شعبان مریم سلطنت پر داخل ہوئے اور ان کی والدہ سے سلطان محمود بیگڑہ کو مانگا ۔ ابھی وہ تو معذرت ہی کر رہی تھی کہ اتنے میں سلطان محمود آ گئے ۔ عماد الملک نے ان کو سلام کیا اور ان کو اٹھا لیا اور ان کو بیت الحرم سے باہر دار السلطنت کی طرف لے آئے اور ان کو بادشاہ بنا دیا ۔ اس کے بعد داؤد جو بادشاہ بن گئے تھے وہ روپوش ہو گئے اور اس کے بعد وہ نظر نہیں آئے[۱]۔

شاہ عالم کا خاندان اور اسکی متعلقہ عمارتیں

آپ کے مبارک خانوادہ کو سادات شاہیہ، اور حضرت قطب العالم کے دوسرے فرزندوں سے جو اولاد ہوئی ان کو سادات قطبیہ، کہا جاتا ہے ۔

آپ کا مزار رسول آباد پورہ میں کہ جہاں آپ سکونت پذیر تھے ۔ وہاں بنایا گیا جہاں پر آپ کی بارگاہ اور مسجد اور عالیشان خانقاہ واقع تھی ۔ وہاں کے مزار کے اطراف کی عمارت تاج خاں نرپالی جو کہ سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں سے تھے اور آپ کے معتقد تھے ۔ انہوں نے تعمیر کروائی ۔ اور مسجد محمد صالح بدخشی نے تعمیر کروائی اور اس پر دو مینارے نجابت خاں نے بنوائے ۔

رباط اور خانقاہ پہلے سلطان محمود شہید نے تعمیر کروائی ۔ اس کے بعد اس کو بڑھا کر سیف خاں نے عمارت کو اور بڑھایا ۔ دروازہ نہال باکردل جو حویلی کے

---

[۱] ظفر الوالہ صفحہ ۱۴ ۔

پرگنہ میں ہیں ۔ اور انبار یلی ، جلا لپور وغیرہ کی چھ جاگیریں جو دھولقہ کی پرگنہ میں ہیں ۔ اور ماترباسنہ اور موندہ باسنہ وغیرہ میں ہیں ۔ وہ سادات شاہیہ کی معاش کے لئے وقف کی گئیں ۔ آپ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں ۔ شاہ راجو ، سید بڈھن ، سید شیخ محمد ، بی بی راجی ، بی بی امت اللہ ۔ یہ آپ کی اولاد بواجو ندا (جو ملک اسحاق کھوکھر جو قصبہ نادوت کے امیر تھے کی صاحبزادی) سے اللہ تعالی نے آپ کو دی ۔ اور سید بیگ محمد اور بی بی امان اور بی بی منجھلی یہ اولاد بی بی مرکا (جو سندھ کے والی جام جونہ کی صاحبزادی) سے ہوئی ۔ اور سید سلطان محمد سونکلی نامی آپ کی ام ولد سے ہوئی ۔ [1]

شیخ محمدؒ

شیخ محمد جو گجرات کے ولی تھے دراصل قصبہ نڑیاد کے متوطن تھے ۔ ایک روز شیخ موصوف اپنے گھر کے آگے بیٹھے ہوئے سبزی دھو رہے تھے ۔ اتفاقیہ حضرت شاہ عالم نمودار ہوئے ۔ شیخ محمد نے انہیں آتا دیکھ کر دل میں کہا کہ آج جب تک شاہ عالم مجھے کوئی خطاب نہیں دیں گے میں انکی کسی بات کا جواب نہیں دونگا ۔ یہ ٹھان کر انہوں نے شاہ عالم کی طرف سے منہ موڑ لیا ۔ شاہ عالم نے آواز دی ۔ شیخ محمد نے جواب نہیں دیا ، دوبارہ آواز دی لیکن صدائے برنخاست ۔ سہ بارہ پکارا ، شیخ محمد ٹس سے مس نہیں ہوئے ۔ اس وقت شاہ عالم مسکرائے اور بولے ۔

"ارے میاں الو لک بااللہ لوک بولتے کیوں نہیں ؟ "گجرات کے محاورہ میں بھولے بھالے آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تو بالکل اللہ لوک (مجہول) آدمی ہے ۔

جب لقب مل گیا تب شیخ محمد اٹھے اور حضرت شاہ عالم کو چومنے لگے ۔ نڑیاد کے دروازہ کے باہر احمد آباد کی جانب میاں اللہ لوک کی قبر ہے ۔ [2]

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صـ۲ ۔ [2] مقالات شیرانی صـ۱۵۳ ۔

شاہ محمد راجو

شاہ محمد راجو بن حضرت شاہ عالم ۔ آپ کی ولادت لفظ "وارث حسین" سے مستفاد ہوتی ہے ۔ حضرت قطب عالم کی طرف سے آپ کو بلا واسطہ خلافت و اجازت ملی تھی ۔ اس لئے حضرت شاہ عالم آپ کو اپنے پیر بھائی سے تعبیر کرتے تھے ۔
سلوک کے مریدین کی تعلیم اور طلباء علم کی تکمیل ان کے سپرد کی گئی تھی ۔ نیز حضرت شاہ عالم نے بھی اپنی طرف سے انکو خرقہ اور سجادہ عنایت فرمایا تھا ۔ آپ مادر زاد ولی تھے ۔ آپ کے خوارق عادات کشف و کرامات ایام طفولیت ہی سے اخیر عمر تک برابر ظاہر ہوتے رہے ۔

حضرت شاہ راجو سنن و رواتب و فرائض کے علاوہ روزانہ ایک ہزار رکعت نفل رات و دن ادا فرماتے ۔ جو آپ نے آبائے کرام سے روزمرہ کی عبادت ورثہ میں پائی تھی ۔ جب بدن ضعیف ہوگیا تو پانچ سو کھڑے ہو کر اور پانچ سو بیٹھ کر ادا فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں آبائے کرام سے شرمندہ ہوں کہ وہ ساری ایک ہزار کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے ۔

آپکی رحلت یکم محرم الحرام کو واقع ہوئی ۔ حضرت شاہ عالم کی قبر کے پاس آپ بھی مدفون ہیں[1]

سید محمد شاہ عالم کے پوتے

توزک جہانگیری میں جہانگیر لکھتے ہیں کہ !
ہفتہ (۲ ر شوال) کو شاہ عالم کے پوتے سید محمد کو حکم دیا کہ جو کچھ ان کا

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صفحہ ۳۹

جو چاہے مانگ لیں، اور انہیں اپنی خواہش کا اظہار کرنے کے لیے قرآن کی قسم دی انہوں نے کہا کہ چونکہ قرآن کی قسم دی گئی ہے اس لئے ان کی التجا ہے کہ انہیں ایک قرآن شریف دیا جائے۔ جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں اور تلاوت کرکے مجھے ثواب پہنچاتے رہیں۔ میں (جہانگیر) نے ان کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے مختصر تقطیع کا یاقوت سے تحریر کیا ہوا ایک بے نظیر اور نادر قرآن شریف انہیں عنایت کیا۔ اور اس کی پشت پر اپنے ہاتھ سے تحریر کیا کہ مذکورہ تاریخ کو مذکورہ مقام پر یہ قرآن مجید سید محمد کو عنایت کیا گیا۔ یہ ایک امر واقع ہے کہ میر نہایت نیک فطرت آدمی ہیں اور ان کا وجود مغتنمات میں سے ہیں، ذاتی شرافت علم وفضل حسن اخلاق اور پسندیدہ صفات و عادات رکھنے کے علاوہ خوش مزاج اور ہنس مکھ بھی ہیں۔ میں (جہانگیر) نے ماوراء النہر کے لوگوں میں میر جیسا خوش مزاج طبیعت کا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ میں (جہانگیر) نے انہیں فرمایا کہ قرآن شریف کو ایسی سادہ و سلیس عبارت میں ترجمہ کریں جو تکلف و تصنع سے خالی ہو۔ تفسیر لکھنے اور آیتوں کے شانِ نزول بیان کرنے کی بجائے یہ ترجمہ لفظی اور عام فہم فارسی میں ہو۔ اور اس امر کا پورا پورا اہتمام برقرار رکھیں کہ الفاظ کے معنیٰ بیان کرنے میں ایک تشریحی لفظ کا بھی اضافہ نہ ہو۔ اور جب یہ کام مکمل ہوجائے تو اپنے بیٹے جلال الدین سید کے ہاتھ دربار میں بھیج دیں۔

میر کا بیٹا بھی دنیوی و روحانی علوم سے آراستہ نوجوان ہے نیک بختی و سعادت مندی ان کے چہرے سے ٹپکتی ہے۔ میر کو ان جیسے قابل فرزند کی ذات پر ناز ہے اور سچ بات بھی یہی ہے کہ ان جیسا بیٹا فخر کے قابل ہے۔ اچھے نوجوان ہیں۔ [۱]

---

[۱] توزک جہانگیری صفحہ ۵۰۰ [۲] یعنی بزبان ریختہ۔ دیکھئے مقدمہ کتاب میں صفحہ ۸۶،۸۵

میاں قطب الدین

میاں قطب الدین بن محمود بن بابو بن شیخ صدر الدین بن شیخ الیاس بن شیخ جلال جو حاجی جلال نورا کے نام سے معروف ہیں اور حاجی جلال نورا جو سلطان ابراہیم بن ادھم کلخی کے خاندان سے ہیں ۔ جو شیخ بابو چشتی کے مرید تھے جن کا مزار بندر کھمبایت میں ہے آپ بھی حضرت شاہ عالم کے خلفاء میں سے تھے آپ کا سن ولادت ۸۷۶ھ ہے ۔

حضرت شاہ عالم نے اپنے سر مبارک کی دستار دیگڑی ؟ ان کے سر پر رکھی اس کے کنارے پر یہ لکھا ہوا تھا کہ آپکی ارشاد و اجازت کا خرقہ میاں مخدوم کے حوالہ کیا گیا ۔

شیخ قطب الدین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر تھا بغیر کسی سیاق و سباق کے آپ نے ارشاد فرمایا کہ قطب الدین شریعت کے لوگ قاضی کے حکم سے آئے تو انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھیجا ہوا خیال کرنا چاہیئے اور ان کے واجبی توقیر و تعظیم بجالانی چاہیئے ۔ میں رسول آباد سے جب اپنے گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بعض قرض خواہ جن سے سپہ گری اور فوج کی ملازمت کے دوران میں نے قرض لیا تھا وہ قاضی کے آدمیوں کو لے کر میری تلاش میں آ بیٹھے ہیں جب مجھے دیکھا تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے مجھے بہت زیادہ طعن و تشنیع کیا تو اس وقت حضرت کے ارشاد کا بھید سمجھ میں آیا حضرت کے ارشاد کے بموجب میں تواضع بجالایا ۔ حضرت شاہ عالم کا ہمیشہ اپنے متعلقین کو یہ طریقہ مقرر کیا گیا تھا کہ ——— شریعت مطہرہ کو تمام امور پر مقدم رکھا جائے ۔

ستاسی سال عمر گذار کر آپنے ۹۴۳ھ ۲۰ رجمادی الثانی کو انتقال فرمایا ۔ آپکا مزار رخانپور میں واقع ہے [1]

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص۹۴ ۔

شاہ بھیکن

شاہ بھیکن بن حضرت شاہ عالم ۔ آپ کا نام سید بیک محمد جو شاہ بھیکن کے نام سے بعد میں معروف ہوئے ۔ آپ کی والدہ ماجدہ (جام جونہ کی صاحبزادی) بی بی مرکی ہیں ۔ جن کے نکاح کا مفصل حال مرات سکندری میں لکھا گیا ہے ۔
اور شاہ عالم ؒ کے حالات میں قریب ہی میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے اور آپکی رحلت کا عجیب قصہ بھی اسی عنوان کے ذیل میں گزر چکا ہے ۔

سید محمد مقبول عالم

(م ۱۰۴۵ ھ)

سید محمد مقبول عالم ۔ سید محمد آپ حضرت ماہ عالم کے صاحبزادے ہیں ، آپکی والدہ ماجدہ آمنہ بنت سید نصر اللہ ہے ۔ آپکی ولادت ۹۸۹ ھ ۱۴ رجب کو ہوئی اور تاریخ ولادت کیلئے یہ مصرعہ کہا گیا : من دوست داماں آل رسول ؒ، اپنے والد ہی سے علوم کی تحصیل کی ، زندگی بھر درس و تدریس میں لگے رہے حضرت ماہِ عالم نے اپنے وصال کے دو سال پہلے اپنا خرقہ اور سجادہ آپ کو عنایت فرما دیا تھا ۔ ۱۰۴۵ ھ میں انتقال ہوا خاندانی قبرستان میں مدفون ہیں۔[۱]

---

[۱] خاتمہ مراۃ احمدی صفحہ ۴ نزہۃ الخواطر ج ۵ صفحہ ۱۶۰

ملک عبداللطیف داور الملک

۱۳ر ذیقعدہ ۸۷۹ھ/۸۸۹ھ یکم دسمبر ۱۴۷۴ء/۱۴۸۴ء

ملک عبداللطیف بن ملک محمود آپ قریشی الاصل ہیں۔
سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں سے تھے اور قصبہ امرون میں آپ کا مزار ہے

آپ حضرت شاہ عالم کے مرید تھے اور ان سے خلافت پائی تھی اور حضرت شاہ عالم کے وضو اور پانی استنجا وغیرہ کی خدمت آپ کے سپرد تھی۔
شاہان دکن کے ایک صاحبزادے کو برص لاحق ہوا آپ کی خدمت میں اس کو لایا گیا حضرت کی توجہ سے وہ ٹھیک ہو گیا۔ جس کا قصہ یہ ہوا کہ ایک شب حضرت شاہ عالم تہجد کی نماز کے لئے وضو میں مشغول تھے ملک عبداللطیف کھڑے ہوئے تھے تو اس بچہ کو حاضر کیا گیا حضرت شاہ عالم نے ملک عبداللطیف سے فرمایا کہ اس طشت کا پانی اس بچہ کے اوپر ڈال دیں حسب حکم وہ پانی اس کے سر کے اوپر ڈال دیا گیا جو باقی بچ جائے وہ پی لے۔ وہ شہزادہ فوراً ٹھیک ہو گیا۔ اور ملک عبداللطیف سے فرمایا کہ آج سے سالار مسعود غازی کا مرتبہ بارگاہِ خداوندی سے تمہیں عطا کیا گیا ہے اسکا تصرف تمام عالم میں عموماً اور ملک دکن پر خاص طور پر ظاہر ہو گا۔
کہتے ہیں کہ جب سلطان محمود بیگڑہ کے پاس آپ نے امیر کا مرتبہ پایا اور داور الملک کے خطاب سے مشرف ہوئے تو باوجود تحمل دنیاداری کے آپ ہمیشہ صلاح و تقوی میں مصروف رہتے۔ آپ کے تقوی کا اثر آپ کی سواریوں اور گھوڑے پر بھی پڑ چکا تھا یہاں تک کہ سلطان نے آپ کو امرون کا فوجدار بنا کر بھیجا تو اکثر اوقات اس علاقے کے کفار کے ساتھ جہاد کی نیت سے غزوے اور جہاد میں

مشغول رہتے ۔ ایک روز اتفاقاً بیچ کچھ کی جانب کچھ کے رن عبور کر کے اندر داخل ہو گئے تین روز کے بعد وہاں سے واپس لوٹے جہاں قریب میں آباد جگہ ملی وہاں ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے کے لئے لیٹے اس دوران آنکھ لگی جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے ساتھیوں کے گھوڑے قریب کے کھیت میں چر رہے ہیں ساتھیوں سے کہنے لگے۔ خدا سے ڈرتے نہیں ہو کہ گھوڑوں کو دوسرے کے کھیت میں دانے چرنے کیلئے چھوڑ دیا تو وہ کہنے لگے کہ آج تیسرا دن ہے کہ سواریاں اور سوار دونوں کھانے پینے سے محروم ہیں ہم تو خود برداشت کر سکتے ہیں ۔ مگر جانور تو اس طرح خود اپنے آپ کو نہیں روک سکتا ۔ ملک عبداللطیف فرمانے لگے اگر تمہارا تحمل کرنا محض للہ ہوتا تو اس کا اثر تمہاری سواریوں پر بھی پڑتا وہ بھی تمہاری موافقت کرتیں یہ فرما کر گھوڑے کی لگام سر سے اتار دی اور اس کو کھیت میں چھوڑ دیا مگر آپ کا گھوڑا اسی طرح کھڑا رہا اور چرنے کی طرف اس نے کوئی میلان ظاہر نہیں کیا آپ نے کچھ کے علاقہ کی سرزمین کا واقعی بہت اچھی طرح بندوبست کیا کہ امرون کے قصبہ کے سرکش راجپوت اطاعت و فرمانبرداری کرنے لگے ۔

ایک روز ایک فتنہ پرداز نے ملک کے سامنے یہ بات بنائی کہ فلاں راجپوت جو میرے خاص لوگوں میں سے ہے میرے رشتہ داروں میں سے ہے اس کے پاس بےمثال تلوار ہے اگر وہ کسی وقت خدمت میں آجائے تو اس سے لے کر ملاحظہ فرمائیے دیکھنے والی ہے ۔ البتہ اس نے شرارت سے اس راجپوت سے کہا ملک تجھے مار ڈالنے کا ارادہ کرتے ہیں اور اس کی نشانی یہ ہوگی جب تو انکی خدمت میں جائے گا تو تیری ہی تلوار غلاف سے نکال کر تجھے قتل کر دیں گے ۔ یہ سنکر وہ فکرمند ہوا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جس وقت ملک تلوار میرے ہاتھ سے لے اس سے پہلے کہ اس کو غلاف سے نکالے تو پہلے ہی ان کو قتل کر دینا ۔ تو جب وہ

راجپوت ملک کے پاس پہنچا ملک عبداللطیف خالی الذہن تھے اس کی تلوار دیکھنے کے لیے قبضہ پر ہاتھ رکھا کہ فوراً راجپوت کے ہمراہیوں نے ملک کو شہید کر دیا یہ قصہ ۸۷۹ھ ۱۳ ذی قعدہ کو پیش آیا آپکی قبر اس قصبہ میں بنائی گئی۔ [۱]

نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے کہ۔

خدا نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تو شیخ عبداللہ حسینی بخاری سے بیعت ہوئے اور دنیوی مشاغل چھوڑ کر بس طریقت کے ہو گئے۔ جس کے بعد ان سے عجیب وغریب مکاشفات کا ظہور ہوا۔

آپ نے ۱۳/ ذیقعدہ ۸۸۹ھ/ یکم دسمبر ۱۴۸۴ء کو شہادت پائی۔ بعض حضرات نے آپ کی تاریخ وفات لفظ "ذیقعدہ" سے نکالی ہے۔ آپ کے مزار پر سلاطین کا تعمیر کردہ بہت بڑا گنبد ہے۔ [۲] (مرآۃ سکندری)

شیخ الاسلام خواجہ احمد بن دوسن

م ۱۲/ شوال ۸۸۵ھ - ۱۵/ دسمبر ۱۴۸۰ء

خواجہ احمد بن دوسن۔ حضرت شاہ عالم کے خلفاء عظام میں سے تھے اور جو اجازت نامہ حضرت شاہ عالم نے اپنے خط خاص سے لکھ کر ان کو مرحمت فرمایا تھا۔ اس اجازت نامہ میں آپ کا لقب "مسکین اللہ" لکھا گیا ہے جس کی نقل رد ضات شاہی کی نویں جلد میں ہے ایک دفعہ حضرت شاہ عالم خواجہ احمد صاحب کا ذکر فرما رہے تھے کہ وہ حاجت کے وقت کسی مخلوق کو زندہ سمجھتے ہی نہیں کہ اس کی طرف اپنی التجا لے کر جائیں بلکہ تمام مخلوق کو مردہ اسی وحدہ لاشریک کو زندہ شمار کرتے ہیں اس کے بعد حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ مردوں کی راہ ہے۔ اس راہ میں جو شجاعت

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۵۔ [۲] نزہۃ الخواطر ص۱۲۵۔

اور بہادری برتتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے اور بزدل خاسر رہتا ہے ۔ اس کے بعد عربی کے چند اشعار پڑھے اور فرمایا کہ فقر کی تلوار کھانا کچھ آسان نہیں ہے مرید صادق کے لیے ایک سچی ارادت ضروری ہے اس کے بعد یہ فارسی کا شعر پڑھا ۔ ؎

معشوق از دو عالم چوں فرو شد بخوبی — عاشق نباید الا از ہر دو کون فردی

ہر دو بہی نیارد در راہ عشق رفتن — در راہ عشق باید مردی و شیر مردی

آپ تیرہ[۱۳] شوال ۸۸۵ھ مطابق ۱۵ر دسمبر ۱۴۸۰ء کو مالک حقیقی سے جاملے اور احمدآباد کے قلعہ شاہپور کے دروازے کے پاس دفن ہوئے ۔ [۱]

حضرت مولانا محمد صدیق رح

متوفی ۱۴ر ذیقعد ۸۷۹ھ ۲۱ر مارچ ۱۴۷۵ء

آپ کا مولد ملتان ہے ۔ علم و عرفان سے لیس ہوکر آپ نے سندھ کو میدان عمل بنایا جہاں قبیلہ جام میں سے جام جوناں آپ کی توجہات عالیہ سے منصب خلافت تک پہنچ گئے ۔ مگر قبیلہ جام کی باہمی چپقلش شیخ محمد صدیق اور آپ کے خلیفہ جام جوناں کو مع اہل و عیال گجرات لے آئی ۔ رفقائے سفر میں آپ کے خلیفہ خاص شیخ عبداللہ بھی تھے ۔ یہ تمام نو واردین احمدآباد پہنچ کر حضرت شاہ عالم کے دامن عقیدت سے وابستہ ہوگئے ۔ یہاں تک کہ تینوں نے حضرت شاہ عالم سے خلافت بھی پائی ۔ اور جام جوناں کی صاحبزادی کو شاہ عالم نے اپنی حرم کیلئے قبول فرمایا جس سے قرابت و مصاہرت بھی استوار ہوگئی ۔

یاد رہے کہ جام جوناں سلطان محمود ابن سلطان محمد کے نانا تھے جیسا کہ آپ

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۵۴ ۔

شاہ بھیکن کے بھی رشتہ میں نانا تھے ۔ اور آپ کی رہائش گاہ سابرمتی کے کنارے اساول میں قلعہ نما ہے جو ملک کوٹ کے نام سے مشہور ہے ۔

شیخ محمد صدیق کی ابدی آرام گاہ بھی چودہ ذی قعدہ ۹۰۸ھ کو ۲۱ مارچ ۱۵۰۲ء اسی کے قریب قرار پائی ۔

شیخ عبداللہ بھی اپنے مرشد ازل کے پہلو میں آرام فرما ہیں ۔[۱]

ملک محمد اختیار اور شیخ کبیر الدین

ملک محمد اختیار سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں سے ایک امیر تھے ۔ جب سلطان محمود بیگڑہ تخت نشین ہوئے اور تمام امراء کو خان کا خطاب دیا تو ملک محمد نے یہ خطاب اپنے لئے اختیار نہیں کیا اور عرض کیا کہ میرا نام محمد ہے اس سے بہتر خطاب اور کونسا ہو سکتا ہے ۔ ایک روز ملک محمد اختیار پالکی پر سوار ہو کر مٹھا پور کی طرف جا رہے تھے ۔ گرمی کا زمانہ تھا ، تھوڑی دیر کے لئے املی کے درخت کے نیچے ٹھہر گئے ۔ دیکھا کہ ایک مسجد کے کونے میں بیٹھ کر ایک بزرگ بچوں کی تعلیم میں مشغول ہیں یہ شیخ کبیر الدین تھے جن کا اسم گرامی سلطان التارکین ۔ شیخ حمید الدین ناگوری تھا ۔ ملک تھوڑے دیر سونے کے بعد اٹھے اور نماز اس شیخ کی امامت میں ادا کی فارغ ہونے کے بعد شیخ کی نگاہ کرم ملک اختیار پر پڑی ایک ہی نگاہ میں شیخ نے ملک محمد کو اپنی طرف کھینچ لیا ۔ تھوڑی دیر کے لئے تو ملک کے ہوش و حواس گم ہو گئے ۔ جب ہوش آیا تو اپنے گھر واپس لوٹ گئے ۔ علی الصباح دوبارہ اس طرف کو پہنچے اور اس طرح شیخ کی خدمت میں برابر آنے جانے لگے شیخ نے ایک دفعہ خلوت میں فرمایا کہ آپ کے ساتھ تو دنیا داری بہت لگی ہوئی ہے ۔ یہاں آپ کس تقریب سے تشریف لا رہے

---

[۱] اکابرین گجرات صفحہ ۲۴

ہیں اور اس دوران آپ نے اپنے اہم کاموں کو بھی چھوڑ رکھا ہے اگر آپ کو خدا طلبی کا داعیہ ہے تو پھر سوئی اللہ سے دست بردار ہونا ہوگا ورنہ پھر دردِ سری کی ضرورت نہیں ملک نے عرض کیا کہ آج میں اپنے دل سے مشورہ کرونگا دیکھتا ہوں کہ کس طرف میرا نصیب رہنمائی کرتا ہے ۔ حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے ایسا ہی ہو جائے ملک اپنے گھر آئے اور تمام اہل حق کے حقوق مع زیادتی کے اپنی طرف سے ادا کر دئے اور جتنی مملوکات جاریات اور باندیاں تھیں ان کو بلا کر جو کسی سے نکاح کا تعلق قائم کرنا چاہتی تھی ان کا نکاح کرا دیا ان کے نکاح کا انتظام کر دیا اور جو آزاد ہونا چاہتی تھی ان کو آزاد کر دیا اور سارا حساب کتاب سلطان کے حوالے کر کے عرض کیا کہ اب مجھے کسی چیز کی آرزو باقی نہیں اب میں دنیا سے دست کش ہونا چاہتا ہوں

یہ تمام چیزیں جس کو چاہیں آپ پہنچا دیں ۔ سلطان سمجھے کہ شاید کسی بات سے آپ رنجیدہ ہیں بہت زیادہ دلجوئی کی کوشش کی ملک کہنے لگے کہ عمر کا ایک حصہ میں نے سلطان کی خدمت انجام دی اب میں چاہتا ہوں کہ کسی ایسے کی خدمت میں رہوں جنہوں نے محذوبیت کی خلع خود سلطان کے سر پر رکھی ہے اور ان کو سب کا مخدوم بنایا ہے یہ کہا اور اٹھ کر اپنے گھر واپس چلے آئے ۔ سلطان نے دریا خاں کو اور علی خاں کو جو ملک محمد اختیار کے دوستوں میں سے تھے ان کو بلایا اور ان کے سامنے ماجرا بیان کیا ۔ دونوں نے عرض کیا ہم جا کر انہیں سمجھاتے ہیں سلطان نے معافی نامہ جو ملک نے دیا تھا وہ ان کے حوالے کیا یہ دونوں حضرات ملک کے گھر پہونچے ملک ان کا مقصد سمجھ گئے اور فرمایا کہ تم تھوڑی دیر ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں ملک نے نائی کو بلایا اور فرمایا کہ میری حجامت بنا دو ۔ اس کے بعد فرمایا بالوں کو دیکھتے ہوئے کہ یہ سب حرام غذا سے پرورش پائے ہوئے ہیں ، دنیا کے ساتھ اس حرام غذا سے پرورش

بافتہ بالوں کو بھی الوداع کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اپنی اہلیہ کو بلایا اور فرمایا جو کچھ
تمہاری ملک میں ہے وہ تو اپنے حال پر ہے تم کو میں رخصت کرتا ہوں اپنے والدین
کے گھر جاؤ۔ اگر نکاح کی خواہش ہو تو پھر نکاح کا اختیار بھی نہیں باقی ہے ہم خدا کی
راہ میں تمام علائق اور تعلقات کو چھوڑتے ہیں۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ اگر اس رستہ
کا سلوک میری جدائی ہی کے ساتھ مشروط ہے تب تو میں کیا کہہ سکتی ہوں ورنہ جس
رستہ پر تم قدم رکھو گے مجھے اپناسایہ تصور کر لیجیے کہ سایہ کی طرح میں آپ کے
ساتھ ہی رہونگی، چوں سایہ ہمرہیم ہر سو روان شدی۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ
فانی دولت کے زمانے میں تو میں آپ کی یارِ جانی کہلاؤں اور دولت جاودانی
کے حصول کے وقت میں آپ سے جدائی اختیار کروں ملک نے فرمایا کہ اگر موافقت
چاہتی ہو تو موافقت کر سکتی ہو۔ لیکن یہ زیور زر وجواہرات سب کو اپنے آپ سے

دور کردو اور اپنا لباس بدل کر کنیز کا لباس پہن لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اس کے
بعد ملک نے اپنی اہلیہ کا ہاتھ پکڑا اور دریا خاں الف خاں کے سامنے مجلس میں سے
گذر کر شیخ کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ ساتھیوں نے جب یہ حال
مشاہدہ کیا تو حیران رہ گئے اور جا کر سلطان سے واقعہ عرض کیا اور کہا کہ معلوم ہوتا
ہے کہ ان کو آسیب لگ گیا ہے۔ اور جنون طاری ہو گیا ہے۔ ملک اسی حال میں
شیخ کی خدمت میں پہنچے دیکھ کر شیخ نے فرمایا خوش آمدی وخوش آمدمرا ازآمدنت،
ہزار جان گرامی فدائے ہر قدمت۔ شیخ اٹھے اور ملک کی اہلیہ کو اپنے بچوں کے پاس
لے گئے اور فرمایا کہ اس کو زمانے کے ابراہیم بن ادہم کی اہلیہ سمجھو۔ اور اس کی صحبت
کو غنیمت سمجھو اور ان کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد
شیخ ملک محمد اختیار کی ارشاد، رہنمائی اور سلوک کی طرف توجہ فرما ہوئے۔ ملک

نے طریقت مقدم رکھا۔ سلوک طے کرنے لگے ۔ کہتے ہیں کہ روزانہ پانی سے بھرا ہوا کوزہ سر پر رکھکر دریائے سابرمتی سے پانی آپ لے کر بازار میں سے ہوکر گذرتے اور شیخ کے یہاں پہنچاتے ملک کو اس حال میں دیکھ کر لوگ دیوانگی اور حماقت سمجھتے مگر

چند دنوں ہی بعد ان عوام کا رویہ بدل گیا اور وہ ملک پر فریفتہ ہوگئے آپ پر فدا ہونے لگے ۔ ہزاروں کی تعداد میں مخلوق آپ کی دست بوسی اور پیر بوسی کے لیے ملک محمد اختیار کے پاس آنے لگی ۔ اس طرح کی یہ شہرت جب شیخ کو ناپسند ہوئی تو ملک نے اس کی تدبیر یہ کی کہ لوگوں سے چیزیں لینی شروع کیں دوسری طرف اگرچہ دوسروں کو دے دیتے تھے مگر اس طرح رفتہ رفتہ مخلوق کو آپ سے تنفر ہوگیا اور جو آپ ان کو بھگانا چاہتے تھے وہ مقصد حاصل ہوگیا اس کے بعد روحانی ترقی خوب ہوئی ۔ اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے آپ کو محمد اختیار کا خطاب ملا جو یہ مشہور رہا ۔ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم بخاری کے مریدوں میں سے ایک

ملک محمد اختیار کی خدمت میں عقیدت مندی سے حاضری دینے لگا کسی نے حضرت شاہ عالم سے عرض کیا کہ فلاں مرید ملک محمد اختیار کی خدمت میں جاتا ہے اور ان سے بہت کا طالب ہے ۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ فکر کی ضرورت نہیں اور یہ شعر انہوں نے پڑھا ۔ ؎

ہر کہ را باشد دو عالم بختیار　　　او کند خدمتِ محمدؐ اختیار !

ایک روز حضرت شاہ عالم کی اتفاق سے راستہ میں ملک محمد اختیار سے ملاقات ہوگئی ۔ دونوں نے ایک دوسرے سے خرقہ طلب کیا ۔ ملک محمد کہنے لگے کہ عطا تو شاہوں کی طرف سے ہونی چاہیئے ۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ ملک بھی انہی میں ہیں آخر میں حضرت شاہ عالم نے پیراہن ملک محمد کو عطا فرمایا اور ملک محمد نے اپنی کلاہ

حضرت شاہ عالم کو عطا کی، حضرت شیخ کبیر الدین اور ملک محمد اختیار دونوں کی قبر
راجپور اور سرسپور کے درمیان بوا ہیر کے مقبرہ سے متصل واقع ہے
خاتمہ برات احمدی ص۹۸

احمد میاں مخدوم

(متوفی ۲۲ ربیع الاول ۸۸۲ھ/۳ جولائی ۱۴۷۷ء)

شیخ میاں مخدوم احمد بن برہان بن ابراہیم بن محمد خان غوری آپ کے والد محترم برہان شیخ احمد کھٹو کے عقیدت مند تھے، جن سے آپ نے اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی، شیخ احمد کھٹو نے لڑکے کی خوشخبری دیکر فرمایا کہ ہمارے نام پر اس کا نام احمد رکھنا. چنانچہ ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء میں آپ کی ولادت ہوئی اور حفظ قرآن کے بعد حضرت شاہ عالم سے تعلق ارادت قائم کیا، اور علمی سلسلہ مولانا صدر جہاں سے جوڑا اور علوم و فنون سے فراغت کے بعد چند سال مشغل دنیوی کے بعد تمام علائق کو خیر آباد کہہ کر دس سال سے زیادہ عرصہ خلوت و ریاضت میں گذرا۔

شاہ عالم کی وفات کے دو سال بعد ۲۲ ربیع الاول ۸۸۲ھ ۳ جولائی ۱۴۷۷ء میں آپ نے اس عالم ہست و بو کو خیر آباد کیا، راجپور احمد آباد میں خانقاہ و مسجد کے نزدیک آپ کی قبر بنائی گئی۔

گ ۴۶۲ھ، تاریخ دکن۔

قاضی سید اسمٰعیل اصفہانی رح

(م ۲۶ ربیع الاوّل ۸۶۵ھ ۸ جنوری ۱۴۶۱ء)

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں شیخ فاضل قاضی اسماعیل بن عبداللہ اصفہانی فقہ واصول میں یکتائے زمانہ تھے بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ گجرات تشریف لے آئے اور اپنے والد کے سوا دوسرے علمائے گجرات سے بھی پڑھا۔ آپ بھروچ میں قاضی مقرر ہوئے جہاں برسوں دادِ انصاف دیتے رہے پھر بعہد سلطان محمود الکبیر احمد آباد کی قضا تفویض ہوئی اور یہاں بھی سالہا سال تک اس منصب پر متمکن رہے۔

طریقت میں شیخ محمد بن عبداللہ الحسینی گجراتی سے فیض حاصل کیا۔ آخر ۲۶/ ربیع الاول ۸۶۵ھ ۸ جنوری ۱۴۶۱ء کو آسودۂ لحد ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔[1]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں لکھا ہے کہ:

قاضی سید اسمٰعیل اصفہانی بن سید برہان قدس سرہٗ۔ نہایت متقی اور باوقار تھے۔ بندر بھروچ کے قضا کی خدمت آپ کے سپرد تھی جب حضرت شاہ عالم کو نذربار اور سلطانپور کے ارادے سے اس طرف سفر کا اتفاق پیش آیا تو قاضی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت سے تعلق ارادت قائم کیا۔ اور فقرا شاہی کے رنگ میں رنگے گئے۔ ایک روز مجلس عالی میں حاضر تھے کہ شراب طہور کا ذکر آیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا۔ تو قاضی نے ازروئے شوق یہ سوال کیا۔ آیا شراب طہور کا خارج میں وجود ہے اس کو پیا جاسکتا

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۳ صـ۳۲ ـ ۲۹

ہے یا اس سے مراد محبت اور معرفت ہے اور اس کی صورتاً سقی میسر آسکتی ہے یا صرف قابلیت اور استعداد کو کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ عالم نے تبسم فرمایا کہ جی ہاں اس کا خارج میں بھی وجود ہے اور اس کا پینا ممکن ہے۔ قاضی نے عرض کیا کہ اگر اس کا پینا عالم میں ممکن ہے تو پھر آنحضرت کو تو ضرور میسر ہو گی مجھے امید ہے کہ اسکا ایک آدھ گھونٹ مجھے بھی نصیب ہو جائے۔ تو حضرت شاہ عالم نے فرمایا بہت خوب چند رات بطریق التزام تہجد کے وقت ہمارے پاس آیا کرو شاید کچھ حصہ پاؤ۔ قاضی حسب الحکم اس وقت حاضر ہونے لگے اور اس وقت کے منتظر رہے جب اس کا وقت قریب آیا اور حضرت شاہ عالم نے ایک شب اس کا ایک قطرہ قاضی کے حلق میں ٹپکادیا قاضی کہتے ہیں کہ پہلے اس شراب کی مستی طاری ہوئی اس طرح پر کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہشت و دوزخ کے حالات مجھ پر منکشف کر دیئے۔

جب قاضی صاحب ارادت مندوں کی صف میں آگئے تو آپ نے قضا کی حالت میں عمامہ کا شملہ جو لمبا چھوڑتے تھے اس کو موقوف کر دیا تو ایک روز حضرت شاہ عالم نے قاضی سے فرمایا تم نے شملہ لٹکانا کیوں موقوف کر دیا کہ پہلے تو آپ ارسالِ شملہ کرتے تھے۔ لوگ سمجھیں گے کہ ارشاد و تصوف سے ارسال شملہ کا کوئی خاص بھید ہو گا۔ ایک ہفتہ کے بعد سلطان محمود حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی قاضی سید اسمٰعیل کو حکم ہوا کہ وہ احمد آباد کی قضا قبول فرمائیں ورنہ یہ شہر ویران ہونے کو ہے۔ حضرت شاہ عالم نے ان سے فرمایا کہ چند روز عوام کی مصلحت کی خاطر تقلید قضا ضرور کیجئے۔ قاضی نے استعفار دے دیا اور کہنے لگے۔ ؎

لذت دیوانگاں را دیدہ ام ! بادشہ مم باز اگر عاقل شوم

حضرت شاہ عالم نے بہت تاکید سے فرمایا کہ تمہیں قبول کرنی ہوگی مجبوراً قاضی نے عرض کیا کہ میں قبول کرتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ حق تعالیٰ شانہ اس ذوق و حال کو کہ جواب مجھے عنایت ہوا ہے وہ مرنے سے پہلے پھر مجھے حاصل ہو جائے اور عود کر آئے حضرت شاہ عالم نے کچھ دیر تامل فرمایا پھر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ شانہ سے درخواست کی گئی کہ آپ کو اس حالت میں پھر واپس لوٹائے اور فقراء کے زمرے میں آپ کا حشر فرمائے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم کی جنازے کی امامت قاضی سید اسمٰعیل ہی نے فرمائی تھی۔ آپ کی قبر احمد آباد میں اندو پور میں واقع ہے۔ [۱]

مولانا صدر جہاں حسام الدین

گجرات میں بنبانی خاندان علم و فضل میں بہت مشہور تھا۔ اس خاندان میں مولانا فیض اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، مولانا زین العابدین، مولانا حسام الدین قاضی صدر الدین، اور مولانا منہاج الدین بن صدر الدین بڑے پایہ کے عالم اور مصنف گذرے ہیں۔

صدر جہاں قاضی صدر الدین کا اصل وطن چاپانیر تھا لیکن بود و باش احمد آباد میں تھی۔ اور مدرسہ بھی یہیں تھا۔ [۲]

آپ حضرت شاہ عالم کے معاصر ہیں۔ آپ کا مزار نور گنج میں واقع ہے۔ مولانا صدر جہاں جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور متقیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان سے سبق پڑھنے کے لئے روز مولانا میاں مخدوم صاحبزادہ شاہ عالم ان کے پاس جاتے اور جب حضرت شاہ عالم کے احوال ان کے

---

[۱] خاتمہ مرآت احمدی ص۵۵۔ [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۰۲، ۲۰۱۔

سامنے بیان کئے جاتے تو بے ادبی سے اس کا انکار کرتے تھے۔ میاں مخدوم اپنے دل میں عہد کرتے تھے کہ دوبارہ اب مولانا کے ساتھ نہیں آئیں گے۔ لیکن جب حضرت شاہ عالم کی خدمت میں جاتے تو تبسم فرماتے ہوئے پوچھتے کہ آج میاں مخدوم تم مولانا کے پاس گئے۔ سبق پڑھا وہ عرض کرتے کہ جی ہاں شاہ عالم فرماتے کہ مولانا کی صحبت ہرگز ترک نہ کرنا۔ بہت زیادہ مفید ہے، اور مولانا کا وجود اس زمانے بہت غنیمت ہے اس بنا پر میاں مخدوم کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ مولانا کے پاس جائیں۔ غرضیکہ یہ قضیہ بار بار پیش آتا رہتا۔ یہاں تک کہ ایک روز مولانا نے اس معاملہ میں بہت زیادہ مبالغہ کیا اور میاں مخدوم پر گریہ طاری ہو گیا اور زار و قطار رونے لگے مولانا نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ مجھے آپ کے احوال پر رونا آتا ہے کہ سید جو صحیح النسب بھی ہیں اور جو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احوال، افعال، اقوال کے متبع آپ کے زمانے میں آپ کے شہر میں موجود ہیں اور آپ ان کی خدمت سے محروم ہیں بلکہ ان کے انکار میں مبتلا ہیں۔ مولانا نے کچھ دیر تامل فرمایا اور کہنے لگے کہ اگر تمہارے پیر ہمارے ساتھ چار شرطیں منظور کر لیں تو میں انکی زیارت کے لئے آسکتا ہوں پہلی شرط یہ کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ وہ ریشمی لباس پہنتے ہیں۔ جس روز میں آؤں اس روز مسنون لباس پہنیں دوسرے یہ کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کا بستر زر بفت کا ہوتا ہے۔ جس روز میں آؤں تو یہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ میاں مخدوم کہنے لگے کہ ہمیشہ ان کا لباس اور ان کا فرش بستر مسنون ہوتا ہے اور جس لباس کے ساتھ وہ خلوت میں ہوتے ہیں اسی لباس کیساتھ وہ باہر آتے ہیں اور باہر آنے کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ للمالک الذی یتصرف فی ملکہ کیف یشاء کے تقاضہ کے موافق وہی لباس لوگوں کے نظروں میں ریشم معلوم ہوتا ہے۔ مولانا نے کہا کہ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ علمی گفتگو کریں اور ایسا

مسئلہ ذکر کریں کہ جو محصّلین کے درمیان بالفعل متداول نہ ہو اور علماء کے درمیان مشہور نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ الوداع کے وقت ہر شخص کو کچھ نہ کچھ نقدی وہ عطار فرماتے ہیں تو وہ مجھے نہ دیں کہ معیشت کی کوئی وجہ معین اور کمائی کا کوئی ظاہری طریقہ وہ رکھتے نہیں ہے۔ بلکہ جناتوں کو تابع کیا ہوگا اور جنات لوگوں کے مال سے چرا کر لاتے ہوں گے اور وہ حرام مال ہے۔ اگر یہ چاروں شرطیں قبول کریں تو میں آسکتا ہوں میاں مخدوم نے عرض کیا کہ بسم اللہ سوار ہو جایئے کہ الخیر لا یؤخر۔ مولانا نے فرمایا کہ پہلے تم جاؤ اور معلوم کرو کہ اگر وہ قبول کرتے ہیں۔ میاں مخدوم کہنے لگے کہ جیسے ہی آپ نے یہ شرائط اپنے دل میں سوچی ہیں حق تعالیٰ نے ان کو اس پر مطلع کر دیا ہے پیغام پہنچانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مولانا کہنے لگا کہ اللہ! تمہارا ان کے متعلق ایسا اعتقاد ہے غرض کہ مولانا اور میاں مخدوم سوار ہو کر شہر سے رسول آباد پہونچے۔ مولانا کہتے ہیں کہ تم پہلے چلے جاؤ اور خبر کردو میاں مخدوم کہنے لگے کہ اگر میں جاؤں گا تو تمہیں یہ خیال گزرے گا کہ میں نے ان کو اطلاع کر دی ہے اس لئے پہنچ کر ان حضرات نے دربان سے کہا کہ اندر خبر کردو۔ دربان نے خبر کر دی۔ جواب آیا کہ دیوان خانہ میں بیٹھو۔ جب یہ حضرات دیوان خانے میں پہنچے تو دیکھا کہ بورئے کا فرش بچھا ہوا ہے جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے ہیں اور کھجور کے پتوں سے وہ بنا ہوا ہے مولانا میاں مخدوم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ یہ ایک شرط تو اپنے آپ ہی پوری ہو گئی۔ میاں مخدوم کہنے لگے انشاء اللہ تمام شرطیں اسی طرح پوری ہو جائیں گی۔ جب تھوڑی دیر کے بعد حضرت شاہ عالم تشریف لانے سامنے پہنچے دیکھا کہ ایک لنگی باندھے ہوئے ہیں اور کمبل کا اُدلی کرتا پہنے ہوئے ہیں اور اس کمبل کا ایک دستار سر پر باندھے ہوئے ہیں۔ اشارہ کر کے میاں مخدوم کو مولانا کہنے لگے کہ دو شرطیں یہ ہوگئیں حضرت شاہ عالم مولانا سے پوچھنے لگے کہ حق تعالیٰ شانہ کی رؤیت ملائکہ کو بھی ہوگی

یا نہیں۔ مولانا کہنے لگے کہ نہیں فرمایا قرآن پاک کی آیت ہے فَمَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّہٖ اَحَدًا یہ تو خود عام ہے کس وجہ سے ان کو حق تعالیٰ شانہٗ کی رویت نہیں ہوگی؟ مولانا نے عرض کیا کہ ملائکہ لطیف ہیں حق تعالیٰ شانہٗ کی تجلیات کی تاب نہیں رکھ سکتے اور بشر اپنی کثافت کیوجہ سے تجلی کی تاب کی طاقت رکھتے ہیں حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ وہ حکیم مطلق جو انسانوں کی کثافت کے واسطے سے رویت کی قدرت دے سکتا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ دوسرے امر کے ذریعہ ملائکہ کو بھی اس کی قدرت دیدے مولانا نے عرض کیا کہ ہم تو نقل کی اتباع کرنے والے ہیں اور سلف سے منقول اس بارے میں کوئی چیز آئی نہیں۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ امام فخر الدین رازی نے ایک رسالہ اثبات رویت میں تحریر فرمایا ہے اور اس میں فرماتے ہیں کہ الرؤیة ثابتة لجبرئیل ولمیکائیل ولاسرافیل ولعزرائیل ولحملة العرش ولسائر الملائکة کافةً۔ اور رسالہ منگوا کر تصحیح نقل بھی فرمائی۔ مولانا کہنے لگے کہ یہ رسالہ اور یہ نقل اب تک میں نے دیکھی نہیں تھی۔ حضرت شاہ عالم فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں و لو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ذوالقرنینؑ کو بسطِ رزق عطا کیا گیا تھا بغاوت تو کجا وہ تو کمال اطاعت اور کمال انقیاد رکھتے تھے۔ پس بغی فی الارض اور بسطِ رزق کے درمیان تلازم کی صورت کیسے ممکن ہو سکے گی۔ مولانا نے اس کا کوئی جواب دیا۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ یہ جواب فلاں تفسیر میں مذکور ہے اور اس بارے میں یہ بحث میرے خیال میں آتی ہے اور وہ بیان فرمائی۔ مولانا اس بحث کا جواب نہ سمجھ سکے کوئی دوسرا جواب دیا اس کو بھی حضرت شاہ عالم نے کسی دوسری تفسیر کا حوالہ دیکر رد فرما دیا یہاں تک کہ مولانا نے دس جواب نقل کئے۔ حضرت شاہ عالم نے دسوں دس جوابات کو تفاسیر میں ان کا حوالہ ذکر کر کے اس پر بحث قائم کر کے

ان پر اعتراض کرکے ان کو رد فرما دیا بالآخر مولانا عاجز ہو گئے اور خود حضرت شاہ عالم سے رفع اشکال کے لیے عرض کیا کہ آپ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ کتب عربیہ میں مقرر ہے کہ جب فعل کی اسناد کسی فاعل پر ظاہر کرتے ہیں تو ہونا یہ چاہیئے کہ وہ فعل اس فاعل کا محتاج ہو جیسا کہ بنی الامیر المدینۃ یہ اس وقت کہیں گے کہ بنائے مدینۂ عظیم وہ امیر کی قدر و منزلت کا محتاج ہو جیسا کہ یہاں پر حق تعالیٰ شانہ نے بَسَطْتُ بَسَطْنا بُسِطَ نہیں فرمایا بلکہ و لو بسط اللہ فرمایا پس وہ بسط جو حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کا محتاج ہوگا وہ بغی کو مستلزم ہوگا اور ملازمت درست ہو گی۔

اس لیے کہ اس جیسا بسط خود اب تک وجود میں نہیں آیا کہ اگر سات ہزار عالم ستر کروڑ در ستر کروڑ عالم کسی کو دے دیں پھر بھی حق تعالیٰ کی قدرت میں وہ کوئی چیز نہیں۔ مولانا نے اس جواب کی تحسین فرمائی کہنے لگے کہ یہ تو حضرت کو علم لدنی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ عالم فرمانے لگے کہ تم اپنے ایک کلمہ لدنی کے ذریعے میری اس مشقت کو کیوں ضائع کر رہے ہو یہ فرما کر مطالعہ کے وقت ہاتھ ٹیکنے کی وجہ سے جو گھٹے پڑ گئے تھے وہ دکھائے۔ مولانا رخصت ہو کر جب دہلیز پر پہنچے تو اپنی چادر کے کونے پر بوجھ محسوس کیا۔ دیکھا تو مٹھی بھر سونا ساتھ باندھا ہوا تھا۔ میاں مخدوم سے ایک طرف منہ کرکے فرمانے لگے کہ تین شرطیں تو پوری ہوئیں۔ اور چوتھی پوری نہیں تو یہ سونا کاٹ لو میاں مخدوم نے کہا زیادہ امتحان نہ لیجیے سوئے ادب کو چھوڑ دیجیے۔ بے ادبی چھوڑ دیجیے اور یہ سونا لے لیجیے مولانا کہنے لگے کہ یہ نہیں ہو سکتا البتہ ضرور یہ سونا کاٹ لو میاں مخدوم کہنے لگے کہ! جب تک میں جواب لے کر آتا ہوں آپ یہیں پر منتظر رہیے مولانا دہلیز پر بیٹھ گئے اور میاں مخدوم نے اندر جا کر ماجرا عرض کیا۔ حضرت شاہ عالم فرمانے لگے کہ مولانا سے کہیے کہ آپ عالم ہیں مفتی شہر ہیں اگر ہمیں فتویٰ کی حاجت پڑتی ہے تو ہمیں چاہیئے کہ آپ سے آپ سے استفسار کریں آپ سے پوچھیں۔ آپ خود منصف بن کر انصاف کیجیے کہ یہ سونا

مقبرہ حضرت گنج احمدؒ، عرف شیخ احمد کھٹوؒ، سرخیز، احمد آباد

مقبرہ حضرت گنج احمدؒ، عرف شیخ احمد کھٹوؒ، سرخیز، احمد آباد

مقبرہ حضرت شاہ قطب عالمؒ، والد محترم حضرت شاہ عالمؒ، وٹوا، احمد آباد
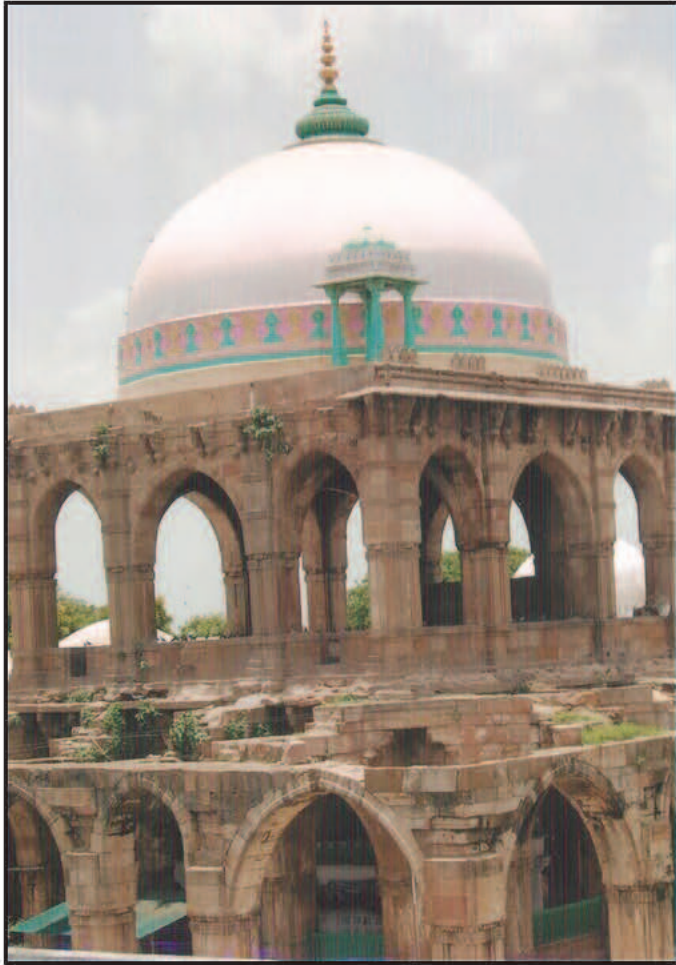
مزار حضرت شاہ قطب عالمؒ، وٹوا، احمد آباد

صدر دروازہ، مقبرہ حضرت قطب عالمؒ، وٹوا، احمد آباد

مقبرہ حضرت سلطان عالمؒ، حضرت قطب عالمؒ کے پوتے، وٹوا، احمد آباد

مقبرہ حضرت شمع برہانیؒ، عثمان پورہ، احمد آباد
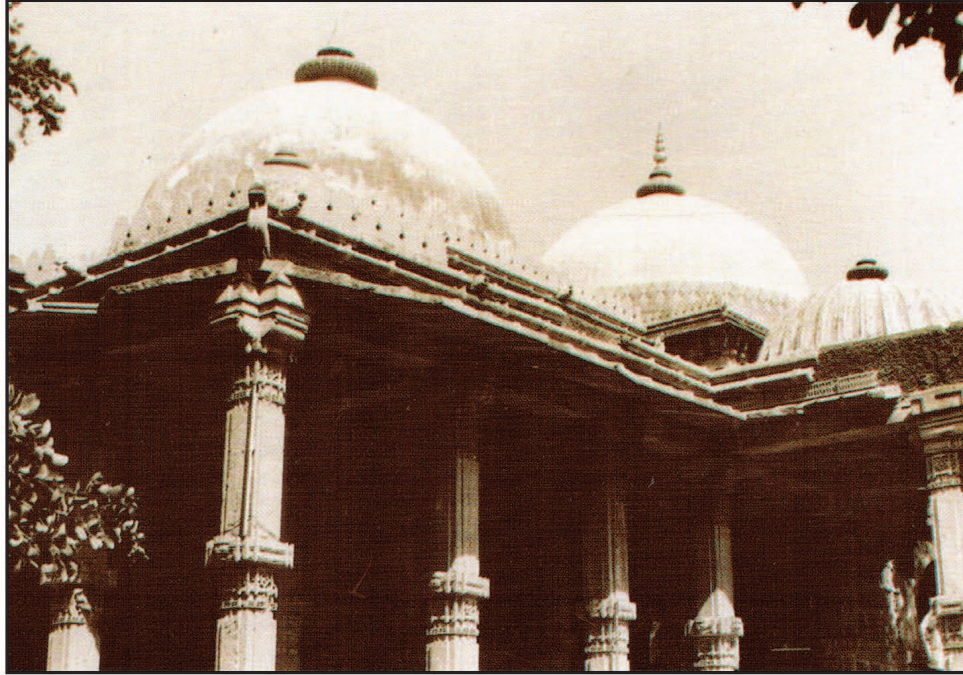
مقبرہ حضرت قدم رسولؐ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد

تین دروازہ، احمد آباد

پانچ کنواں دروازہ، احمد آباد
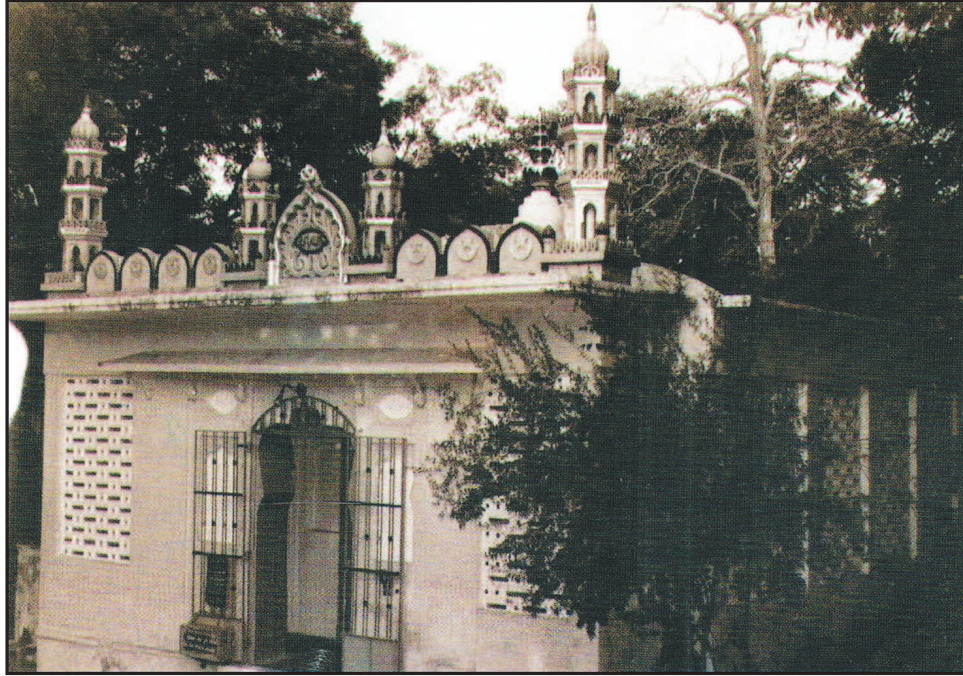
مزار حضرت موسیٰ سہاگ، دلی دروازہ، شاہی باغ، احمد آباد

مقبرہ حضرت شاہ وجیہ الدین علویؒ، خان پور، لال دروازہ، احمد آباد

مقبرہ حضرت شاہ عالمؒ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد

مزار مبارک حضرت شاہ عالمؒ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد

میں نے تمہیں دیا ہے۔ یا میرے کسی آدمی نے تمہیں دیا ہے یا آپ اپنے گھر سے اٹھا کر اس کو لائے ہو۔ ان صورتوں میں اس کا لینا میرے لئے کیسے روا اور جائز ہو سکتا ہے۔ وہ خالق تعالیٰ جو سونے کو کانوں میں معدنوں میں پیدا کرتا ہے، وہ چادر کے کونے میں بھی پیدا کرسکتا ہے لہٰذا اب اسکا لینا آپ کیلئے اولیٰ ہوگا یا میرے لئے آپ مجھے ہبہ کردیں تو میں لے سکتا ہوں میاں مخدوم نے آکر مولانا سے پیغام پہنچایا۔ مولانا اس سونے کو لے کر کہنے لگے کہ میاں تمہارے پیر جیسے طریقت میں کامل ہیں اسی طرح شریعت میں بھی کامل ہیں۔ اس روز سے پھر برابر پابندی سے مولانا خدمت میں حاضر ہونے لگے اور اپنے دامن کو فیوض سے بھرنے لگے۔ [1]

زگردکوئی خوباں میفشاندم دامن تقویٰ
چہ دانستم کہ روزی خواہم آزاتوتیاکردن

صدرجہاں کا مدرسہ

گجرات میں بنبانی ایک مشہور خاندان گذرا ہے جس کے زیادہ تر افراد اہلِ علم اور مصنّف ہوئے ہیں اور ان کی تصانیف گجرات کے تمام مدارس میں زیر درس رہی ہیں۔ اسی خاندان کے گل سرسبز قاضی صدرالدین کے لڑکے ملک القضاۃ صدرجہاں حسام الدین بنبانی تھے جو بڑے جید عالم اور فاضل تھے۔ ان کا ایک مدرسہ تھا جو سلطان محمود اعظم کے عہد تک قائم تھا۔ اس خاندان کے لوگوں کی کتابیں زیادہ تر فنِ تفسیر، نحو، ادب اور حدیث میں ہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ اس مدرسہ میں انہی علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ حضرت شاہ عالم کے صاحبزادہ میاں مخدوم اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی صفحہ ۹۸۔

مولانا شیخ احمد

م ۹۰۸ ھ تقریباً

مولانا شیخ احمد جو میاں مخدوم کے لقب سے مشہور ہوئے ہیں آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے ۔ احمد بن برہان بن ابو محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن محمد خان غوری جو سلطان دہلی کے حکم سے یہ محمد خاں غوری ناگورہ حکومت کی اور یہ سلطان محمد غوری سلطان معزالدین محمد کی اولاد میں سے ہیں جو سلطان شہاب الدین محمد غوری کے نام سے مشہور ہے جو سب سے پہلے بادشاہ ہیں ۔ جو غزنی سے ہندوستان آئے اور اس علاقہ کو نور اسلام سے منور فرمایا ۔ کہتے ہیں کہ میاں مخدوم شیخ برہان الدین کے یہاں لڑکا نہیں تھا ۔ حضرت شیخ احمد کھٹو کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھے لڑکا مرحمت فرمائے ۔ حضرت شیخ احمد کھٹو نے لڑکے کی بشارت دی اور فرمایا کہ فرزند نرینہ ہوگا ، لڑکا ہوگا ۔ اس کو میرے نام (احمد) سے موسوم کرنا اور اس کو بزرگی کا مرتبہ بھی نصیب ہوگا ۔ حضرت شیخ احمد میاں مخدوم نے ظاہری علوم مولانا صدر جہاں سے حاصل کیے ۔ بارہ سال کی عمر میں حضرت شاہ عالم قدس سرہٗ سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل کیا بارہ سال حضرت شاہ عالم کی خدمت میں گزارے اور دوسرے بارہ سال حضرت کے ظاہری و باطنی امور کے شغل اور حضرت کی طرف سے وزارت میں اور خانقاہی اور گھریلو کاموں کے ادا کرنے میں گذارے ۔ کہتے ہیں حضرت سے ارادت قائم کرنے کے بعد ہاتھ کو کبھی زیر ناف تک نہیں لیگئے حتیٰ کے سونے کی حالت میں بھی ہاتھ کو گردن سے لپیٹ کر سوتے ۔

اور رسول آباد میں سکونت پذیر ہونے کے باوجود ادب کے خاطر استنجاء اور پاخانہ سے فراغت اس جگہ کبھی نہیں کرتے تھے ۔ حضرت شاہ عالم کے وصال

کے بعد دس سال بقیدِ حیات رہے اور چونسٹھ سال عمر گذار کر ۲۲ ربیع الثانی کو آپ نے انتقال فرمایا۔ تاریخی کلمہ بعضوں نے "اخیرالاولیاء" کہا ہے۔
احمدآباد میں واقع تاجپور میں آپ کو آسودہ لحد کیا گیا جہاں آپ کی خانقاہ اور آپکی مسجد ہے۔ [1]

سیّد جلال الدّین ابو محمد شاہ عالم

(م ۱۰۰۳ھ ۱۴ ذوالقعدہ)

سیّد جلال الدین بن سید حسن بن سید احمد عبدالغفور بن سید احمد بن سید راجو بن حضرت شاہ عالم۔ آپ کی ولادت ۹۵۹ھ میں ۲ ذی قعدہ کو احمدآباد میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ خوندا گوہر ملک خضر کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی ذاتِ عالی ایک زمانے کے گذرنے کے بعد حضرت شاہ عالم کے سلسلہ سے وابستگی کا ذریعہ اور باعث برکت رہ گئی تھی۔ جب یہ علاقہ بہت سے انقلابات سے گذرا اور اکبر بادشاہ کا زمانہ آیا تو نائب شہر خان اعظم کی کوشش سے آستانہ عالیہ شاہیہ کی سجادگی آپ کے نام مقرر کی گئی۔ آپ حضرت شیر محمد بن احمد بن سید عرب شاہ بن حضرت سید راجو قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سلوک ان کی تعلیمات سے اتمام تک پہنچایا۔ اور آپنے ظاہری علوم حضرت مولانا میاں وجیہ الدین رح سے حاصل کئے تھے۔ ایک مرتبہ سید ابو تراب شیرازی نے ضیافت کی بہت سے بزرگانِ دین کو مدعو کیا۔ سید جلال بھی تشریف لے گئے۔ سردی کا زمانہ تھا راستے میں کسی سائل نے آپ سے تبرک مانگا تو آپ جو پیراہن اوڑھ کر سردی میں آرہے تھے وہی اس کو بخش دیا جب ہوا زیادہ تیز ہوگئی اور سردی بڑھ گئی

---

[1] خاتمہ مرأت احمدی ص۴۴۔

تو سید جلال کے ساتھی خادم سید امین محمد سے کہا گیا کہ حضرت کے لئے دوشالہ لائیے وہ باہر آئے ۔ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھا امین محمد پریشان کھڑے تھے ۔ کہ حضرت کیلئے دوشالہ کا انتظام کیسے کریں کہ اتنے میں دیکھا کہ سامنے سے حضرت کے مریدوں میں سے ایک صاحب تشریف لا رہے ہیں اور دوشالہ ان کے پاس ہے ۔ وہ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت کی خدمت میں ہدیہ کرنے کیلئے میں اس کو لایا ہوں ۔ دیر تک میں یہاں حضرت کے لئے اس کو لے کر منتظر تھا فطری اور جبلی جود وسخا کا جذبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ گھر کے خانہ داری کے کپڑے اور لباس اور ظروف و برتن تک حضرت نے تمام سخاوت کر دیئے تھے ۱۰۰۲ھ میں ۱۴ ذوالقعدہ کو نصفِ شب میں آپ نے انتقال فرمایا اور مقبرہ شاہیہ میں دفن کئے گئے ۔ [۱]

سیّد جعفر بدر عالم

متوفی سنہ ۱۰۸۵ھ

آپ سیّد جلال مقصود عالم کے فرزند شاہ عالم کی اولاد سے تھے ۔ ولادت ۱۰۲۳ھ بمقام احمد آباد ہوئی ۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا ۔ اپنے والد اور جد امجد سے تحصیل علم کیا ۔ تفسیر و حدیث میں کمال حاصل تھا ، خوش نویس بھی تھے ، خط نستعلیق میں ید طولیٰ حاصل تھا ، ایک دفعہ صرف دو روز میں مکمل قرآن مجید کی کتابت کی اس نسخے

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی صفحہ ۴۰ ، نزہۃ الخواطر صفحہ ۱۶۰/۵ ۔

کو بہت عزیز رکھتے تھے ۔ ایک مرتبہ ایک فقیر نے آپ سے قرآن مجید مانگا آپ نے دوسرے دن دینے کا وعدہ کیا ، فقیر نے کہا وہ رکھا ہوا نسخہ کیوں نہیں دیتے آپ کو فوراً لن تنالو البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون والی آیت یاد آئی چنانچہ وہ نسخہ فقیر کے حوالہ کر دیا ۔

۱۰۵۴ھ میں شاہ جہاں سے ملاقات ہوئی اس نے آپ کو صدارت کا عہدہ دینا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا ۔

۱۰۸۵ھ میں رحلت ہوئی ۔ احمد آباد میں مدفون ہیں ۔ [۱]

سید ابوالمجد محمد بن جعفر محبوب عالم

م ۱۰ رجمادی الاخریٰ سنہ ۱۱۱۱ھ

فقیہہ محمد بن جعفر بن جلال بن محمد حسینی بخاری ۔ جن کی کنیت ابوالمجد ہے ۔ اور محبوب عالم کے لقب سے آپ مشہور ہیں ۔ شیخ جلال الدین حسینی بخاری اُچی کے خاندان سے ہیں ۔ آپ کی ولادت گجرات میں ۲ ربیع الاول ۱۰۴۷ھ میں

ہے ۔ اپنے والد محترم سے آپنے پڑھا ۔ اور دیگر علماءِ احمد آباد سے بھی آپ نے علم حاصل کیا ۔ پھر درس و تدریس کو مشغلہ بنایا ۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ نورالدین بن محمد صالح مشہور رہیں ۔ آپ نے قرآن کریم کی فارسی میں تفسیر (۱۰۳۶/۸۶ ھ) بھی لکھی ۔ اسی طرح عربی میں جلالین کے نہج پر آپ نے ایک تفسیر لکھی ، اسی طرح حدیث میں آپ کی مشکوٰۃ کی شرح زینۃ النکات فی شرح المشکوٰۃ (تذکرہ صفحہ ۲۱۴) بڑی مشہور رہے ۔ اسکے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفات بھی ہیں ۔

---

[۱] تذکرہ قادیانِ ہند صفحہ ۱۲۶ ۔

۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۱۱۱ھ کو آپ نے وفات پائی۔ احمدآباد میں آپ کو دفن کیا گیا۔ [1]

تفسیر شاہیہ یہ سید محمد محبوب عالم بن سید جلال جعفر بدر عالم شاہی رضوی متوفیٰ ۱۱۱۱ھ کی تصنیف ہے۔ فارسی زبان میں ہے تمام تر اہل بیت کی روایت سے تفسیر کی ہے۔ یاد ایام مؤلفہ مولانا حکیم عبدالحیؒ کے صلا پر اسی تفسیر کا ذکر ہے۔ تین جلدوں میں ہے۔ حاشیہ میں جا بجا تصحیح ہے۔ اس کتب خانہ میں اس کی صرف دو جلدیں ہیں۔ (بھروچ کے قاضی صاحب کے کتبخانہ میں تھی) [2]

سید جلال حمید عالم

م ۲۰ر ذی الحجہ سنہ ۱۱۰۴ھ

شیخ جلال الدین بن محمد بن جعفر بن جلال بن محمد حسینی بخاری۔ آپ فقر و تصوف کے مشہور عالم تھے۔ آپ ابوالمجد محبوب عالم کے فرزند تھے۔ ولادت احمدآباد میں ۱۰۶۳ھ میں ہوئی، والد گرامی سے تحصیل علم کیا۔ پھر مدت العمر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ والد ہی سے سلوک و تصوف میں بھی کمال حاصل کیا۔ [3]

میدان تصنیف میں بھی آپنے قدم رکھا "مرآۃ الرویا فی تاویل الاحلام"، اور "مفتاح الحاجات فی الاذکار والاشغال" مشہور رہیں۔

آخر عمر میں ایک سخت بیماری میں مبتلا ہوئے اور ایک مدت تک ہر قسم کی غذا ترک کر دی تھی۔ صرف انجیر اور انار پر اکتفا تھا۔ ۲۰ر ذی الحجہ ۱۱۰۴ھ کو وفات ہوئی

---

[1] مرات احمدی [2] گجرات کی تمدنی تاریخ صلا ۲۳۱ [3] تذکرہ قاریان ہند۔

احمدآباد میں مدفون ہیں۔ [۱]

سید جعفر مجید عالم

وفات سنہ ۱۱۰۹ھ

آپ سید جلال حمید عالم کے بیٹے تھے۔ ولادت احمدآباد میں ۱۰۸۱ھ ربیع الثانی میں ہوئی۔ نو سال کی عمر میں قرآن مجید تجوید کے ساتھ حاصل کیا۔ احمدآباد ہی میں نشو و نما پائی۔ فضل و صلاح میں مشہور ہوئے۔

اپنے والد ماجد سے علوم دین اور تصوف و سلوک کی منزلیں طے کیں پھر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اور والد صاحب کے جانشین ہوئے۔ آپ صاحب کشف و کرامات اور صاحب وجد و حال تھے اکثر اوقات جو قول زبان پر جاری ہوتا اسی طرح ظہور پذیر ہوتا۔
آپ کی وفات محرم ۱۱۰۹ھ/ ۱۱۲۰ء میں ہوئی، آپ کے انتقال کے وقت والد محترم سید جلال الدین حمید عالم بقید حیات تھے۔ احمدآباد میں مدفون ہوئے۔ [۲]

سید محمد محمود عالم

(م سنہ ۱۱۴۹ھ)

سید محمد محمود عالم سید محمد بن سید جعفر مجید عالم، آپکی ابتدائی زندگی کو چھوڑ کر اخیر عمر میں آپ پر جذبۂ الٰہی کا اور شغل بحق کا غلبہ ہو گیا تھا ۱۱۴۹ھ ۹ر شعبان کو آپ

---

[۱] نزہتہ الخواطر عربی ۱۱۴۲ صفحہ ۵۸ [۲] خاتمہ مرأۃ احمدی ص۴۵ تذکرہ قاریان ہند نزہتہ الخواطر۔

نے انتقال فرمایا۔ اپنے پدر بزرگوار کے پائنتی میں آپ کو دفن کیا گیا آپ کے بعد سید عبدالشکور بن موسیٰ آپ کے بھتیجے سجادہ نشین ہوئے۔ ۱؎

سید محمد مراد

سادات مشہدی میں سے سید محمد مراد ہیں آپ حضرت سید محمد محبوب عالم کے شاگرد تھے۔

آپ کا مزار نوتار میں ہے۔ ۲؎

شیخ نورالدین

(متوفی ۹ رشعبان ۱۱۵۵ھ/ ۸ راکتوبر ۱۷۴۲ء)

شیخ عالم صالح نورالدین بن محمد صالح آپکا مولد و منشا احمدآباد ہے آپکا شمار ان علماء میں ہے جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں فنا کردی اور دنیا کے عیش و آرام سے کوئی تمتع حاصل نہیں کیا آپکی ولادت ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۰۶۳ھ/۱۶۴۳ء میں ہوئی انکی والدہ ماجدہ بھی عالمہ زاہدہ تھیں اپنے لڑکے کو فارسی خود پڑھائی۔ سات دن میں گلستاں پڑھادی۔ دس سال کی عمر میں حفظ کی تکمیل کی۔ درسی کتابیں مولانا احمد بن سلیمان اور مولانا فریدالدین سے پڑھیں۔ علوم حدیث شیخ محمد بن جعفر حسینی بخاری سے حاصل کئے۔ نیز سلوک بھی ان کی خدمت میں رہ کر طے کیا اور بڑا مقام حاصل کیا۔ علامہ وجیہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس و تدریس اور کثرت تصانیف کے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ علامہ ممدوح کی تمام کتب درسیہ کی شروح و حواشی لکھے۔ آپ نے ایک سو ستر کتابیں تصنیف کیں۔

۱؎ خاتمہ مرآۃ احمدی ص۴۵۔ ۲؎ ایضاً ص۶۔

محمد اکرم الدین آپ کے شاگرد و مرید تھے ۔ یہ شیخ الاسلام ابن قاضی القضاۃ عبدالوہاب بھورا کے فرزند تھے ۔ احمدآباد کے صوبیدار مقرر ہوئے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے خرچ سے ایک عظیم الشان مدرسہ اور خانقاہ کی عمارت تعمیر کرائی اور آپ کے لیے خاص کر دی ۔ سید محبوب عالم سے خرقہ خلافت پہنا ۔

شیخ نورالدین نہایت عابد و زاہد تھے شب میں دو مرتبہ اٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور لیٹنے سے پہلے ایک ہزار مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور ایک ہزار مرتبہ درود شریف کا معمول تھا ۔ اس کے علاوہ روزانہ قرآن مجید ختم کرنے کا بھی معمول تھا ۔ ۱۱۴۲ھ میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے ۔

آپ نے قرآن کی تفسیر التفسیر النورانی للسبع المثانی کتب خانہ پیر محمد شاہ کے نام سے تصنیف فرمائی ۔ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا ، بخاری کی شرح لکھی جو '' نورالقاری شرح صحیح البخاری '' کے نام سے موسوم ہے ۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً الحاشیۃ القویمۃ علی الحاشیۃ القدیمۃ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح مقاصد۔ حاشیہ شرح مطالع ، حاشیہ تلویح ۔ حاشیہ عضدیہ ۔ حاشیہ شرح وقایہ ۔ حاشیہ مطول ۔ شرح ملا ۔ حاشیہ قطبی ۔ شرح کافیہ کا حاشیہ ۔ حاشیہ بر منہل ۔ شرح تہذیب المنطق ، شرح فصوص الحکم وغیرہ جنکی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تک ہے ۔

آپکی وفات منگل ۹ شعبان ۱۱۵۵ھ ۱۸ اکتوبر ۱۷۴۲ء کو ہوئی اور اپنے مدرسہ کے قریب احمدآباد میں مدفون ہیں ۔ نوراللہ مرقدہٗ ۔ [1]

---

[1] تاریخ گجرات ۔ نزہۃ الخواطر ۶ ص ۳۹۰ ۔ تذکرہ قاریان ہند ج ۲ ص ۲۱۰ ۔ اعیان الحجاج تاریخ ادبیات مسلمانان ہند و پاک ج ۲ ص ۳۲۹ ۔ ۔ گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۳۱ ۔

آپ کی شرح بخاری کے متعلق مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ :

"نورالقاری فی شرح بخاری، یہ علامہ نورالدین بن حاجی محمد صدیق احمدآبادی متوفی (۱۱۵۵ھ/۴۲-۱۷۴۱) کی شرح بخاری شریف ہے۔ جو نایاب ہے (جو بھروچ کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی)۔" [۲]

خاتمہ مرآۃ احمدی سے یہاں آپ کے مفصل حالات نقل کئے جاتے ہیں۔ لکھا ہے کہ مولانا شیخ محمد نورالدین بن شیخ محمد صالح۔ آپ کی ولادت ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۱۰۶۳ھ میں ہوئی۔ خداطلبی اور علمی تشنگی کا داعیہ شروع ہی سے آپ کی جبلت میں ودیعت تھا اور السعید من سعد فی بطن امہ کے مطابق ہدایت اور بزرگی کے آثار شروع ہی سے آپ پر روشن اور درخشاں معلوم ہوتے تھے اسکا لئے شیخ سعدی کی گلستاں بچپن میں معنی سمیت اپنے والد ماجد سے صرف سات روز میں پڑھی اور اکثر علوم ظاہری کی تحصیل خوند صاحب، مولانا احمد بن سلیمان سے کی اور علم باطنی اور قرأت وحدیث سید محمد ابوالمجد محبوب عالم کی خدمت میں رہ کر حاصل کی اور سلوک کو اتمام تک پہنچایا اور ان سے ارادت قائم کی اور ان سے خلافت سلسلہ سہروردیہ اور اجازت وخلافت بقیہ جمیع سلاسل میں حاصل کی، علوم عربیہ میں آپ یکتائے روزگار تھے آپ کے علم کا شہرہ اطراف عالم میں دور دور تک پہنچ چکا تھا دور دور سے طلباء آکر مدرسہ ہدایت بخش میں قیام کرتے جو محمد اکرم الدین نے (جو شیخ الاسلام کے خطاب سے مخاطب تھے اور صوبہ احمدآباد کے صدر تھے اور حضرت کے مرید تھے انہوں نے) ایک لاکھ اور کئی ہزار روپیہ صرف کرکے مدرسہ تعمیر کیا ۱۱۰۲ھ میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اور بتدریج زمین اور تعمیرات وغیرہ کا کام ۱۱۰۹ھ میں مکمل ہوا۔ اور مسجد کی تعمیر اتمام کو پہنچی۔

مسجد کی تاریخِ تکمیل اس کلمہ سے مستفاد ہوتی ہے ؛ هُوَالْمَسْجِدُ اُسِّسَ عَلَے التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ ؛ اور مدرسہ کی بقیہ عمارتوں کی تکمیل کی تاریخ اس کلمہ سے ، مدرسۃ فیھا الھدیٰ للعالمین ، ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ عمارتوں میں صرف کیا۔ غرض حضرت مولانا نورالدین کی ذات اپنے زمانے میں مرجعِ خلائق تھی اور آپ اپنے زمانے کے بڑے علماء میں سے تھے۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات ہر علم میں ملتی ہیں اور اکثر کتب کے آپ کے شروح وحواشی ہیں۔ ایک سو ستّر سے زائد کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر نظم میں ہے جس کے بارہ ہزار بیت ہیں۔ اس طرح پارہ الٓمّٓ کی تفسیر چھ ہزار بیت میں آپ نے فرمائی ہے یہ تصانیف آپکے علم وفضل، فصاحت وبلاغت کی شاہد ہیں۔

۱۱۴۲ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وطن واپس لوٹے اور ریاضت ومجاہدات وعبادات میں مشغول رہے۔ باوجود درس وتدریس اوراد وظائف کے روزانہ آپ ایک قرآن کریم ختم فرماتے تھے اور ہر رات میں دو دفعہ صلوۃ اللیل اور تہجد کے ادا کرنے کا معمول تھا اور جب بھی آنکھ کھلتی اور پہلو بدلتے ایک ہزار دفعہ لا الہ الا اللہ اور ایک ہزار دفعہ درود شریف پڑھتے آپ کی عمر کے پندرہویں سال سے لے کر اخیر عمر تک آپ کا اربعینہ چلہ اور اعتکاف کبھی فوت نہیں ہوا۔ اور شاہی وظیفہ آپ نے کبھی قبول نہیں فرمایا باوجود اسباب ظاہری کے کبھی بھی سونا چاندی کو آپ نے نہیں لیا۔ جب آپ کی عمر شریف ۹۱ برس کی ہوئی تو سہ شنبہ کے دوپہر کو نو شعبان ۱۱۵۵ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ آپ کی تاریخ وفات اسقدر کہی گئیں کہ ان کو ایک رسالے میں جمع کیا گیا جن میں سب سے اکمل تاریخ ہے ؛ وارث نبی سنت است ؛۔

مدرسہ سے متصل آپ کے خانقاہ میں آپ کو دفن کیا گیا آپ کے پانچ صاحبزادے

آکر مقیم ہوئے تھے، رات عبادت و ریاضت میں اور دن درس و تعلیم میں صرف کرتے تھے
آپ کے مشہور شاگردوں میں شیخ محمد طاہر احمد آبادی ہیں ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء میں
اسی جگہ ان کا انتقال ہوا۔ اور شاہ بھیکن کے روضہ میں مدفون ہوئے ؛ یُکْشَفُ مِنْ
کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا ؛ سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

مولانا ابو ظفر ندوی لکھتے ہیں کہ اس مدرسہ کے سالانہ اخراجات کا کوئی بندوبست
نہیں تھا۔ مدرسین اور طلبہ بہت پریشان رہتے تھے ۱۱۱۲ھ میں طلبہ نے شیخ غلام محمد
منصب دار شاہی کے توسط سے ایک درخواست بادشاہ کی خدمت میں ارسال
کی۔ اس درخواست کی نقل میرے عزیز اور لائق دوست حکیم بہاء الدین صدیقی
(ہردوئی) کے پاس موجود ہے۔ شیخ غلام محمد ان ہی کے جد امجد تھے جو عالمگیری منصب
دار تھے اور شاہزادہ اعظم شاہ صوبہ دار احمد آباد (۱۱۱۳ھ) کی ملازمت میں
رہتے تھے۔ یہ صاف طور پر پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس عہدہ پر تھے اور ان کا کیا کام تھا۔ لیکن
ان کے وارثوں کے پاس جو کتب اور فرامین وغیرہ حوادث زمانہ سے بچ گئے ہیں
ان میں زیادہ تر ایسی درخواستیں ہیں جن کو بادشاہ تک پہنچانے کی ان سے التجا کی
گئی ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ درباری پیش کار تھے۔

۱۱۱۶ھ میں احمد آباد میں انکا انتقال ہوا اور جنازہ احمد آباد سے ان کے وطن
گوپامئو (ضلع ہردوئی) میں لایا گیا۔ اور وہیں دفن کئے گئے۔ پھر ان کے لڑکے
غلام حسن اور پوتے غلام نبی سرکاری ملازمت میں آئے۔

انہی فرامین اور خطوط میں ایک نقل مدرسہ ؛ ہدایت بخش ؛ کے طلبہ کی بھی ہے
جو اس وقت میرے پیش نظر ہے اور اسی کی مدد سے مندرجہ ذیل سطور کا اضافہ کرتا
ہوں جس کے لئے میں شیخ غلام محمد کے پرپوتے محمد بہاء الدین گوپامئوی کا شکر گزار
ہوں۔

اس وقت اس مدرسہ میں سات ماہر فن اساتذہ تعلیم دیتے تھے جن کے نام یہ ہیں ۱ ملا محمد حسین ۲ ملا شیخ محمد ۳ سید ہاشم ۴ سید احمد ۵ ملا عبدالنبی ۶ شیخ اللہ بخش اور ۷ شیخ نور الدین استاد کل کے شاگرد رشید مولانا شیخ فرید گجراتی، لیکن بدقسمتی سے درخواست دینے سے پہلے ہی انکی وفات ہو گئی۔ خود شیخ نورالدین استاد کل اس کے افسر اعلیٰ تھے۔ ان معلموں نے طلبہ کی درخواست پر اپنا اپنی سفارشیں بھی لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک نے لکھا ہے۔ : هٰذِهِ الْمَدْرَسَةُ الشَّامِخَةُ الْبِنَاءِ مَشْحُوْنَةٌ بِالْمُتَحَصِّلِيْنَ وَالْعُلَمَاءِ وَهُمْ مُفْتَقِرُوْنَ إِلَى كَرَمِ السُّلْطَانِ الْمُرْبِّيْ لِلْفُضَلَاءِ ۔ دوسرے نے لکھا ہے : هٰذِهِ الْمَدْرَسَةُ الرَّاسِخَةُ الْاَسَاسِ مَعْمُوْرَةٌ بِتَكْمِيْلِ النَّاسِ وَاَهْلُهَا مُحْتَاجُوْنَ إِلَى تَفَضُّلِ الْخَلِيْفَةِ الْخَارِجِ اَوْصَافُهٗ عَنِ الْقِيَاسِ ، ایک صاحب نے لکھا ہے۔ : هٰذِهِ الْمَدْرَسَةُ الرَّفِيْعَةُ الشَّانِ مَعْمُوْرَةٌ مِنَ الطَّلَبَةِ وَاَهْلِ الْعِرْفَانِ وَهُمْ مُحْتَاجُوْنَ إِلَى تَفَضُّلِ خَلِيْفَةِ الرَّحْمٰنِ ؛ ایک مدرس نے تحریر کیا ہے۔ : هٰذِهِ الْمَدْرَسَةُ الْعَلِيَّةُ مُوَطَّنٌ لِاَهْلِ الْعُلُوْمِ الدِّيْنِيَّةِ وَالْمَعَارِفِ الْيَقِيْنِيَّةِ وَهُمْ فِرْقَةٌ ضَعِيْفَةُ الْاَحْوَالِ ، شَاغِلُوْنَ عَنِ الْمَعَاشِ لِشُغْلِهِمْ بِاُمُوْرِ الْمَعَادِ مُحْتَاجِيْنَ إِلَى تَفْضِيْلِ خَلِيْفَةِ اللّٰهِ ، ملا عبدالنبی صاحب تحریر فرماتے ہیں : هٰذِهِ الْمَدْرَسَةُ رَفِيْعَةُ الْقَدْرِ مَسْكُوْنَةٌ لِلْمَسَاكِيْنِ الْفُضَلَاءِ وَطُلَّابِ الْعِلْمِ الْمُفْتَقِرَةِ إِلَى إِعَانَةِ الْخَلِيْفَةِ السَّاعِيْ فِيْ إِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ الشَّرِيْفَةِ ، شیخ احمد لکھتے ہیں : هٰذِهِ مَدْرَسَةٌ مُنِيْفَةٌ مَشْحُوْنَةٌ بِطَلَبَةٍ حَقِيْقَةٍ وَهُمْ مُحْتَاجُوْنَ إِلَى التَّفَضُّلِ مِنْ بَابِ الْخَلِيْفَةِ الَّذِيْ لَا يَعْنِي الْبَيَانَ بِاَوْصَافِ الْجَلِيْلَةِ ، ان میں سے ہر شخص نے اپنے آپ کو علامہ نورالدین کا شاگرد اور مرید بتایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے اور استاد نے ان سب کو اسی مدرسہ میں معلم

رکھ لیا۔ اور یقیناً یہ اپنے تمام معاصرین میں درس، وتدریس کے لحاظ سے ممتاز رہے ہونگے۔[۵]

کتب خانہ مدرسہ ہدایت بخش مولانا شیخ نورالدین احمدآباد میں یگانۂ روزگار عالم تھے۔ متقی، صوفی، عالم اور فلسفہ و منطق و ریاضی کے بڑے ماہر تھے۔

شیخ الاسلام نے ' ہدایت بخش ' کے نام سے ان کے لئے جو مدرسہ قائم کیا تھا اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں موجود تھیں۔ خواص کے ساتھ عوام بھی اس کتب خانہ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ مرہٹہ گردی میں مدرسہ وکتب خانہ دونوں برباد ہوگئے۔ اس کتب خانہ کی کچھ کتابیں، کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں منتقل کر دی گئی تھیں۔ اور کچھ قاضی نورالدین (قاضی بھروچ) کے کتب خانہ میں۔[۲]

نورالعرفان مؤلفہ شیخ محمد عرفان متوفی ۱۱۴۷ھ کی تصنیف ہے جس میں مدرسہ ہدایت بخش کے اوصاف درج ہیں۔

نورمعرفت: مصنفہ شاہ محمد ولی، یہ بھی مدرسہ ہدایت بخش کے اوصاف میں ہے۔[۳]

مدرسہ ہدایت بخش کا مطب

مدرسہ ہدایت بخش کے لئے ایک سرکاری طبیب مقرر تھا جو طلبہ کی طبی نگرانی کرتا تھا۔ اور مفت علاج کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔[۴]

بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ مخدوم نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے پانچویں صاحبزادے بہاؤالدین

۱۔ گجرات کی تمدنی تہذیب صفحہ ۲۱۰تا۲۱۱ ۲۔ گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۲۵ ۳۔ ایضاً صفحہ ۲۲۴ ۴۔ ایضاً صفحہ ۲۰۰

ہیں جو صغر سنی میں انتقال کر گئے۔
حضرت شیخ نورالدینؒ کی تین صاحبزادیوں کے نام حمیدہ، سعیدہ، اور عفیفہ ہیں جو بہت نیک اور صالحہ تھیں۔ [۱]

شیخ محمد صالح عرف بیر بابا

آپ مخدوم العالم شیخ نورالدین کے صاحبزادے تھے اسم بامسمیٰ تھے صاحب علم وتقویٰ، جود وسخا تھے۔ آپ اپنے والد ماجد کے جانشین ان کے شاگرد اور انکے مرید تھے ابتدا سے لیکر انتہا تک تمام علوم آپ نے اپنے والد محترم سے حاصل کئے سات سال کی عمر میں قرآن تجوید کے ساتھ حفظ کر لیا تھا اور خوب یاد تھا اس طرح کہ محمد اعظم شاہ جب اس علاقہ کی صوبہ داری پر متعین ہو گئے تو آپکا شہرہ سنکر آپ کو اپنے پاس بلوایا آپ نے بہت اچھی طرح، سورۂ رحمٰن، سنائی۔ سنکر بہت خوش ہوئے اور آپ کو نقدی اور تاجپور کا علاقہ (جو پرگنہ بیر مکالو میں ہے) جاگیر کے طور پر مرحمت فرمایا۔ اور ان کو اپنے ہاتھ سے فرمان عطا کیا۔

اسی طرح دو مرتبہ سلاطین مغلیہ کے طلب پر وہاں آپ پہنچے ایک محمد فرخ سیر کے عہد میں۔ دوسرے شاہ بادشاہ کے زمانے میں۔ ہر مرتبہ آپ کا اعزاز و اکرام کیا گیا اس علاقہ کے امراء وفضلاء بھی آپ کی قابلیت اور استعداد کے معترف ہوئے۔ غرض آپ صلاح وتقویٰ علم وحلم کے پیکر تھے" اور الولد سر لابیہٖ کا مصداق تھے۔ ۱۶ رجمادی الثانی ۱۱۴۰ھ آپ نے شاہ جہاں آباد میں انتقال کیا اور وہاں سے آپ کا صندوق لاکر آپ کے جدی قبرستان میں جہاں مولانا محمود پیش امام مدفون ہے وہاں آپ کو دفن کیا گیا آپ کے انتقال سے بیشتر ری خواب

---

[۱] خاتمہ مرات احمدی ص۱۱۶ -

ہیں کسی نے دیکھا تھا کہ مراد بخش خطاب ملا ہے اور اسی کلمہ سے آپ کی تاریخ وصال مستفاد ہوتی ہے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی۔ [۱]

قاضی محمد رکن الحق خاں بن مولانا نورالدین

مرآت احمدی کے خاتمہ میں جن بزرگوں کا حال مذکور ہے وہ مولانا نورالدین رح کے صاحبزادے صاحب ترجمہ محمد رکن الحق خاں قاضی نے صاحب مراۃ احمدی کو فراہم کئے مگر افسوس کہ خود آپ کے حالات نہ مل سکے۔ [۲]

شیخ فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ

شیخ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے چوتھے صاحبزادے شیخ فخرالدین ہیں جن کا عرف شیخ بزرگ تھا۔ آپ اگرچہ مادرزاد گونگے اور بہرے تھے مگر عقل و فراست میں مرتبہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ خط نستعلیق بہت خوبصورت لکھتے تھے بارہا آپ نے کلام اللہ تحریر فرمایا۔ آپ کو پارہ عم یاد تھا۔ اور اسی حفظ لکھتے تھے۔ [۳]

قاضی شمس الدین شیبانی رح

۷۴۰ھ/۱۳۳۹ء — ۸۰۹ھ/۱۴۰۶ء

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں کہ!

آپ بہت بڑے عقلمند تھے۔ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں دہلی سے نارنول

---

[۱] خاتمہ مرات احمدی [۲] ایضاً صہ ۲۴ ۔ [۳] ایضاً صہ ۶۱ ۔

تشریف لے گئے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں شادی سے پہلے حج کے ارادے سے نکلے۔ راستہ میں جب گجرات پہنچے تو ایک مسجد میں دیکھا کہ ایک معتزلی منبر پر اپنے مذہب معتزلہ کے پیشِ نظر بندوں کے خالق افعال ہونے پر تقریر کر رہا ہے۔ اس نے اپنی تقریر کے دوران لوگوں سے کہا کہ دیکھو یہ میرا ہاتھ ہے۔ اگر میں اسے کھولنا چاہتا ہوں تو یہ کھلتا ہے اور اگر مٹھی بند کرنا چاہتا ہوں تو بند ہو جاتی ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب کھڑے ہوئے اور آپ نے اس معتزلی سے فرمایا کہ اگر آپ اپنے تمام افعال کے خالق ہیں اور اپنے وجود کے متعلق سب کچھ کر سکتے ہیں تو پھر اپنے ہاتھ کو پیٹھ پر لے جاکر کیوں نہیں ملا سکتے؟ قاضی شمس الدین کا یہ اعتراض حاکم گجرات کو بہت پسند آیا۔ اور اس پسندیدگی کا اظہار اس طرح کیا کہ دار الحرب سے جو لونڈیاں آئی تھیں ان میں سے ایک لونڈی شیخ کی خدمت میں پیش کی جس کے بطن سے آپ کو اولاد ہوئی۔ اللہ رب العزت نے آپ کی اولاد میں اس طرح برکت عطا فرمائی کہ سب کو علم سے نوازا۔ آپ کی اولاد میں سے ایک بزرگ جن کا لقب تاج الافاضل تھا۔ ان کے پانچ لڑکے تھے جو سب کے سب عالم، متقی اور بڑے عقلمند تھے۔ آپ (یعنی تاج الافاضل رح) کے ایک صاحبزادے قاضی مجد بھی تھے جو شیخ احمد مجد کے والد تھے۔ ان سے بھی سات لڑکے ہوئے جو سب کے سب عالم باعمل تھے۔ [1] آپ مجد الدین فیروزآبادی کے ہمعصر ہیں۔

شیخ علم الدّین

(م ۸۰۹ھ - ۱۴۰۶ء)

شیخ فاضل علامہ علم الدین بن سراج الدین بن کمال الدین عمری دہلوی۔ اکابر مشائخ چشتیہ میں سے ایک تھے مولد و منشاء گجرات ہے۔ اپنے والد اور دوسرے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۳۲۴، ۳۲۵۔

علماء سے پڑھ کر فائق الاقران ہوئے ۔ اور اپنے والد کی رحلت کے بعد منصب مشیخت پر متمکن ہوئے ۔ شیخ بدرالدین محمد بن احمد مالکی دمامینی شارح مغنی اللبیب کے زاویہ میں مقیم ہوئے ۔ ان کے پاس برسوں رہے ۔ ممدوح آپ کے تبحر علمی کے بڑے مداح تھے ۔[1] شیخ علم الدین معاصر صاحب قاموس ہیں ۔

شیخ محمد بن ابوبکر دمامینی

(وفات ۸۲۷ھ ۔ ۱۴۲۳ء)

علامہ بدرالدین محمد بن ابوبکر بن عمر بن ابوبکر بن محمد سکندری ہندی مالکی مشہور بہ ابن دمامینی ۷۶۳ھ (۱۳۶۱ء) میں بمقام اسکندریہ آپ کی ولادت ہوئی اسکندریہ ہی میں فضلائے وقت سے درسی علوم حاصل کئے ۔ بہار ابن دمامینی سے علم حدیث کی تحصیل کی ۔ آپ نے دیگر اساتذہ سے بھی پڑھا جن میں شیخ عبدالوہاب الفروی، قاہرہ میں شیخ سراج ابن الملقن اور مکہ مکرمہ میں قاضی ابوالفضل شوبری سرفہرست ہیں ۔

فراغت کے بعد اسکندریہ ہی میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور مختلف مدارس میں فقہ و ادب کا درس دیتے رہے ۔

ایک عرصہ بعد آپ اسکندریہ سے قاہرہ تشریف لائے اور جامع ازہر میں علم نحو پڑھانے کا تقرر ہوا ۔ ایک مدت بعد پھر اسکندریہ لوٹ آئے ۸۰۰ھ میں حج بیت اللہ کیا ۔ حج سے فراغت کے بعد جب وطن لوٹے ہیں تو جامع مسجد اسکندریہ کے خطیب مقرر ہوتے ۔ ۸۱۹ھ میں پھر حج کے لئے تشریف لے گئے ۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۳۵ ۔ ۱۳۹

۸۲۰ھ میں یمن تشریف لائے۔ یہاں تقریباً ایک سال تک جامع زبید میں مسند درس آراستہ فرمائی پھر ۸۲۰ھ ہی میں ہند کا سفر کیا۔[۲] اور شعبان کے آخر میں سلطان احمد بن محمد بن مظفر کے عہد میں گجرات تشریف لائے، مولانا عبدالحی نے یاد ایام میں آپکی ہندوستان آمد کی تاریخ ۸۰۰ھ لکھی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں

> علوم ادبیہ کے امام علامہ بدرالدین محمد بن ابی ابوبکر الدمامینی کا نام آپ نے سنا ہوگا وہ ۸۰۰ھ میں گجرات تشریف لائے اور برسوں احمد آباد میں درس و تدریس فرماتے رہے۔ تسہیل ابن مالک کا نسخہ احمد آباد ہی میں ان کو ملا تھا جس کی ایک مبسوط شرح لکھ کر احمد شاہ گجراتی کے نام پر معنون کی۔ علاوہ اس کے شرح مغنی اللبیب، شرح صحیح بخاری اور عین الحیوٰۃ، خلاصہ حیوٰۃ الحیوان یہ تینوں کتابیں اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی تھیں۔[۱]

بہرحال جب آپ گجرات تشریف لائے تو سلطان احمد بن محمد مظفر گجراتی کا دور تھا۔ بادشاہ کے یہاں آپ کو بہت عروج حاصل ہوا اور لوگوں نے آپ سے خوب استفادہ کیا

تصانیف :۔ آپ ایک مدرس اور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست مصنف بھی تھے چنانچہ آپ نے اس میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ چند تصانیف کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) شرح تسہیل لابن مالک الطائی جو تاریخ الفوائد کے نام سے موسوم ہے۔ تاریخ الفوائد میں لکھا ہے کہ جب میں گجرات پہنچا تو یہاں مجھے یہ کتاب (تسہیل ابن مالک) دستیاب ہوئی۔ میرے ساتھی طلبہ نے اس کی شرح کی درخواست کی چنانچہ میں نے اس کی شرح لکھی۔ اس شرح کے مقدمہ میں احمد شاہ گجراتی کا ذکر خیر بھی ہے۔

(۲) مصابیح الجوامع شرح صحیح بخاری جس کی ابتداء اس طرح فرمائی۔ الحمد للہ الذی فی خدمۃ السنۃ النبویہ اعظم سیادۃ الخ اس شرح میں کچھ ابواب اور غریب الفاظ و اعراب کی بحث بھی ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے یہ شرح

[۱] یاد ایام بحوالہ کشف الظنون۔

احمد شاہ گجراتی کے لئے لکھی ہے۔

(۳) عین الحیٰوۃ۔ علامہ دمیری کی کتاب الحیوان کا اختصار ہے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی۔ الحمد للہ الذی اوجد بفضلہ حیوۃ الحیوان۔ اس کتاب کو لکھ کر سلطان احمد شاہ گجراتی کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی۔ اس کتاب کی تکمیل شعبان ۸۲۳ھ میں ہوئی۔[1]

(۴) کتاب: المنہل الصافی: ہے۔ جو محمد بن عثمان البلنی کی کتاب الوافی: کی شرح ہے۔ ابن الدمامینی نے یہ کتاب احمد شاہ اول بہمنی والیٔ دکن (۱۴۲۱ء/۱۴۳۴ء یا ۸۲۵ھ ۸۳۸ھ) کی طرف منسوب کرکے ان کو پیش کی تھی اس نسبت پر ظفر الوالہ میں لکھا ہے کہ نام دونوں کا احمد تھا۔ صرف بہمنی کا اضافہ کوئی دشوار نہ تھا۔ ابن الدمامینی نے یہ شرح بھی ہندوستان وارد ہونے کے بعد لکھی المنہل الصافی کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسے انہوں نے صرف تین ماہ کے قلیل عرصے میں تصنیف کیا۔ اور احمد شاہ کی خدمت میں پیش کی۔ کتاب کے مقدمے میں البلنی کے تعارف اور علم النحو کی اہمیت سے بحث کی ہے۔ اور پھر: الوافی فی النحو: کے حسن ترتیب اور افادیت کا تذکرہ کیا ہے۔ دمامینی (ماہم بمبئی) قیام کے دوران المنہل کو تصنیف کیا۔

(۵) کتاب تحفۃ الغریب ہے۔ جو ابن ہشام کی معرکۃ الآراء کتاب :مغنی اللبیب: کی شرح ہے۔ حاجی خلیفہ نے کتاب مغنی اللبیب کی پچاس سے زائد شروح کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک شرح ابن دمامینی کی لکھی ہے جس کا نام: تحفۃ الغریب بشرح مغنی اللبیب: ہے۔

---

[1] الضوء اللامع ج ۷ ص ۱۸۵، تاریخ ادبیات ج ۲ ص ۱۷۵

علم نحو میں دمامینی کی یہ تیسری تصنیف ہے یہ شرح ۸۲۴ھ/۱۴۲۱ء میں لکھی گئی تھی اس وقت آپ نہروالہ میں مقیم تھے۔ یہ تینوں کتابیں آپ نے ہند میں اور ہندی کی سرپرستی میں لکھی تھیں۔ بہت ہی قیمتی تصانیف ہیں۔ بغیۃ الوعاۃ میں سیوطی نے ان کتابوں کے مصنف کی بہت تعریف کی ہے۔ [۱]

ان کے علاوہ ابن الدمامینی کی تصنیفات میں سے الفتح الربانی، شرح القصیدۃ الخزرجیہ، مقاطع الشرب، شمس المغرب فی المرقص والمطرب، جواہر البحور فی العروض، اظہار التعلیل المغلق فی النحو، نزول الغیث الذی انسجم فی شرح لامیۃ العجم للصفدی۔ اور مجموعہ اشعار الفواکہ البدریہ قابلِ ذکر ہیں۔ ابن العماد، سیوطی، اور سخاوی وغیرہ نے ابن الدمامینی کی بڑی تعریف کی ہے سخاوی نے ایک جگہ قصائد وقطعات میں تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ فنون ادب پر کلام کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ ادبار نے ان کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے اور قصائد و قطعات میں تعریف و مدح کی ہے آپ بڑے خوشخط تھے اور دستاویز نویسی میں بڑی پختگی حاصل تھی۔

آپ کی وفات ۸۲۷ھ/۱۴۲۳ء میں ہوئی۔ اور گلبرگہ میں دفن ہوئے۔ بقول ابن فہد آپ کو زہر دیا گیا تھا۔ [۲] بعضوں نے لکھا کہ انگور میں زہر دیا گیا تھا۔

ابن دمامینی لغت ونحو اور فقہ وحدیث کے امام ہونے کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اور ان کے اشعار مختلف کتبِ تراجم میں بکھرے پڑے ہیں۔ چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

---

[۱] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ صفحہ ۱۹۹ [۲] الضوء اللامع ج ۷ صفحہ ۱۸۵ بحوالہ تاریخ ادبیات ج ۲ صفحہ ۱۲۵

قلت لہ والدجیٰ مول ! ونحن بالانس فی التلاقی
قد عطس الصبح یاحبیبی فلا تشمتنہ بالفراق
یاعذولی فی مغن مطرب حرک الاوتار لہا سفرا !
کم یھزالعطف منہ طربا عند ما یسمع منہ وترا
لاما عذاریث ھما اوقعا قلب المحب الضب فی الحین
فجد لہ بالوصل واسمح بہ ففیک قد ھام بلا مین
اللہ اکبر یامحراب طرتہ کم ذا تصلی بنار الحب من صابی
وکم اقمت باحشائی حروب ھوی فمنک قلبی مفتون محراب [1]

ایک رباعی میں وہ زمانے کا یوں شکوہ کرتے ہیں ۔

رمانی زمانی بما ساءنی ! فجاءت نحوس وغابت سعود
واصبحت بین الوریٰ بالمشیب غلیلاً فلیت الشباب یعود

(۱) میرے زمانے نے مجھے ایسے تیر مارے ہیں جو مجھے بہت ناگوار گذرے ہیں ۔ اور جن کے باعث نحوستیں آگئیں ۔ اور خوش بختیاں غائب ہوگئی ہیں ۔
(۲) اب میں دنیا والوں میں بڑھاپے میں تشنہ لب پھرتا ہوں کاش جوانی لوٹ آتی ۔ [2]

دمامینی کی کتب ذیل میں سے بعض دستیاب ہیں ۔

(۱) تحفۃ الغریب فی شرح مغنی اللبیب ۔

مخطوطات ۔ برلن ۸ ـــ ۶۷۲۷ ـــ بوتھ، ۷۲۹ ـــ لیڈ، ۲۱۷ ـــ اسکر ۲۰۳ قاہرہ، ۴/۷۵ ـــ ینی ۹۸ ـــ ۱۰۸۸ ـــ حمیدیہ، ۱۱۱۲۷ ـــ نور عثمانیہ، ۴۲۰۲ ۔ ینی شیخ ۷۳۹ ـــ ندوہ ۲۷۶ ـــ آصفیہ، ۲/۴۴ ۱۶ ـــ علی گڑھ ۱۲ ـــ بانکی پور ۲۱۲۰ ۔

---

[1] البدر الطالع ج ۲ ص ۱۵۱ ۔ [2] الضوء اللامع ج ۷ ص ۱۸۴ ۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۷ ۔ اتحاف النبلاء ص ۳۴۵ تاریخ ادبیات ج ۴ ص ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۰ ۔

(۲) تعلیق الزائد علی تسہیل الفوائد وتکمیل المقاصد ۔

(۳) المنہل الصافی فی شرح الوافی ۔ تو بھتہ ۲ ۷ ۹ ۔ رام پور، ۵۶ ۵ بانکی پور ۱۲۲۸ ۔

ظفرالوالہ میں آپ کا تذکرہ یوں ہے ۔

سلطان احمد کی وفات کے بعد بدر دمامینی سلطان دکن احمد شاہ بہمنی کے پاس سفر کر گئے اور اپنی تالیف شرح المنہل کی انکی طرف نسبت کی چونکہ سلطان کا اور شیخ کا بھی نام احمد ہے ۔ اس لئے سلطان کو صرف لفظ بہمنی بڑھانے کی تکلیف کرنی تھی ۔ مگر اس قدر زیادتی سے وہ مستغنی تھے ۔ سخاوی کی الضوء اللامع میں ان کے مولد، نسب اور وفات کے متعلق تفصیل موجود ہے اور نسب یوں ہے ۔ احمد بن ابی بکر بن عمر بن ابی بکر بن محمد بن سلیمان بن جعفر ابن یحییٰ بن حسین بن محمد بن احمد بن ابی بکر بن یوسف بن علی بن صالح ابن ابراہیم البدر القرشی المخزومی السکندری المالکی ۔ لیکن سخاوی نے الضوء اللامع میں آپ کا نسب محامدہ میں ذکر کیا ۔ آپ کا مولد ۷۹۰ ھ ہے سکندریہ میں آپ پیدا ہوئے وہاں نشو ونما پائی ۔

آپ کے ترجمے میں لکھا ہے کہ آپ بڑے اچھے آدمی تھے تمام لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے تھے ۔ اپنے علاقے میں بڑی وجاہت والے عالم فاضل تھے ۔ بڑے حساس تھے ۔ ادب سے خاص لگاؤ تھا ۔ ۸۲۰ ھ کے قریب گلبرگہ میں آپ نے وفات پائی ۔

سخاوی کے علاوہ دوسروں نے یہ بھی کہا ہے "مَاتَ فِیْهَا مَسْمُوْمًا"، کہ گلبرگہ میں آپ کو زہر دیا گیا جس سے آپ کی وفات ہوئی ۔ [1]

---

[1] ظفرالوالہ ج ۱

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے آپ کے حالات بستان المحدثین میں تحریر کیا ہے کہ

تعلیق المصابیح ابواب الجامع الصحیح بدرالدّین دمامینی

یہ کتاب ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن عمر بن ابی بکر قرشی مخزومی اسکندری کی تصنیف ہے۔ ان کا لقب بدرالدین ہے۔ اور دمامینی (یا ابن الدمامینی) کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ اس حدیث کی شرح میں (جس میں حضرت صفیہؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے اور وہ آپؐ کی زیارت کے لئے مسجد میں تشریف لائی تھیں۔ جب مکان کو واپس جانے لگیں تو چونکہ رات زیادہ ہو گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پہنچانے کے لئے مسجد سے باہر تشریف لائے۔ راستہ میں ایک انصاری ملے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صفیہؓ کے ہمراہ دیکھ کر ایک طرف ایک گوشہ میں ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: تَعَالَ هِيَ صَفِيَّةُ، (یعنی کچھ کھٹکا مت کرو چلے آؤ یہ تو صفیہؓ ہیں) یہ کہتے ہیں کہ تَعَالَ کا لام ہمیشہ مفتوح پڑھا جاتا ہے خواہ مفرد سے خطاب کیا جائے یا غیر مفرد سے، خواہ مذکر سے یا مؤنث سے۔ ابی فراس بن حمدان کے بہت سے عمدہ اشعار میں مؤنث کو خطاب کرنے کے وقت لام کا کسرہ بھی واقع ہوا ہے۔ ان اشعار کی لطافت کے باعث میں چاہتا ہوں کہ ان کو نقل کروں۔ جب اس نے اپنے قریب ایک کبوتری کو نوحہ زن دیکھا تو یہ ابیات نظم کئے۔

ابی فراس بن حمدان کے چند اشعار

اقول وقد ناحت بقربي حمامةٌ ایا جارةٌ هل تشعرین بحالی

جب میرے قریب ایک کبوتری نوحہ زن ہوئی تو میں اسی سے کہتا ہوں اے میری پڑوسن
کیا تجھ کو میرے حال کی کچھ خبر ہے۔

مَعَاذَ النَّوَیٰ مَاذُقْتِ طَارِقَۃَ النَّوَیٰ وَلَاخَطَرَتْ مِنْکِ الْھُمُوْمُ بِبَالِ

غم فرقت سے پناہ! خدا کرے تو کبھی کھٹکھٹا دینے والی جدائی کا مزہ نہ چکھے۔ اور
نہ کبھی غم تیرے دل میں واقع ہو۔

أَیَاجَارَۃً مَاأَنْصَفَ الدَّھْرُ بَیْنَنَا تَعَالِیْ أُقَاسِمْکِ الْھُمُوْمَ تَعَالِیْ

اے پڑوسن میرے تیرے درمیان زمانہ نے انصاف نہیں برتا۔ چلی آتا کہ ہم غم کو باہم
تقسیم کر لیں چلی آ۔

تَعَالِیْ تَرَیْ رُوْحًا لَدَیَّ ضَعِیْفَۃً تَرَدَّدُ فِیْ جِسْمٍ یُعَذَّبُ بَالِ

آجا تا کہ تو میرے پاس ایک ایسی کمزور روح کو دیکھے۔ ایسے جسم میں جو بوسیدہ
ہو گیا ہے اور عذاب دیا جاتا ہے۔

أَیَضْحَکُ مَاسُوْرٌ وَتَبْکِیْ طَلِیْقَۃٌ وَیَسْکُتُ مَحْزُوْنٌ وَیَنْدُبُ سَالِیْ

کیا قیدی ہنستا ہے اور آزاد روتا ہے۔ (کیا غمزدہ خاموش رہتا ہے غمگین اور
بے غم نوحہ گر ہوتا ہے۔

لَقَدْ کُنْتُ أَوْلٰی مِنْکِ بِالدَّمْعِ مُقْلَۃً وَلٰکِنَّ دَمْعِیْ فِی الْحَوَادِثِ غَالِیْ

بیشک میری آنکھ آنسو کیلئے تجھ سے زیادہ مستحق تھی۔ لیکن میرے آنسو حوادث
میں بہنے سے بالاتر ہیں۔

بدر الدین رح کی ولادت ۷۶۳ھ میں ہوئی۔ ابتداء ہی سے تحصیل علم میں مشغول
رہے۔ اور اسی میں نشو و نما پائی۔ سرعت ادراک اور قوت حافظہ میں اپنے ہمعصروں
میں یکتا تھے۔ خصوصاً علوم ادبیہ، نحو اور نظم و نثر میں تو سب پر صاف برتری

حاصل تھی، فقہیات، علم شروط اور سجلات میں بھی اصحاب فن کے ساتھ مشارکت تامہ رکھتے تھے۔ جامع ازہر میں ایک عرصہ تک علم نحو کے درس میں مشغول رہے پھر اسکندریہ لوٹ آئے۔ تحصیل مال کی طرف راغب ہوئے تو ایک بڑا کارخانہ کھولا اس میں بہت سے جولاہوں کو اجرت پر رکھ کر کام میں لگایا۔ تقدیر الٰہی سے عمارتِ کارخانہ میں آگ لگ گئی۔ اور سُوت و روئی نیز اس صنعت کا بہت سا سامان نذرِ آتش ہوگیا۔ بہت سا قرضہ ان کے ذمہ باقی رہ گیا۔ جب قرضداروں نے تنگ کرنا شروع کیا تو مجبوراً اسکندریہ سے صعید (بالائی مصر) کی طرف چل دیئے قرضداروں نے بھی انکا تعاقب کیا۔ آخرکار قاہرہ میں گرفتار ہوکر آئے۔ تقی الدین بن حجۃ اور ناصر الدین البارزی (کاتب السرّ) انکی پرورش و حمایت کے لئے کمربستہ ہوئے اور ان کا حال ایک حد تک اصلاح پذیر ہوگیا۔ پھر وہاں سے یمن کی طرف رحلت کی اور وہاں سے بلاد ہند پہنچے۔ اور شہر احمدآباد و گجرات میں جو اس وقت حسن آباد کے نام سے مشہور تھا آئے۔ یہاں انہیں اقبال نصیب ہوا۔ اور انہوں نے سلطانِ وقت سے بہت فائدہ اٹھایا۔ اب ان کی زندگی نہایت خوشحالی سے گزرنے لگی یہاں تک کہ ماہِ شعبان ۸۲۸ھ میں انتقال ہوگیا۔ چونکہ ان کی موت ناگہانی واقع ہوئی تھی اس وجہ سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ کسی نے ان کو زہر دیدیا ہے۔ واللہ اعلم (آپ شہر گلبرگہ، دکن میں مدفون ہیں)

علم حدیث میں ان کی صرف یہی شرح ہے مگر علم ادب میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے شرح تسہیل اور شرح خزرجیہ ہے، عروض میں ان کی تالیف جواہر البحور ہے۔ الفواکہ البدریہ بھی اُن ہی کی منظومات میں سے ہے۔

: مقاطع الشرب اور نزول[1] الغیث فی الارض علی العیب الذی التحم فی شرح لامیہ العجم والغیث الذی انسجم، بھی ان کی تالیف کردہ ہے۔ یہ (شرح لامیۃ العجم)

---

[1] نزول الغیث الذی انسجم فی شرح لامیۃ العجم للصفدی۔

علامہ صفدری کی تالیف ہے۔ جو صلاح الدین کے لقب سے ملقب اور علم ادب میں یکتا و مشہور ہیں۔ جواہر البحور کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ اور تحفۃ الغریب فی شرح مغنی اللبیب بھی ان (بدر الدین) کی ہی تالیف ہے۔ ان کی منظومات میں سے یہ چند اشعار سپرد قلم ہیں۔

علامہ بدر الدین دمامینی کے چند اشعار

أَيَا عُلَمَاءَ الْهِنْدِ إِنِّيَ سَائِلٌ	فَمُنُّوا بِتَحْقِيقٍ بِهِ يَظْهَرُ السِّرُّ
اے علمار ہند میں ایک سوال پیش کرتا ہوں	پس راز کو حل کرنے والی تحقیق سے واقف فرما کر مجھکو ممنون فرمائیں
أَرَى فَاعِلًا لِلْفِعْلِ أُعْرِبَ لَفْظُهُ	بِجَرٍّ وَلَا حَرْفٌ بِهِ يُمْكِنُ الْجَرُّ [1]
ایک فعل کا فاعل ہے جسے جر کا اعراب دیا گیا ہے	حالانکہ کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس سے جر دیا جا سکے
وَلَيْسَ بِمَحْكِيٍّ وَلَا بِمُجَاوِرٍ	لِذِي الْخَفْضِ وَالْإِنْسَانُ بِالْبَحْثِ يُضْطَرُّ
اور نہ وہ محکی ہے اور نہ کسی مجرور کے متصل ہے	اور انسان تفتیش و تحقیق کرنے پر مجبور ہے
فَهَلْ مِنْ جَوَابٍ عِنْدَكُمْ أَسْتَفِيدُهُ	فَمِنْ بَحْرِكُمْ مَا زَالَ يُسْتَخْرَجُ الدُّرُّ
تو کیا تمہارے پاس کوئی جواب ہے جس سے میں استفادہ کر سکوں	کیونکہ تمہارے سمندر سے ہمیشہ موتی ہی نکلتے ہیں۔

مترجم کہتا ہے کہ اس سے مراد لفظ صنبر ہے جو ذیل کے شعر میں ہاج کا فاعل واقع ہوا ہے۔ یہ شعر طرفۃ بن العبد کا ہے۔

بِجِفَانٍ تَعْتَرِي نَادِيَنَا	وَسَدِيفٍ حِينَ هَاجَ الصِّنَّبْرِ

یہ اشعار بھی ان ہی کے ہیں۔

---

[1] بعض نے یہ شعر اس طرح لکھا ہے۔

فَمَا فاعل قد جر بالخفض لفظه	صريحًا ولا حرف يكون به جر

اَلَا یَا عَذَارِیکَ ھُمَا اَوْقَعَا ۔ قَلْبُ الْمُعَنیٰ لِصَّبِّ فِی الْحَیْنِ

اے معشوق! اپنے رخساروں کی خبر لے ۔ اس لئے کہ انہوں نے میرے مصیبت زدہ حیران دل کو موت کی ہلاکت میں ڈالدیا ہے

فَجدْلَہٗ بِالْوَصْلِ وَاَسْمِعْ بِہٖ ۔ فَکَیْفَ قَدْ ھَامَ بِلَا مَیْنِ

پس اسکو وصل دیکر اسکے ساتھ سخاوت و بخشش سے پیش آ ۔ اور ایسا تو کیوں نہ کرے جبکہ وہ بغیر جھوٹ کے (یعنی سچ مچ) سرگشتہ اور حیران ہے ۔

یہ اپنے استاد سے ایک عجیب لطیفہ نقل کرتے ہیں کہ میں ایک روز اسکندریہ میں ان کے درس میں حاضر تھا ان کے تلامذہ میں سے ایک شخص نے انکی کتاب مختصر جو فقہ میں ہے پڑھتا تھا ۔ کتاب الحج چل رہی تھی ۔ اسی مجلس میں بعض ایسے طلبہ بھی حاضر تھے جو بحث و اعتراض کے زیادہ دلدادہ تھے ۔ اتفاقاً اس میں ایک ایسی عبارت واقع ہوئی جس میں مضاف الیہ کی طرف ضمیر راجع ہوتی تھی ۔ طالب علم مذکور نے جرأت کرکے استاد سے پوچھا نحوی کہتے ہیں کہ مضاف الیہ کی طرف ضمیر کو نہیں پھیرنا چاہیئے تو پھر یہ عبارت کیسے درست ہوئی ۔ شیخ نے جواب میں فوراً یہ آیت پڑھی ۔ قال اللہ تعالیٰ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ۔ یعنی یحمل کی ضمیر حمار کی طرف جو مضاف الیہ ہے راجع ہے اس جواب میں جو لطافت ہے وہ پوشیدہ نہیں ۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ مضاف الیہ کی طرف ضمیر کا لوٹانا منع نہیں ہے البتہ اگر مضاف اور مضاف الیہ دونوں کی طرف ضمیر کا راجع ہونا ممکن ہو تو اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ مضاف کی طرف ضمیر کو راجع کریں ۔ کیونکہ کلام سے مقصود مضاف ہی ہوتا ہے ۔ [1]

---

[1] بستان المحدثین صفحہ ۲ ۔

شیخ غوث الدین

متوفی ۲۲ رصفر ۸۳۵ھ - ۲۸ راکتوبر ۱۴۳۱ء

شیخ عالم فقیہ غوث الدین قادری بغدادی، آپکا وطن بغداد تھا وہاں سے ہندوستان تشریف لاکر احمدآباد کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ جہاں خود ایک مدرسہ کی تعمیر کرائی جس میں برسوں مسندِ تدریس کو زینت بخشی۔ تعلیم و تلقین دونوں سے مسترشدین کو مستفیض فرمایا۔ حضرت شیخ یعقوبؒ خوند میر اور ان کے علاوہ بے شمار مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا تھا۔ قدس سرہٗ

۲۲ رصفر المظفر ۸۳۵ھ / ۸۲ راکتوبر ۱۴۳۱ء کو عالم ملکوت کو کوچ فرمایا۔ [۱]

آپ بھی قلقشندی کے معاصر ہیں۔

مُلّا جعفر

م ۱۳ رصفر ۸۴۶ھ ۲۱ رجون ۱۴۴۲ء

جماعت جعفریہ کے بانی، مُلّا جعفر، پٹن (گجرات) میں پیدا ہوئے، اور اسی جگہ ابتدائی تعلیم حاصل کی، متوسط تعلیم احمدآباد کے مدرسہ میں ختم کرکے یمن چلے گئے۔ جہاں سید شمس الدین علی داعی وقت تھے، چند سال کے بعد وہ ہندوستان واپس آئے، مگر چونکہ والی ہند ملا حسن بن آدم کی اجازت کے بغیر گئے تھے، اسلئے سیدنا علی بنی داعی وقت نے ان کو تعلیمی سند نہ عطا کی، اور نہ کوئی خطاب، ہندوستان پہنچ کر انہوں نے بغیر اجازت نماز پڑھادی، اس پر دانی اور ملا جعفر میں خوب خوب گرما گرم بحث ہوئی، آخر ملا جعفر

---

[۱] نزہۃ الخواطر اردو ۱۵۱ عربی ۱۵۱ ۱۱۷/۳

احمد آباد سے پٹن آئے۔ اور لوگوں کو تشیع سے تسنن کی طرف دعوت دینی شروع کی، اور اس میں بہت کامیاب رہے۔ یہ واقعہ تقریباً ۸۳۰ھ کا ہے، جو احمد شاہ اول بانی احمد آباد کا عہد ہے۔ ملا جعفر نے گجرات کا دورہ کر کے اپنی تبلیغ کو بڑی وسعت دی ۸۴۶ھ/۱۴۴۲ء میں بعہد محمد شاہ بن احمد شاہ وہ احمد آباد آئے، دربار میں ان کی بڑی عزت افزائی ہوئی عرصہ تک اپنے فرائض ادا کرتے رہے، آخر شیعہ بوہروں نے چانپانیر آنے کی دعوت دی، جو ایک خود مختار راجہ کا پایۂ تخت تھا۔ جب جعفر صاحب وہاں پہنچے تو چند دنوں کے بعد شیعہ بوہروں نے بر سر بازار ۱۳ صفر آپ کو قتل کر دیا اسی جگہ ان کا مزار ہے، اس کے بعد انکا کوئی جانشین نہ ہوا، لیکن جعفری اورنگزیب عالمگیر کے عہد تک ان سے مناظرہ اور مکالمہ کرتے رہے آجکل جعفری اپنے کو جعفری نہیں کہتے، بلکہ سُنی بوہرہ کہتے ہیں۔ [1] ملا جعفر علامہ مقریزی کے ہمعصر ہیں،

سید محمد خدا بخش

م ۵ جمادی الثانی ۸۴۲ھ

سید محمد جو سید خدا بخش کے نام سے معروف ہیں۔ میر سید محمد بن حضرت سید حسین جو حضرت سر اللہ المتعال کے مرید تھے۔ سر اللہ المتعال مخدوم سید راجو قتال کے مرید تھے۔ اور حضرت قطب عالم کے خلیفہ تھے آپ اُوچ شریف سے بی بی سعادت خاتون (جو حضرت قطب عالم کی والدہ ہیں) کے ہمراہ حضرت سید راجو قتال کے حکم سے یہاں تشریف لائے تھے۔ حضرت قطب عالم کے ہمرکاب آپ پٹن پہنچے تھے۔ اور علم صوری و معنوی کا اکتساب اپنے والد بزرگ کی خدمت سے انہوں

---

[1] معارف ج ۵۴ ص ۲۲۳،۲۲۴ - تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی ص ۲۵

نے کیا تھا ۔ اور اپنے پیرو دستگیر سے بھی علوم حاصل کئے تھے ۔ آپ فقیہ کامل اور بڑے محدث تھے ، اور سلسلہ چشتیہ سے آپ ارادت رکھتے تھے ۔

۵ رجمادی الثانی ۸۴۷ھ میں دوشنبہ کے روز آپ نے رحلت فرمائی ۔ ؎۱

؛ آپؒ حافظ ابن حجر عسقلانی رح کے معاصر ہیں ،

شیخ حاجی رجبؒ

ظفر الوالہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ !

جس وقت عماد الملک جالور اور سانچور کو فتح کرنے کے لیے مامور ہوئے تو قطب ربانی شیخ حاجی رجب کے آنگن میں پہلے جاکر اترے یہ ۸۵۰ھ میں ہوا ۔ ؎۲

شیخ عزیز اللہ مندوی

م ۲۳ / صفر ۸۵۲ھ ۲۶ / اپریل ۱۴۴۸ء

فقیہ عزیز اللہ بن یحییٰ بن لطف اللہ عمری مندوی ۔ شہاب فرخ شاہ عمری کابلی کی اولاد میں سے تھے ۔ حضرت رکن الدین مودود گجراتی کی خدمت میں برسوں باریاب رہے حتیٰ کہ مرتبہ کمال تک پہنچے ۔ پھر احمد آباد اور دکن کے کئی شہروں سے گذر کر منڈو (مالوہ) میں فروکش ہو گئے ۔ زہد ، توکل اور قناعت وضبط میں کوئی انکا نظیر نہ تھا ۔

؎۱ خاتمہ مرأت احمدی ص ۱۱۴ ۔ ؎۲ ظفر الوالہ ص ۲۶/۱۷۰ ۔

کسی قسم کا نذرانہ قبول نہ کرتے نہ اپنے پاس کسی چیز کا اندوختہ رکھتے۔ ایک مرتبہ قلب پر قبض کی سی کیفیت طاری ہوئی تو تلاش پر معلوم ہوا کہ بی بی صاحبہ نے ایک روٹی کا ٹکڑا بچا لیا تھا جسے بچے کیلئے دودھ میں بھگو دیا جب شیخ کو اس بات کا علم ہوا تو بی بی صاحبہ کو حکم دیا کہ دودھ میں بھیگی ہوئی روٹی کسی کو دیدیں اور آئندہ کبھی گھر میں کسی قسم کا اندوختہ جمع نہ رہنے دیں (بحوالہ گلزار ابرار)

شیخ کے پانچ فرزند تھے (۱) سعد اللہ (۲) رحمت اللہ (۳) حسن سرمست (۴) نصر اللہ (۵) شہر اللہ۔ (بحوالہ مجمع البحار) کتاب خزینۃ الاصفیاء میں جو آپ کا سنِ رحلت ۹۱۲ھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ آپؒ حافظ ابن حجر عسقلانی کے ہمعصر ہیں۔

شاہ موسیٰ سہاگ

م ۸۵۳ھ ۔ ۱۴۴۹ء

حضرت شاہ موسیٰ سہاگ مردِ کامل تھے۔ شاہ سکندر بود کے مرید تھے۔ سدا سہاگ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجڑوں کے ہمراہ محفل سماع کرتے اور گاتے تھے۔ [۱]

آپ کی کرامتوں کا شہرہ بہت تھا۔ ایک مرتبہ احمد آباد میں بارش نہیں ہو رہی تھی بادشاہ نے شہر کے قاضی کو دعار کرنے کے لئے کہا قاضی نے کہا کہ میرے دعار کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔

آپ شاہ موسیٰ سہاگ سے دعا کرائیے، وہ دعا کرینگے تو ضرور بارش ہوگی۔ بادشاہ اور قاضی دونوں حضرت کے مکان پر حاضر ہوئے اور آپ سے التجا کی کہ دعا کریں کہ بارش ہو اور خشک سالی دور ہو۔ آپ نے فرمایا تم دونوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ شاہ موسیٰ تو

---

[۱] نزہۃ الخواطر اردو ص ۵۲۷۔ تذکرہ صوفیائے گجرات ص ۶۶

کوئی اور ہونگے ان کے پاس جاؤ اور ان سے دعا کراؤ میں تو ایک گنہگار بندی ہوں اور یہاں لوگوں میں رہکر اپنا گذارا کرتی ہوں۔ بادشاہ اور قاضی برابر اصرار کرتے رہے چنانچہ آپ راضی ہو گئے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے آپ نے دعا کی کہ اے میرے خاوند اگر تو نے میری التجا قبول نہ کی اور پانی نہ برسایا تو میں اپنا سہاگ چھوڑ دونگی۔ یہ کہہ کر اپنی چوڑیاں توڑنے لگے کہ آسمان پر ابر نمودار ہوا اور زور کی بارش ہوئی۔ [1]

آپ زنانہ لباس پہنتے تھے۔ احمد آباد کے علمار نے ایک دفعہ آپ کو جامع مسجد بلایا آپ وہاں گئے۔ علمار نے آپکی مرضی کے خلاف آپ کا زنانہ لباس اتروایا اور آپ کو سفید لباس پہنایا۔ وضو کر کے آپ نماز میں شریک ہوئے اللہ اکبر کہتے ہی وہ سفید لباس سرخ ہو گیا۔ نماز کے بعد آپنے فرمایا کہ میرا میاں کہتا ہے کہ تو سہاگن رہ اور یہ موئے کہتے ہیں رانڈ ہو جا۔ میں تو میاں کے کہنے پر چلونگی۔ یہ کرامت دیکھ کر علماء متعجب ہوئے اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیا۔

شاہ موسیٰ سہاگ کی وفات ۸۵۳ھ ۱۴۴۹ء میں ہوئی۔ مدفن احمد آباد گجرات ہے۔ [2]

مرزا حسن نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ:

مشہور ہے کہ آپ بھی سلسلۂ چشتیہ سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہنتے تھے اور رقاصہ اور رنگانے والوں کے طائفہ میں رہتے تھے، اور اس لباس میں رہکر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے

روضات شاہی میں لکھا ہے کہ میاں موسیٰ درویش جو موسیٰ سہاگ کے نام

---

[1] اولیائے ہند و پاکستان صفحہ ۳۲۰۔ تذکرہ صوفیائے گجرات۔ [2] نزہۃ الخواطر اردو صفحہ ۵۳۶ تذکرہ صوفیائے میوات صفحہ ۶۶۔

سے مشہور تھے، شہر احمدآباد میں سکونت پذیر تھے اور ہمیشہ اپنے ہاتھ میں چوڑیاں پہنتے تھے ایک روز جب کہ آپ کا وقتِ موعود آپہنچا تو حضرت شاہ عالم کو مکشوف ہوگیا۔ حضرت نے اپنے خلیفۂ خاص میاں مخدوم سے فرمایا کہ میاں موسیٰ سہاگؒ کا انتقال ہوگیا، تم جلدی جلدی جاؤ اور ان کے تجہیز و تکفین وغیرہ میں شریک ہوجاؤ اور خبردار! ان کی چوڑیاں ان کے ہاتھ سے نہ نکالنا "کما تعیشون تموتون" کے مواخق ان کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اسی طرح وہ زندگی کے ایام میں اپنے آپ کو عامیانہ لباس ۔ ۔ میں رکھ کر لوگوں سے چھپانا چاہتے تھے تو مرنے کے بعد بھی انکی قبر نامعین رہی کہ چار قبروں میں سے جو اس احاطہ میں ہیں۔ معلوم نہیں کہ آپ کی قبر کونسی ہے ۔ ۔ باغ شاہی کے کنارے پر آپ کا مزار ہے وہاں چار قبریں ہیں۔ [1]

شیخ کبیرالدّین ناگوری

(م ۱۷ ذیقعدہ ۸۳۵ھ/۸۵۶ھ ۱۵ جولائی ۱۴۳۲ء/۱۴۵۲ء)

شیخ کبیرالدین ابن فریدالدین بن عبدالعزیز ناگوری، مشہور عالم ربانی، بڑے بزرگ اور بلند مرتبہ ولی تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

ان کی یادگار ان کی تصانیف ہیں۔ منجملہ ان کے ایک بہت اہم شرح المصباح فی النحو ہے جس کا نام و ہن ہے۔ گلزار ابرار میں تحریر ہے کہ کافروں کی فرقہ پردازیوں کی وجہ سے ہجرت کر کے گجرات تشریف لائے اور احمدآباد میں اقامت اختیار کی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور عرصۂ دراز تک آپکا چشمۂ فیض جاری

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص۲۷۔

رہا۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے نفع حاصل کیا اور آپ سے فیض یاب ہوئے آپ سے مستفید ہونے والوں میں اہم ترین شخصیت شیخ حسین بن خالد ناگوری کی ہے۔

وفات: ۱۰ ذیقعدہ ۸۳۵ یا ۸۵۶ھ میں وفات پائی اور احمد آباد میں دفن ہوئے۔ ۱۵ جولائی ۱۴۳۲ء یا ۱۴۵۲ء [۱]

آپ تقی الدین الفاسی رح کے ہم عصر ہیں۔

خزینۃ الاصفیاء میں آپ کے متعلق اس طرح لکھا ہے کہ!

آپ حضرت شیخ فرید بن عبدالعزیز صوفی حمید الدین ناگوری قدس سرہم کی اولاد میں سے تھے۔ اور اس سلسلہ میں مرید بھی تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں کمال حاصل تھا، آپ کی کتاب "ضوء المصباح" بڑی بلند پایہ تصنیف ہے۔ آپ کافی عرصہ ناگور میں رہے مگر جب ناگور میں ہندو مسلم فساد ہوا تو آپ ناگور کو چھوڑ کر گجرات چلے آئے۔ اور ۵/ربیع الاول ۸۵۸ھ/۴ مارچ ۱۴۵۴ء کو رحلت فرمائی۔

قطعۂ تاریخ

بحنت چو رفت از جہاں فنا
کبیر آں شہ پیر برنا و پیر
بتاریخ ترحیل آں شاہ دین
بگو قبلہ اہل جنت کبیر

---

[۱] اذکار ابرار۔ تذکرہ صوفیاء میوات، اخبار الاخیار نزہۃ الخواطر اردو ۱۲۹ ایضاً عربی ۱۲۹ ص۱۶۲

شیخ کمال الدین کرمانی

(م ۸۷۵ھ — ۱۴۶۸ء)

شیخ کمال الدین کرمانی، اولیاء سالکین راہ خدا میں سے تھے۔ آپؒ کے شیخ طریقت شیخ نعمت اللہ کرمانی ہیں۔ آپ ہندوستان وارد ہوئے اور احمدآباد میں اقامت اختیار فرمائی اور قبولِ عظیم آپ کو حاصل ہوا۔ آپؒ نے ۸۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ [۱]

خاتمہ مرأت احمدی میں ہے کہ

حضرت قطب عالم ایک مرتبہ شیخ کمال کرمانی کی زیارت کے لئے تشریف لےگئے تھے۔ اور آپ کے دستِ مبارک میں سیاہ دانوں کی تسبیح تھی۔ شیخ کمال کہنے لگے کہ سیاہ دانوں کی تسبیح موروثِ فقر ہے۔ حضرت فرمانے لگے کہ کوئی شخص بطور فخر کے فقر کو اختیار کئے ہوئے ہو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ شیخ کمال نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر مار کر عرض کیا کہ کمال کی کیا مجال ہے کہ آپ کے موروثی اختیاری فقر کا قصہ زبان پر لائے۔ لیکن اس قسم کی تسبیح رکھنا موجب فقر اضطراری ہے۔ اس لئے گستاخی میری طرف سے ہوئی۔ حضرت قطب عالم نے اپنی تسبیح کو کھول لیا اور شیخ کمال نے بھی اپنی تسبیح کو جو مرجان کے دانوں کی تھی کھول لیا۔ اور اب دونوں تسبیح کے دانوں کو ملاکر دو تسبیح جو سرخ اور سیاہ دانوں پر مشتمل تھیں بنالی گئی۔

ایک قطب عالم نے رکھ لی اور ایک شیخ کمال نے رکھ لی۔ یہ شیخ کمال سید نعمت اللہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اور سید نعمت اللہؒ شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے مرید اور خلیفہ تھے شیخ کمال کرمانی کی قبر بہرام پور میں واقع ہے۔ [۲]

آپؒ ابن الہمام کے معاصر ہیں۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۹ ص ۱۲۲ ۔ [۲] خاتمہ مرأت احمدی ص ۹۶ ۔

شیخ حسن بن محمدؒ اساولی

(متوفی ۱۳ شوال ۸۷۰ھ/ ۲۷ مئی ۱۴۶۶ء)

شیخ حسن بن محمد اساولی۔ آپ کا معروف نام اڈہن ہے خطہ گجرات کے ممتاز شیخ طریقت ہیں۔ آپ عالم ارواح اور عالم اجسام دونوں کے رموز سے آگاہ اور عقلی اور نقلی کتب کے عالم تھے۔

آپ کی ولادت ۸۱۴ھ/ ۱۴۱۱ء میں ہوئی۔

آپ نے بہت سے مشائخ سے ملاقات کی اور ان سے فیض حاصل کیا۔ طریقت میں حضرت عبداللہ بن محمود حسینی سے فیض حاصل کیا۔ ان کے بعد شیخ نصیر بن جمال نوساوری کی خدمت میں رہے اور خرقہ خلافت سے نوازے گئے۔

آپ نے ۱۳ شوال ۸۷۰ھ ۲۷ مئی ۱۴۶۶ء کو انتقال فرمایا۔ آپکی قبر اساول میں ہے۔ اساول احمد آباد کی ایک بڑی بستی کا نام ہے۔ [1] آپؒ قاسم بن قطلو بغا کے معاصر ہیں۔

بی بی خوند کاروی والدہ سیّد خوندمیر

بی بی خوند کاروی گیارہویں صدی ہجری یعنی سترہویں صدی عیسوی کی ایک بزرگ خاتون ہیں۔ برصغیر میں جہاں مردوں نے اسلام کی خدمت اور دین کی تبلیغ کے لئے بزرگی کا مسلک اور تصوف کا راستہ اختیار کیا ہے عورتوں میں سے بھی بعض نے

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۱۵۳۔ نزھۃ الخواطر عربی جلد ۴ ج ۳ صفحہ ۶۰۔

مقدور کیھر اس مرتبہ و شرف کو پایا ہے۔

مولوی نور احمد فریدی نے سید خوند میر اور انکی والدہ بی بی جیو کا حال لکھا ہے سید خوند میر کے متعلق مرزا محمد حسن ،مرأۃ احمدی، جلد دوئم میں لکھتے ہیں کہ سید بڈا ابن سید یعقوب کے بیٹے تھے۔ خلافت اپنے چچا سید شادی بن سید یعقوب بن سید محمود کبیر برادر سید حسین خنک سوار (خلیفہ حضرت سلطان الاولیار والمشائخ نظام الدین اولیار قدس سرہ) سے حاصل کی تھی۔ جب حضرت خوند میر ابھی دودھ پیتے بچے تھے تو ان کی والدہ بی بی جیو وضو کرتیں، دوگانہ ادا کرتیں اور بارگاہِ الہٰی میں ہاتھ اُٹھا کر کہتیں ۔ یا الہٰی اگر یہ بچہ تیرے پسندیدہ لوگوں میں سے ہے تو اسے زندہ رکھیو ورنہ اسے موت دے دیجیو ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خوند میر کو وہ درجہ عطار کیا کہ خود بی بی خوند جیو ان کی مرید ہوئیں ۔ بڑی ہی صالحہ، عابدہ، شب بیدار اور نیک خاتون تھیں ۔ کئی تذکرہ نگاروں نے ان کا اور ان کے اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ عبدالجبار ملکاپوری نے "محبوبِ ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن" میں ان کے حال میں لکھا ہے کہ رابعہ ثانیہ تھیں۔ بی بی پورہ واقع احمد آباد میں مدفون ہیں ۔ میر علی شیر قانع نے "تحفۃ الکرام" میں بھی انکے اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ [1]

شیخ خوند میر

(م ۱۰ ربیع الثانی ۸۷۴ھ/۱۶ اکتوبر ۱۴۶۹ء)

شیخ فقیہ خوند بن سید بڈھا ابن یعقوب بن محمود حسینی ۔ آپ کا مولد منشار گجرات ہے۔ اپنے چچا شادی بن یعقوب سے پڑھا اور انہی سے طریقت میں سرفراز ہو کر

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۲ ص ۲۴۲ ۔

پٹن سے احمد آباد تشریف لائے۔ یہاں شیخ عبداللہ بن محمود حسینی سے اکتساب کیا۔
آپ نہایت بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ آپ سے ہزاروں افراد نے
کسب فیض کیا۔ آپ کے کشوف کرامات مشہور ہیں۔ آپ نے ۱۰ ربیع الثانی
۸۷۴ھ/۱۶ اکتوبر ۱۴۶۹ء میں رحلت فرمائی۔ [۱]
خاتمہ مرأت احمدی میں آپ کا ذکر تفصیل سے ہے لکھا ہے کہ!
سادات عریضی میں سید خوندمیر ہیں۔ سید خوندمیر بن سید بڈھا بن سید
یعقوب۔ آپ نے بیعت کا تعلق اپنے چچا سے استوار کیا تھا اور انہی سے خلافت
پائی تھی، جن کا اسم گرامی سید شادی بن سید یعقوب بن سید محمود بن سید کبیر۔
جو سید حسین خنک سوار کے بھائی ہیں۔ اور یہ سید حسین خنک سوار حضرت سلطان
المشائخ نظام الدین اولیاء رح کے خلیفہ تھے۔ ولایت عجم سے آکر پٹن میں مقیم ہوئے
اور وہیں مدفون ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ جب سید خوندمیر ایام ——
رضاعت میں دودھ کے خواستگار ہوتے تو آپ کی والدہ ماجدہ بی بی جیو
تازہ وضو فرماتیں اور دوگانہ نماز ادا فرماتیں اور حق تعالیٰ شانہ، سے دعا کرتیں
کہ الٰہی اگر یہ بچہ تیری بارگاہ میں مقربین میں سے ہونے والا ہے تو اس کی حفاظت فرما
ورنہ اس کا خاک ہو جانا بہتر ہے۔ اس دعا کے بعد وہ آپ کو دودھ پلاتیں۔
ڈھائی سال کی عمر کے بعد والدہ ماجدہ نے آپ کی تربیت فرمائی۔ اور آپ کے
چچا والدہ کی اس پرورش کرنے میں انکی مدد فرماتے تھے۔ آپ کے چچا نے آپ
کے ظاہر و باطن کی اچھی طرح تربیت فرماکر بارہ سال ہی کی عمر میں اپنا قائم مقام بنادیا
تھا۔ اور اس کے بعد وہ رحلت فرما گئے تھے۔ —— آپ چچا کی رحلت کے

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳

بعد مخدوم سیّد حسین کی بشارت پر اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ پٹن سے منتقل ہو کر احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں آکر نکاح کیا اور حضرت سید برہان الدین قطب عالم کی خدمت میں رہکر فیضیاب ہونے لگے۔ نیز شیخ عبدالفتاح سے بھی تلقین حاصل کرتے رہے۔ اور ان سے بھی فیوض پاتے رہے۔ سیّد عبدالفتاح جو سیّد علاؤالدین کے خلیفہ تھے اور وہ سیّد محمود گیسو دراز کے خلیفہ تھے۔ سیّد خوندمیر کہا کرتے تھے کہ جو نعمت میں حاصل کرتا ہوں اس کو تین حصوں میں منقسم کرتا ہوں ایک اپنے لئے اور ایک اپنے فرزندوں کے لئے اور ایک بندگان خدا کے لئے۔ اگر وہ نیک صلحار میں سے ہوں تو میں ان پر ایثار کرتا ہوں کہتے ہیں کہ ملک شعبان جو سلطان احمد کے وزیر تھے یہ آپ کے یعنی سید خوندمیر کے بڑے معتقد تھے مگر وہ امور سلطنت میں انتظام، امور سلطنت کی نگرانی اور انتظامات کی ذمہ داری کی بنا پر حاضر خدمت نہیں ہو سکتے تھے اس لئے اپنے صاحبزادے ملک خوش باش کو آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے کہ وہ روزانہ آپ کی خدمت میں جائے اور دعار کے لئے درخواست کرے۔ ایک روز بی بی جی جو سید خوندمیر کی والدہ ماجدہ تھیں۔ انہوں نے سیّد سے فرمایا کہ ملک شعبان سے قبرستان کی زمین مانگو۔ سیّد خوندمیر نے وزیر کے صاحبزادے

ملک خوش باش سے فرمایا اور انہوں نے ملک شعبان وزیر تک پیغام پہنچایا۔ ملک شعبان نے بارہ گاؤں کا پروانہ ان کے نام لکھدیا مگر قبول نہیں کیا، اس وقت ملک خوش باش نے عرض کیا کہ میں نے خود اپنے لئے ایک قبرستان کی جگہ لی ہوئی ہے اگر آپ چاہیں تو قبول فرمائیں۔ بی بی جی بہل کے اوپر سوار ہو کر وہاں گئیں اور اس جگہ کو ملاحظہ فرما کر کہنے لگی کہ "این جائے ما است"، کہ یہ ہماری جگہ ہے۔ اس کے

بعد جب پہلے ملک خوش باش کا انتقال ہوا تو ان کو اسی جگہ دفن کیا گیا اور سید خوندمیر کا انتقال ۹۷۴ھ ۴ ربیع الثانی کو ہوا۔ اور بی بی پور میں اپنے والدہ ماجدہ کے مقبرہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ بی بی جی خود اپنے صاحبزادے سید خوندمیر سے بیعت تھیں آپ کے والد ماجد بڑے صاحب تقویٰ تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ مغلی جو مولانا ضیاء کی صاحبزادی تھیں بڑی ورع وتقوی والی اور عفیف پاکدامن خاتون تھیں بزرگوں سے فیض پایا تھا۔ جب ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت بیٹے کی عمر ڈھائی سال تھی ان کی پرورش و تربیت کی جب کمال کو پہنچے تو ان کی مرید ہوئیں۔ ایک روز اپنے صاحبزادے کو ایک اشرفی دی کہ بازار سے کپڑا خرید کرلے آو۔ اتفاق سے راستہ میں ان کے ہاتھ سے اشرفی گر گئی جب زمین پر گری تو دیکھا کہ وہاں پہلے سے ایک اشرفی پڑی ہوئی تھی تو دو اشرفیاں ہیں دونوں کو زمین پر چھوڑ کر گھر واپس پہنچے پوچھا کپڑا کیوں نہیں لائے عرض کیا کہ اشرفی میرے ہاتھ سے گر گئی تھی جب میں نے دیکھا تو ایک کے بجائے دو تھیں میرے دل میں خوف آیا کہ مبادا کسی دوسرے کا حق ہو جو میرے ہاتھ میں آجائے اس لئے میں نے دونوں ہی کو وہاں چھوڑ دیا معلوم نہیں تھا کہ میری کون سی ہے اور پہلے سے گری ہوئی کونسی ہے۔ ۴ رجمادی الثانیہ کو انہوں نے وفات پائی[1]

: آپ قاسم بن قطلوبغا، اور صاحب النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، ابن تغری البردی کے ہم عصر ہیں۔

---

[1] ۔ خاتمہ مرات احمدی ص۔۔۔

سیّد یعقوب چشتی

سیّد یعقوب چشتی سید خوندمیر کے صاحبزادے ہیں۔ اور اپنے والد محترم سے بیعت تھے، بچپن میں بڑے صبیح ملیح نہایت خوبصورت تھے۔ ملک محمد اختیار کو خیال گذرا کہ اتنے خوبصورت لڑکے ہیں کہ ایک ہی نظر میں وہ ہمیشہ کیلئے منظور بن جاتا ہے سیّد خوندمیر نے کشفِ باطن سے ملک محمد اختیار کا حال معلوم کر لیا تو بچے کو پاکیزہ لباس پہنا کر ملک کے سپرد کر دیا کہ اس کو میں آپ کی فرزندی میں دیتا ہوں، ملک محمد اختیار اپنی صحبت میں ان کو رکھنے لگے علم ظاہری و باطنی سے انکو آراستہ کیا اور نہایت ہی شفقت کی وجہ سے خوند سعید لقب دیا کرتے تھے۔ ایک روز سیّد خوندمیر نے ملک محمد اختیار سے درخواست کی کہ اپنے سر کی کلاہِ مبارک سید یعقوب کو عنایت کیجئے۔ سید یعقوب نے انکار کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ عنایت میرے بھائی ملک مسکین پر ہو جائے جو ملک محمد اختیار کے صاحبزادے تھے۔ اپنے گھر جب پہنچے تو سیّد خوندمیر نے سید یعقوب کو ڈانٹا کہ میں نے تمہیں ایک کام کے واسطے سپرد کیا ہوا تھا آج وہ میسر آرہا تھا اور تم نے انکار کر دیا۔ کچھ نقدی سیّد یعقوب کو دی اور فرمایا کہ اس کا میوہ خرید کر حضرت ملک کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرو کہ مجھے بہت تمنا اور آرزو ہے کہ وہ کلاہِ مبارک عنایت ہو جائے۔ جب حضرت ملک کی خدمت میں پہنچے اور آرزو ظاہر کی تو تو فرمانے لگے کہ یہ خوند سعید کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ بڑے خوندکار کی طرف سے درخواست ہے اور اپنے سامنے بلوا کر نعمت ایثار فرمائی اور کلاہ مبارک اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر رکھی اور فرمایا کہ اگر کام سونپنا اور نعمتوں کا عنایت کرنا میرے ہاتھ میں ہوتا تو اپنے فرزند کو دیتا مگر ہم تو

امانتدار ہیں، حق تعالیٰ شانہ، کا خزانہ ہمارے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے جہاں حکم ہوتا ہے وہاں دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آپ کے متعلق حکم ہوا ہے کہ تم فرزند سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ اس وقت سید یعقوب نے اپنے بھائی ملک مسکین کے لئے پھر سفارش کی تو فرمایا کہ تم اپنی طرف سے دے دو۔ اس پر سید یعقوب نے وہ کلاہ مبارک ملک مسکین کو دے دیا۔ ان کے ملفوظات میں ملتا ہے کہ شاہ عالم و سید یعقوب کے درمیان بڑا زبردست اتحاد تھا۔ ستر دفعہ اس طرح کی صحبتیں رہی ہونگی کہ از راہ محبت ایک دوسرے کے کپڑے ادل بدل لیتے تھے اور یہ کہکر پہنتے تھے .... کہ یہ پیراہن خلافت میں پہن رہا ہوں سلاطین و امراء صلحاء و مشائخ، اہل سلوک ہر طبقہ کے لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہر ایک اپنا مدعیٰ عرض کرتے اور فیضیاب ہوتے اور معمولات کی اس قدر پابندی فرمایا کرتے تھے گویا معلوم ہوتا تھا کہ اوراد کا فوت ہوجانا اس درویش کے نزدیک موت سے بھی بدتر ہے۔ فرماتے کہ: الفوت اشد من الموت ۹۲۷ھ ۲ ذی قعدہ آپنے انتقال فرمایا۔ [1] آپ قاسم بن قطلو بغا کے ہم عصر ہیں۔

شیخ محمود بن عبد اللہ بخاری

از ۲۳ رمضان المبارک ۸۰۹ھ تا ۱۸ ذیقعدہ سنہ ۸۸۰ھ

۲ مارچ ۱۴۰۷ء - فروری/مارچ ۱۴۷۶ء

شیخ محمود بن عبد اللہ بن محمود بن الحسین حسینی بخاری۔ آپ کا لقب ناصر الدین اور کنیت ابو الحسن تھی۔ گجرات کے مشہور مشائخ میں سے تھے، مولد پٹن اور مدفن قریہ بٹوہ احمد آباد ہے سلطان خاتون بنت خداوند خاں انکی والدہ تھیں۔ اپنے والد سے برسوں پڑھتے

---

[1] خاتمہ مرات احمدی ص۲۶۔

رہے اور ان کی رحلت کے بعد مسندِ مشیخت پر متمکن ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ سلہ بحوالہ مرآۃ احمدی

شاہ جلال الدین

(م ۸۸۱ھ - ۱۴۷۶ء)

آپ حضرت شیخ پیارا کے خلیفہ اعظم تھے۔ بڑے صاحبِ تصرف اور کامل شیخ طریقت تھے۔ آپ کا وطن گجرات تھا، مگر بنگال میں زندگی بسر کی، اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ اپنی خانقاہ میں ایک شاہانہ تخت پر بادشاہوں کی طرح بیٹھتے تھے اور اپنے مریدوں اور خادموں کے نام بادشاہوں کی طرح فرمان جاری کیا کرتے تھے۔ آخر ایک بدباطن شخص نے بادشاہِ وقت کے کان بھرے کہ شاہ جلال الدین آپکی سلطنت کے اندر ایک متبادل سلطنت چلا رہے ہیں یہ سلسلہ قائم رہا تو ایکدن آپکو اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ بادشاہ اس کی باتوں میں آگیا۔ اور فوج کو حکم دیا کہ شاہ جلال الدین اور ان کے مریدوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ فوج نے بڑھ کر خانقاہ پر حملہ کرکے آپ کو مریدوں سمیت قتل کر دیا۔ فوج خانقاہ میں آپ کے مریدوں کو تہہ تیغ کر رہی تھی۔ تو شاہ جلال الدین یا قہار یا قہار کا نعرہ لگا رہے تھے۔ مگر جب آپ پر تلوار چلائی گئی تو آپ نے تین بار یا رحمٰن یا رحمٰن کا نعرہ مارا آپ کا سر تن سے جدا ہو کر گر پڑا آپ کے سر سے اللہ اللہ، اللہ کی آواز آ رہی تھی۔ :آپ قاسم بن قطلوبغا کے ہم عصر ہیں،

آپ کی شہادت کا یہ واقعہ ۸۸۱ھ/۱۴۷۶ء میں ہوا۔

سلہ نزھۃ الخواطر صفحہ ۱۹۵۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
شیخ والا جلال عالی جاہ

گفت سرور بسال رحلت او
والی حق جلال شہنشاہ [1]

شیخ احمد بن برہان الدین آخر الاولیاء

(متوفی ۲۲ ربیع الثانی ۸۸۲ھ/ ۱۲ اگست ۱۴۷۷ء)

شیخ عالم صالح احمد بن برہان بن ابو محمد ابن ابراہیم بن محمد الغوری شاہان غوریہ گجراتیہ کی نسل سے تھے۔ مولد و منشا گجرات ہے۔ شیخ صدر جہان گجراتی سے پڑھا اور طریقت میں شیخ محمد بن عبداللہ حسینی البخاری سے فیضیاب ہوئے حتی کہ مرتبۂ کمال تک پہنچے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اکتساب کیا۔

اپنے شیخ کی وفات کے بعد ۲۲ ربیع الثانی ۸۸۲ھ/ ۲ اگست ۱۴۷۷ء میں وفات پائی اور تاج پور ملحقہ احمد آباد میں آسودۂ لحد ہوئے انکی عمر ۶۴ سال تھی بعض حضرات نے ان کی تاریخ وفات آخر الاولیاء لکھی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ [2]

(آپ قاسم بن قطلو بغا کے معاصر ہیں)

---

[1] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲/۳۔ اخبار الاخیار صفحہ ۲۷۳ [2] نزھۃ الخواطر اردو ص ۷۔
نزھۃ الخواطر عربی ص ۷ صفحہ ۲/۵، مرآۃ احمدی۔

مخدوم العالم محمد بن اسمٰعیل بن ابوالقاسم بن ابوجعفر بن ابویوسف یعقوب نہروالی

(م ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۸۸۲ھ مطابق ۲۲ راگست ۱۴۷۷ء)

آپ علماء صلحاء اور محدثین کے خانوادۂ عظمیٰ کے فرد فرید تھے۔ شریعت محمدیہ و سنتِ نبویہ کے شیدائی، صائم الدھر قائم اللیل بزرگ تھے۔

پٹن کے مایۂ ناز تعمیرات جلیلہ میں سے ظفر خاں معروف بہ سلطان مظفر اول کا تعمیر کردہ گنبد آپ ہی کی اجازت و مشورہ سے تعمیر کیا گیا تھا۔ جبکہ آپ کی زبانی سلطان مظفر کو معلوم ہوا کہ یہ مسجد الف خاں سنجر کی تعمیر کردہ ہے اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اس میں دس نمازیں ادا فرمائی ہیں چنانچہ سلطان مظفر نے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مصلّی پر دس روز کا اعتکاف فرمایا اور مسجد کے سامنے آپ کی اجازت سے ایک گنبد تعمیر کروایا۔ گنبد کا حسن و جمال اور اس کی وسعت ان اشعار سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ [۱]

بحکم سیّد الاقطاب مخدوم	زہندوستان بپٹن شاہ مظفر
بشارت یافت از مخدوم عالم	نشستہ معتکف در زیر منبر
بامر شاید سلطان اعظم	بماندہ پیش او مخدوم اکبر
بحکم شاہ ستونہا را بمسجد	شمردہ مردماں از راہ اظہر
ستونہا پنج ہزار و پنجصد و پنج	درآں مسجد نہادہ شد برابر
چوں درآمد مظفر دید مسجد	بہ صحنش کرد گنبد یک مقرر
بگو تاریخ سال گنبد او	بدہ ہفت صد نود و پنج بر سر سال

---

[۱] تذکرہ دوام، دستور الخلافۃ، مراقب الطالبین

حق تعالیٰ نے آپ کو ۸۱ برس کی عمر طویل ــــــــــ عطا فرمائی اور تیرہ جمادی الاولیٰ کی شب میں ۸۸۲ھ/۱۴۷۷ء میں آپ نے رحلت فرمائی۔ ؛ آپ قاسم بن قطلوبغا ؛ کے معاصر ہیں ؛

مخدوم بن برہان الدّین

(م ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء)

مخدوم بن برہان الدّین ہندی۔ آپ شیخ راجح بن داؤد کے علاوہ دیگر علماء سے بھی تعلیم حاصل کی۔ تقریباً چالیس سال کی عمر میں ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء میں انتقال ہوا۔ جہاں آپ درس دیتے تھے وہی آپ کی رہائش گاہ تھی اور بعد میں اسی جگہ دفن ہوئے۔[1]

؛ آپ ابوبکر العامری ؛ صاحب بہجۃ المحافل ؛ کے ہم عصر ہیں ؛

سیّد غوث الدّین بغدادی قادری

(م ۲۲ صفر ۸۹۵ھ بمطابق ۱۲ جنوری ۱۴۹۰ء)

پیرانِ پیر سیّد عبدالقادر جیلانی رح سے آپ کو قرابت حاصل تھی اور بغداد کے مرجع خواص و عوام مشائخ میں سے تھے۔

خواب میں سیّد الکونین فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ احمدآباد جا کر دعوتِ دینِ اسلام کی تبلیغ کا کام انجام دیں۔

دوسری طرف یہی حکم نبوی میزبانوں کو بھی بلا واسطہ خواب میں دیا گیا چنانچہ جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ آپ کے لئے قیام کے تمام انتظامات کے بعد انتظار ہو رہا ہے آپ نے تشریف آوری کے بعد ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس سے تھوڑی ہی مدت میں

---

[1] الضوء اللامع۔

بہت فیض عام ہوا ۔

آپ نے رشتہ ازدواج شاہ علم الدین چشتی کی صاحبزادی سے قائم کیا ۔ چند ہی سال قیام کے بعد حرمین اور وطن کی کشش آپ کو واپس دیار عرب لے گئی اور حج زیارت اور اقربا سے ملکر دوبارہ اکتالیس سال کی عمر میں جب آپ دوبارہ گجرات پہنچے اس وقت ـــــــــ سینکڑوں کی تعداد آپ کے خلفاء و مریدین کی ساتھ تھی ۔ بعضوں نے اسی قافلہ کی تعداد بارہ سو بتائی ہے ۔

اثنار سفر میں جب یہ قافلہ کچھ میں اترا ہے تو وہاں کا ہندو راجہ اجنبیوں کی اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر حملہ کے لئے تیار ہوگیا ۔ آپ کی کرامت کہ دشمن کی فوج کی سواریاں چلنے سے معذور ہوگئیں اور فوج کے سپاہی آنکھوں سے محروم ہوگئے اللہ نے راجہ کو ہدایت دی اس نے مع اپنی رعایا کے اسلام قبول کیا اور نومسلم راجہ نے اپنی دختر نیک اختر کو آپ کے نکاح میں پیش کیا جن سے آپ کے صاحبزادے شیخ ابوسعید، عبدالجبار متولد ہوئے جو بڑے ہو کر صاحب سلسلہ شیوخ میں سے ہوئے ۔

اقوام و افراد کی ہدایت کے نبوی بارگاہ سے سپرد فرمودہ فریضے کو انجام دینے کے بعد ۲۲ر صفر ۸۹۵ھ (۱۴ر جنوری ۱۴۹۰ء) کو آپ نے رحلت فرمائی اور احمد آباد میں مدفون ہوئے ۔ [1]

؎ آپ علامہ سخاویؒ کے ہم عصر ہیں ؛

---

[1] اکابرین گجرات

حضرت شیخ محمود راجن بن علیم الدین عمری

(متوفی ۲۲/صفر سنہ۹۰۰ھ ۲۰/نومبر سنہ۱۴۹۴ء)

آپ کا نام محمود اور لقب راجن ہے۔ آپ اپنے والدِ ماجد شیخ علم الدین رح کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ نے خاندانِ سہروردیہ اور شطاریہ کا خرقہ شیخ قاذن رح کے ہاتھوں پہنا، ایک خرقہِ خلافت چشتیہ سلسلہ کا شیخ ابوالفتح رح سے بھی حاصل کیا، جو حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز رح کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور ایک خرقہ خلافت چشتیہ سلسلہ کا شیخ عزیزاللہ المتوکل علی اللہ رح بن شیخ یحییٰ بن شیخ لطیف الدین سے بھی پہنا جو حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الہیٰ کے خلیفہ تھے۔ شیخ عزیزاللہ، شیخ زاھد چشتی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور ایک خرقہ خلافت انہوں نے اپنے پیر بھائی شیخ رکن الدین کان شکر سے بھی پہنا تھا۔ حضرت شیخ محمود راجن کو خاندانِ سلسلہ مغربیہ کی خلافت بھی حضرت شیخ احمد کھٹو سے پہنچی تھی۔

وصال:۔ حضرت شیخ محمود راجن کا وصال ۲۲/صفر ۹۰۰ھ مطابق ۲۰/نومبر ۱۴۹۴ء بروز جمعۃ المبارک صبحِ صادق کے وقت ہوا۔

مزارِ مبارک:۔ آپ کو پہلے احمدآباد گجرات میں دفن کیا گیا تھا۔ مگر پانچ ماہ بعد آپ کے بیٹے شیخ جمال الدین چشتی جمن نے آپ کے جسدِ مبارک کو وہاں سے نکالا اور بیرانِ پٹن نہروالہ محلہ مبارک پورہ میں دفن کیا جیسا کہ فخرالاولیا میں لکھا ہے۔

خُلفاء:۔ آپ کے خلفا بہت تھے مگر سلسلہ چشتیہ آپ کے بیٹے شیخ جمال الدین جمن سے جاری ہوا۔ مؤلف مناقب نے آپ کے سلسلہ چشتیہ کے تمام سلاسل

اور سلاسلِ سہروردیہ، شطاریہ، مغربیہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ سلہ

و آپؒ علامہ سخاوی رحؒ کے ہم عصر ہیں،

شیخ محمدؒ فلاوہ قدس سرہٗ

م سنہ ۹۰۰ھ / سنہ ۱۴۹۴ء

صاحب اخبار الاخیار اور مولانا جمالی نے سیر العارفین میں محمد ملاوہ لکھا ہے، جبکہ صاحب خزینۃ الاصفیار نے فلاوہ لکھا ہے۔ آپ ابتدائے کار میں حضرت شیخ احمد بدایونی کے جناب مرید تھے ریاضت و مجاہدہ میں ایک مدت دراز طویل وقت صرف کیا۔ پھر حضرت جلال گجراتی کی صحبت میں آئے اور عشق کے معاملات کو درست کرکے اعلیٰ مقامات پر پہنچے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ محمد مجلسِ سماع میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے ایک ایسی غزل چھیڑ دی جس میں بُعد و فراق کے احوال و کیفیت کی ترجمانی تھی۔ شیخ کو اس قدر رقت اور وجد طاری ہوا کہ روح جلنے لگی۔ ایک واقف حال نے قوالوں کو کہا کہ اب ایسی غزل چھیڑو جس میں قرب و وصال کی کیفیت بیان کی گئی ہو۔ قوالوں نے اشعارِ وصل شروع کئے تو شیخ کے دل کی کیفیت خوشگوار ہوگئی اور چہرے پر رونق آگئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ از سرِ نو زندگی آگئی ہے۔ اور شیخ میں تازہ روح کام کرنے لگی ہے۔

ایک بار آپ کے گھر آگ لگ گئی۔ غلّہ دان میں جس قدر آئندہ فصل کے لیے بیج رکھا تھا تمام کا تمام جل گیا۔ فصل کا موسم آیا تو آپ کو بتایا گیا کہ سارا بیج تو عرصہ ہوا جل گیا تھا فرمانے لگے، ہم تو خود سوختہ جاں ہیں، ہمارے پاس جلے ہوئے بیجوں کے سوا اور کیا

سلہ نزھۃ الخواطر ص۳۵۳، مناقب المحبوبین ص۷۔

ہوگا، پھر بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے: اے اللہ! ہر بار تو اپنے کرم اور مرضی سے میرے کام سنوارتا ہے اب میری التجا پر فضل فرما۔ میرے پاس غلّہ دان میں وہی بیج ہے جو جل گیا تھا اب میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تیرا فضل ہی ہونا چاہیئے۔ اب میں تو جلا ہوا بیج ہی اپنے کھیت میں ڈالوں گا۔ اور کیا کر سکتا ہوں، کہتے ہیں کہ جلے ہوئے بیج سے اتنی فصل ہوئی کہ ایک ایک بوٹے کے ساتھ سات سات خوشے نکلے اور ایک ایک خوشے میں بھرے ہوئے دانے لوگوں نے دیکھے تو حیران رہ گئے۔ یہ بات بادشاہ وقت سکندر لودھی کے سامنے بیان کی گئی تو بادشاہ نے دو نفل ادا کر کے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے عہد حکومت میں ایسے ایسے صاحبِ کرامت لوگ بھی موجود ہیں جن کی دعا سے جلے ہوئے بیج سے بھرپور فصل پیدا ہوتی ہے۔

ایک مجلسِ سماع میں آپ پر وجد طاری تھا اور آپ رقص کر رہے تھے۔ اس علاقہ کا ایک امیر اور رئیس ہندو وہاں سے گذرا۔ مجلسِ سماع کے پاس کھڑا ہو کر سننے لگا۔ چند لمحوں بعد اس پر رقّت طاری ہوگئی وہ چلّا کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: مجھے یہاں سے لے چلو۔ ورنہ میں اپنے دین سے دست بردار ہو کر مسلمان ہو جاؤنگا اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھایا اور دور لے گئے۔ کچھ وقت کے بعد وہ ہوش میں آیا تو کہنے لگا: یہ مسلمان اپنے خدا کو اٹھائے رقص کر رہے تھے۔ اگر چند لمحے اور ٹھہرتے تو میں مسلمان ہو چلا تھا۔ اور ان کے پاؤں میں گر کر ہندوئیت سے توبہ کرنے والا تھا۔

معارج الولائت نے آپ کا سنِ وفات ۹۰۰ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار بلادہ مضافات قنوج میں ہے۔ ؎

چو از دنیا بفردوس بریں رفت محمد طارج معراج اسرار

وصالِ او ز پیرِ محترم گیر ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء   وگر فرما محمد تاجِ ابرار ۱ھ ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء

"آپؒ علامہ سخاویؒ کے ہمعصر ہیں"

شیخ رزق اللہؒ

(م ۲۰ ربیع الاول سنہ ۹۸۹ھ ۲۳ اپریل سنہ ۱۵۸۱ء)

آپ کا تخلص مشتاق تھا۔ آپ بھی شیخ محمد ملاوہ کے مریدوں میں سے تھے۔ اور شیخ آپ پر خصوصی عنایت فرمایا کرتے تھے۔ شیخ رزق اللہ مردِ کامل، فاضل فوا د، روزگار اور یادگارِ سلف صالحین تھے۔ فضائل صوری اور معنوی میں جامع تھے اسی طرح مشربِ عشق و محبت، سلامت عقل اور وسعت حوصلہ و صبر کے مالک تھے۔ دوامِ حضور اور مستقل مزاج ہونے میں یکتائے روزگار تھے۔ بانوے برس کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود آپ کے اندر عشق و ذوق اسی طرح تازہ تھا جس طرح کہ جوانی کے عالم میں تھا۔ ؎ ع

من اگرچہ پیر شدم عشق جوان است ہنوز

آپ کی شان پر بڑا صادق آتا ہے۔ آپ سے جو کوئی ملاقات کرتا اس سے ایسے معارف آمیز اور محبت انگیز نکات بیان فرمایا کرتے تھے جنہیں اہل وجد اور اہل ذوق سن کر تڑپ جایا کرتے تھے، قصے اور مشائخ کے احوال اور ہندوستان کے بادشاہوں کی تاریخ بڑی خوش اسلوبی اور روانی کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی مثل بہت کم اولیاء اللہ گذرے ہیں۔ آپ نہایت اطمینان اور بے نظیر انداز

سلہ اخبار الاخیار ۳۰۳، خزینۃ الاصفیاء جزء ۲ صفحہ ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴۔

سے گفتگو کیا کرتے تھے، محبت کی باتوں کو بڑے شوق سے کہتے اور سنتے تھے۔ اور اس وقت اکثر و بیشتر آبدیدہ ہوا کرتے تھے۔ آپ کثیر الاسفار تھے اور ان سفروں میں لوگوں کی صحبت حاصل کر کے بڑے تجربہ کار بن گئے۔ آپ ہمیشہ فقیروں، درویشوں اور مشائخ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، ہندی اور فارسی کے شاعر بھی تھے، مدتِ دراز تک ہندی زبان میں شعر کہتے رہے۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ "بیان و جوت نرنجن" نہایت مقبول ہے، ہندی زبان میں جب شعر کہتے تو اپنا تخلص راجن اور فارسی میں مشتاق رکھتے تھے ۸۹۷ھ/۱۴۹۱ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰ ربیع الاول ۹۸۹ھ/۲۴ اپریل ۱۵۸۱ء میں عالم دنیا سے عالم پائیدار میں چلے گئے۔ مصنف اخبار الاخیار نے ان کی تاریخ وفات اس طرح کہی ہے

قطعہ

مخدومی عارف زماں مشتاقے	ولے گفت بوقت نقل مشتاق حقم
حقے جو بتاریخ وفاتش نگریست	نوک قلمش ہماں سخن کرد رقم

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و علی جمیع اسلافنا۔ [1]

شیخ سعد اللہ رح

(۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء — ۹۱۷ھ/۱۵۱۱ء)

آپ شیخ محمد ملاوہ رح کے مرید تھے۔ سلطان سکندر کے دورِ حکومت میں جب شیخ ملاوہ دہلی تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں شیخ سعد اللہ ایک عرصہ دراز تک آتے جاتے اور خدمت کرتے رہے۔ شیخ سعد اللہ نے درد و عشق اور ثابت قدمی کے اپنے شیخ سے سبق سیکھے تھے۔ اور مصنف اخبار الاخیار کے آپ بڑے چچا تھے [2]

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۲۷۶ [2] ایضاً صفحہ ۲۷۵۔

خواجہ حسین ناگوری

۱۳۹۰ء/۷۹۲ھ - ۱۴۹۵ء/۹۰۰ھ

آپ صوفی حمیدالدین ناگوری کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے ولی اللہ اور صاحب کرامات و صاحب مقامات عالیہ تھے۔ علم شریعت، طریقت، حقیقت کے جامع بزرگ تھے تمام ساکنانِ ناگور کے نزدیک آپ مسلم بزرگ تھے۔ ذوق میں کامل، عشق میں اکمل اور علم میں اتم، زہد و تقوی میں اعرف تھے۔ شیخ وحید کی اولاد میں سے اور شیخ کبیر کے مریدوں میں سے تھے۔ اپنے شیخ کی گجرات میں عرصہ دراز تک خدمت کرتے رہے۔ اللہ کے فضل و کرم اور ذاتی محنت کی بدولت ظاہری علوم سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد اپنے وطن تشریف لائے اور عرصہ دراز تک خواجہ معین الدین رح کے مزار پر مجاور رہے اور خدا کی عبادت کرتے رہے۔

جس زمانے میں اجمیر غیر آباد تھا اور اس کے اردگرد شیروں کی چراگاہیں تھیں اس وقت خواجہ معین الدین کے مزار کے قریب اقامت فرما رہے۔ پھر خواجہ صاحب ہی کے اشارے سے اجمیر کو چھوڑ کر ناگور چلے گئے اور علم دین کی تعلیم اور ارباب یقین کے طریقہ کی تلقین میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے ایک تفسیر بنام "نور الہی" (عربی ادبیات میں اس کا نام نور النبی ہے) لکھی ہے۔ جس میں ہر پارے کی علیحدہ علیحدہ تفسیر ہے۔ اور ہر ایک کی جدا جدا جلدیں ہیں۔ اس میں آپ نے حل تراکیب اور قرآن کریم کے وہی معنی جو دوسرے مفسرین نے لکھے ہیں۔ بڑی وضاحت سے بیان کئے ہیں۔ مفتاح کی قسم ثالث پر بھی آپ نے ایک شرح[1] لکھی ہے۔ علاوہ

---

[1] تذکرہ صفحہ ۔

ازیں اور بھی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

کہتے ہیں کہ سوانح شیخ احمد غزالی کی بھی شرح لکھی ہے۔ آپؒ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا تھے۔ چنانچہ اپنا گھر، کنواں اور ایک باغ جو آپؒ کا اثاثہ تھا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر وقف کر دیا تھا۔

اتفاقاً غیب سے چار آدمی آئے جنہیں کوئی نہیں جانتا تھا اور یہ چاروں کوڑھی تھے اور یہ مرض اتنا سخت تھا کہ انگلیوں سے خون اور پیپ ٹپک رہا تھا۔ انہوں نے آپ سے کھانا طلب کیا۔ خواجہ صاحب نے جو کھانا اپنے لئے رکھا تھا وہ ان کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے وہ کھانا کھا کر تھوڑا سا اس برتن میں بچا دیا۔ اور خواجہ صاحب سے کہا کہ اسے تم کھا لینا۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے وہ پس خوردہ سب کھا لیا۔ اس دن کے بعد خواجہ صاحب کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک دوسرا دروازہ کھول دیا۔

منقول ہے کہ اہلِ ناگور کے رواج کے مطابق آپ کے پاس بھی ایک بیل گاڑی تھی جس پر سوار ہو کر خود ہی چلایا کرتے تھے اور خود ہی گاڑی کے بیلوں کی نگہداشت کیا کرتے تھے پھٹے پرانے کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی اولادیں سے شیخ عبدالقادر نامی ایک شخص جو فقیرانہ مسلک رکھتا تھا دہلی آیا۔ اس کے پاس آپکی اکثر بیشتر چیزیں تھیں ان چیزوں میں آپ کی پگڑی، کرتہ، پائجامہ بھی تھا۔ لیکن ان کپڑوں کی کیفیت یہ تھی کہ ان میں سے ایک دو کپڑے تو ایسے تھے کہ جنکی قیمت بمشکل ایک پیسہ فی گز ہو گی۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ سماع میں آپ پر ایک حالت طاری ہوئی آپ اسی حالت میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے، ایک خاکروب آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، وہ اور کچھ غزل خواں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ یہ نومسلم

ظاہرًا و باطنًا پاکیزہ اور صاف تھا، شہر ناگور کے باہر ایک بڑا حوض ہے۔ شیخ اس حوض پر حالتِ جذب میں اس طرح چلنے لگے جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے یہ نومسلم بھی آپ کے پیچھے اس طرح چلتا رہا کہ کبھی گرتا اور کبھی اٹھتا اور پھر چلتا۔

منقول ہے کہ مندو کے بادشاہ سلطان غیاث الدین خلجی نے آپ کو بلایا مگر آپؒ اس کے پاس تشریف نہ لے گئے ایک دفعہ سلطان کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک لایا گیا۔ لوگوں نے بادشاہ سے کہا اگر موئے مبارک کی اطلاع خواجہ حسین کو ہو جائے تو بے اختیار فورًا یہاں آجائے۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ کو اطلاع کرادی تو آپؒ اسی وقت مندو کا قصد کرکے درود شریف پڑھتے ہوئے نہایت ذوق وشوق سے روانہ ہوئے۔ اور جب مندو کے نزدیک پہنچے تو بادشاہ اپنے شاہی اعزاز کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ ایک غبار آلود پھٹے پرانے کپڑوں والا اپنی گاڑی خود چلاتے ہوئے آرہا ہے تو وہ سمجھا کہ خواجہ حسین شاید کوئی اور ہونگے جب لوگوں نے بتلایا کہ خواجہ صاحب یہی ہیں تو اس نے خواجہ صاحب کا مزاج پوچھنا چاہا لیکن شیخ کو اس کے جواب کی فرصت کب تھی وہ تو بے خودی کے عالم میں موئے مبارک کے دیدار کے لئے آرہے تھے۔ کہتے ہیں کہ موئے مبارک کی زیارت کے بعد بادشاہ آپ کو اپنے والد بزرگوار کی قبر پر لے گئے اور اس کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کی اور کشف کے ذریعہ صاحب قبر کی جو حالت معلوم ہوئی وہ بتلادی اس کے بعد سلطان بادشاہ نے آپ کو بڑے قیمتی تحائف دینا چاہے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ کہتے ہیں کہ ان تحائف کو دیکھکر خواجہ صاحب کے لڑکے کے دل میں کچھ رغبت پیدا ہوئی۔ شیخ کو کشف کے ذریعہ

اس کا علم ہوگیا تو فرمایا اے بیٹے ! یہ سانپ ہیں اور سانپ کو کوئی شخص بھی رکھنا پسند نہیں کرتا ۔

خواجہ صاحب کی مزار کی بالائی عمارت سلطان غیاث الدین خلجی نے بنوائی تھی البتہ آپ کے روضہ کا دروازہ منڈو کے دوسرے بادشاہوں نے بنوایا تھا ۔ شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کے روضہ اور دروازہ کی عمارت اور مقبرہ اور ناگور کی چار دیواری سلطان محمد تغلق نے بنوائی تھی ۔ [۱] آپ کے مزید حالات آئین دوم ص۲۲۲ اور تذکرہ ص۹۴ میں مل سکتے ہیں ۔

مؤلّف تاریخ مظفر شاہی

(ولادت ۸۴۸ھ / ۲۶ مارچ ۱۴۴۵ء)

نہ تو خود مصنف نے کتاب میں اپنا نام بتایا ہے اور نہ کسی اور کتاب سے ان کے نام اور حالات کی تفصیل ملتی ہے ۔ البتہ ۱۴۴۲ء - ۱۴۴۴ء / ۸۴۷ھ - ۸۴۸ھ کے تحت مذکورہ واقعات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ اس سال ۱۸ ذی الحجہ کو پیدا ہوئے تھے ، جب انکے والد سلطان علاؤ الدین بن احمد بہمنی کی مہم قلعہ مدکل ورنگل میں شریک تھے ۔

مؤلف نے دیباچے میں کتاب کا بھی نام نہیں دیا ۔ تاہم انڈیا آفس لائبریری میں اس کا جو مخطوطہ موجود ہے اس پر "تاریخ مظفر شاہی" ہی لکھا ہے ۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ "مظفریہ خاندان" کی تاریخ ہے جو محمود شاہ بیگڑہ کے عہد میں لکھی گئی ، ۱۴۸۴ء / ۸۸۹ھ تک یا اس کے لگ بھگ کے واقعات پر مشتمل ہے اور رنگین و مرصع نثر میں

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶ ۔

لکھی گئی ہے۔ [1]

شیخ یوسف

ولادت ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء

شیخ یوسف بن احمد بن محمد جمال ملتانی ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء میں بمقام احمد آباد آپ کی ولادت ہوئی شیخ نظام الدین غوث الملک سے معقولات میں شرح مواقف اور اللوامع پڑھی۔ دیگر اساتذہ سے نحو، صرف، منطق اور تاریخ کی تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے آپ کو سلطنت کے حساب و کتاب کا ذمہ دار مقرر کیا تھا۔ [2]

شیخ قاسم بن داؤد

ولادت ۸۶۹ھ / ۱۴۶۴ء

شیخ قاسم بن داؤد بن محمد بن عیسیٰ بن احمد۔ آپ شیخ راجح بن داؤد کے بڑے بھائی ہیں ۸۶۹ھ / ۱۴۶۴ء میں ولادت ہوئی۔

علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ قاسم نے مکہ مکرمہ میں مجھ سے پڑھا ہے اور میری الفیہ کی شرح کی کتابت میں مدد کی ہے۔ [3]

---

[1] تاریخ ادبیات فارسی ج ۱ ص ۲۸۷ [2] الضوء اللامع۔ [3] ایضاً۔

قطب العالم سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری

ولادت ۱۴ رجب ۷۹۰ھ وفات ۸۵۷ھ

سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری - جو قطب العالم بن سید ناصر الدین محمود بن سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری کے لقب سے مشہور رہیں - جن کا نسبی سلسلہ سید جعفر مثنیٰ جو حضرت امام حسن عسکری کے برادر ہیں وہاں پہنچ کر منتہی ہوتا ہے۔ آپ ۷۹۰ھ میں ۱۴ رجب دوشنبہ کی رات کو صبح کے قریب پیدا ہوئے ۔ دس سال کی عمر میں والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اور شاہ راجو قتال جو والد محترم کے چچا تھے آپ کے کفیل بنے۔ اور انہوں نے آپ کی تربیت کی ، اور دو سال میں آپ کو مرتبہ ہدایت تک پہنچا کر فرما دیا کہ گجرات والوں کی رشد و ہدایت کا کام آپ کو سپرد کیا جاتا ہے اس لئے آپ وہاں تشریف لے جائیں

اس لئے آپ اپنی والدہ کے ساتھ (جن کا نام بی بی ہاجرہ اور لقب سعادت خاتون تھا) ۸۰۲ھ میں پٹن تشریف لائے۔ اس زمانے میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کان شکر پٹن میں مقیم تھے۔ جن کو پیران پٹن بھی کہا جاتا ہے۔

سید راجو قتال کے مشورہ سے آپ انکی خدمت میں رہے اور ظاہر و باطن کی اصلاح میں مشغول ہوئے۔ احمد آباد کے سلطان مظفر چونکہ سید الاقطاب مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے مرید تھے۔ اس لئے انہوں نے جب سنا تو انہوں نے صاحبزادے کا خاطر خواہ استقبال کیا پٹن میں اس وقت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے نواسے شیخ رکن الدین کی خانقاہ تھی۔ ان سے باطنی ترقیات حاصل

کیں ۔ اور ظاہری علوم مولانا شیر علی سے حاصل کئے جنکا مدرسہ اس زمانہ میں پٹن میں مشہور تھا

جب سلطان احمد شاہ نے احمدآباد تعمیر کیا تو قطب العالم سے درخواست کی کہ آپ پٹن سے احمدآباد تشریف لاکر یہاں قیام فرمائیں ۔ پھر آپ وہاں سے منتقل ہوکر احمدآباد تشریف لے آئے ۔ قطب العالم کی احمدآباد آمد پر سلطان احمد شاہ نے قصیدہ لکھا اور خدمت میں حاضر ہوکر شعراء کی طرح خود کھڑے ہوکر انہوں نے وہ قصیدہ پڑھا جس کا یہ مطلع ہے ۔ ؎

قطبِ زمانۂ ما برہان بس است مارا　　برہان او ہمیشہ چوں نامش آشکارا

قصیدہ سنانے کے بعد سلطان نے دعا کی درخواست کی ۔ تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے خاندان کے لئے ہمارے جدامجد مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ دعا کی ہے ۔ سلطان نے عرض کیا کہ انہوں نے ہمارے جدامجد سلطان مظفر کی اولاد کے لئے دعا کی ہے ۔ اور ان کے لئے سلطنت کی دعا کی ہے ۔ آپ شہر کی آبادی اور قبولیت کے لئے دعا فرمائیں ۔ اس پر قطب عالم نے فرمایا کہ

احمدآباد ابدالآباد ان شاء اللہ الرؤف بالعباد ۔ قطب عالم نے پرانے اساول میں سابرمتی کے کنارے سکونت اختیار کی اور وہاں پر ایک مسجد کی تعمیر کی احمدآباد کے قیام میں شیخ احمد کھٹو سے بھی روحانی تربیت پائی اور ان کی طرف سے خلافت ملی کچھ عرصہ کے بعد آپ موضع بٹوہ میں مقیم ہوگئے ۔ اور سلطان نے سرکاری طور پر رہائش وغیرہ کے تمام انتظامات کئے ۔ اور وہاں ۔۔ آپ مرجع خواص وعام بنے اور آپ کے کشف وکرامات بڑی مشہور ہوئیں جن میں سے یہ کیا ہے وہ ہے لکڑ ہے کہ پتھر ہے ۔ کے کلمات کا کرشمہ اب تک مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات کی برکت سے اسمیں لوہا لکڑی پتھر تینوں خاصیتیں بیک وقت ایک ہی چیز میں پیدا کردیں ۔ مگر اس کی شہرت پر حضرت نے خادم

کو حکم فرمایا کہ اس کو ایک کونے میں دفن کردو ۔ اور آپ نے دھمکی بھی دی کہ جو اس کو نکالے گا وہ مقطوع النسل ہوگا ۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک معتقد نے کہا مجھے بے نسل ہونا منظور ہے لیکن میں اس کو نکالوں گا ۔ اس کے بعد وہ تبرک نکالا گیا اور وہ زیارت گاہ خواص و عوام بنا ۔

اس کا ایک حصہ کاٹ کر اکبر دہلی لے گئے اور اس کا ایک حصہ احمدآباد میں باقی رہا ۔

قطب العالم ۸۵۷ھ میں انتقال کر گئے اور ۶۸ رسال چار مہینے چوبیس روز زندگانی گزار کر آپ نے انتقال فرمایا ۔ تاریخ انتقال ۸ رذی الحجہ ہے ۔ تاریخ وفات "مطلع یوم الترویہ" سے نکلتی ہے اور احمدآباد کے موضع بٹوہ میں آپ کو دفن کیا گیا ۔

قطب العالم کے بارہ[۱۲] صاحبزادے اور سترہ صاحبزادیاں تھیں ۔ [۱] آپ پٹن پہنچکر شیخ رکن الدین کے مہمان ہوئے جو حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کے نواسے تھے ۔ شیخ رکن الدین نے آپ کی بہت خاطر مدارات کی ۔

سید شرف الدین مشہدی سے ملاقات

سید شرف الدین مشہدی کو (جو بھروچ میں رہتے تھے) جب آپ کے پٹن میں قیام کا علم ہوا تو وہ آپ سے ملنے کے لئے پٹن روانہ ہوئے راستہ میں احمدآباد رکے پھر سرکھیج شیخ احمد کھٹو کی خدمت میں پہنچے پھر پٹن پہونچکر قطب عالم سے ملاقات کی ۔

---

[۱] خاتمہ مراۃ احمدی صت ۲ ۔

سید گیسودراز سے ملاقات آپ کی عمر تقریباً چودہ سال تھی کہ سید گیسودراز دکن سے گجرات تشریف لے گئے۔ اور پھر جب قطب عالم سے ملاقات کی اور آپ کے اندر قطبیت کے آثار دیکھے تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ "میرے بزرگوں سے جو فیض مجھے ملا ہے وہ میں آپ کو بطور تحفہ دینا چاہتا ہوں"

نکاح: حضرت قطب عالم کا پہلا نکاح بادشاہ وقت کی صاحبزادی سے ہوا پھر دوسری بار بادشاہ کے وزیر امین الدین خداوند خاں کی صاحبزادی سے ہوا ان دو کے علاوہ ایک اور خاتون سے بھی آپ کا نکاح ہوا ہے۔ آپ کی کئی اولاد ہوئیں جن میں یہ چند حضرات مشہور ہیں۔ (۱) شاہ عالم (۲) شیخ محمود دریا نوش (۳) حضرت شاہ زاہد (۴) حضرت شاہ محمد امین (۵) حضرت سید احمد شاہ پیر

سلاطین سے تعلقات سلطان مظفر شاہ آپ کے دادا حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے مرید تھے۔ قطب عالم جب گجرات میں رونق افروز ہوئے اور پٹن میں قیام فرمایا تو مظفر شاہ حضرت کو خراج عقیدت پیش کرنے حاضر خدمت ہوئے اور آخر تک حضرت کے عقیدت مند رہے۔ اسی طرح سلطان احمد شاہ بھی بہت معتقد رہے۔

پھر احمد شاہ کے بعد سلطان قطب الدین تخت نشین ہوئے تو وہ بھی حضرت کے مرید ہو گئے۔

اوصاف و کمالات: آپ نہایت زاہد عن الدنیا تھے۔ توکل و قناعت کی دولت سے مالا مال تھے۔ اکثر ریاضت و مجاہدات میں وقت گذارتے جود و سخاوت میں مشہور تھے۔ شریعت و حقیقت و طریقت میں کامل تھے۔

آپ کی عمر نو ۹ سال تھی کہ ایک دن خیال آیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں ہوتا تو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا۔ اسی رات کو سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ [۱]

کرامات:۔ آپ کی کرامات بے شمار ہیں کہتے ہیں کہ ایک دن علی الصباح گھر سے مسجد تشریف لے جا رہے تھے۔ اچانک آپ کے پیر میں کوئی چیز لگی۔ بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا کہ یہ پتھر ہے یا لوہا ہے یا لکڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں صفتیں اس میں پیدا کر دیں۔ کبھی پتھر نظر آتا ہے کبھی لوہا اور کبھی لکڑی۔ [۲]

مرأت احمدی کی عبارت ہے: قضارا پائے ایشاں بہ آنچوب خوردا فتاد چنانچہ مجروح گشت وخون آلود گردید بر زبان مبارک گذشت: کیا ہے لوہا ہے لکڑی ہے کہ پتھر ہے۔

شہنشاہ ہمایوں نے اس یادگار کو دیکھا اور اکبر بھی جب احمدآباد آیا تو متبرک یادگار کو دیکھا اور اس کا آدھا حصہ آگرہ لے گیا۔ [۳]

وفات:۔ ۸ ذی الحجہ ۸۵۷ھ کو یاحیّ یاقیوم کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے آپ کی تاریخ وفات ان کلمات سے نکلتی ہے۔

؛مطلع یوم الترویۃ؛ مزار احمدآباد میں ہے۔

قطب العالم کی زبان تحفۃ الکرام، اخبار الاخیار، اور بعض دوسری کتابوں میں حضرت قطب عالم رح کے حالات کے ضمن میں ہندی

---

[۱] تاریخ صوفیائے گجرات [۲] گلزار ابرار ص۱۴۷ [۳] مرأۃ سکندری اخبار الاخیار ص۲۴۹ تذکرہ قاریانِ ہند ج ا ص۱۳۳ تذکرہ اولیائے پاک و ہند ص۱۹۸ ۳۲۔

ملفوظات بھی دیکھنے میں آئے ہیں ۔ جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ بزرگ موصوف نے مقامی زبان کو استعمال کیا ہے ۔

اور اس میں پنجابی عنصر زیادہ ہے ۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت قطب عالم کی پیدائش اوچ شریف کی ہے ۔ اور انکی ابتدائی پرورش پنجاب اور پنجابی ماحول میں ہی ہوئی ۔ اس سلسلہ میں حضرت قطبِ عالم کی زبان سے ادا ہونے والے چند فقرے دیکھیئے ۔ جو مختلف کتابوں میں محفوظ ہیں ۔

(الف) تساں راجے اساں خواجے (یعنی تم بادشاہ اور ہم وزیر)

(ب) بھائی محمود خوش ہو اساں تھیں وڈا تساں تھیں وڈا ، اساڈے گھر جلال جہانیاں آیا ۔

(ج) کیا ہے لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے ۔
لوہا ہے لکڑ ہے پتھر ہے ۔
پتھر ہے یا لوہا ہے یا لکڑی ۔

(د) بیٹی تساڈ نصیب دھیوں دیجہ ۔

چشتیوں نے پکی اور اسے بخاریوں نے کھائی [1] حضرت قطب عالمؒ ابن قاضی شہبہ صاحب تاریخ مدینہ کے معاصر ہیں ،

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۶ ص ۲۱۱ ۔

قطب عالم کی اولاد نسبی و روحانی

حضرت شاہ عالم

سنہ ۱۴۷۹ء

سید محمود بن قطب عالم

حضرت شاہ عالم جنکا ذکر پیچھے گذر چکا ہے

آپ کے صاحبزادے سید محمود جن کا عرف شاہ بدا تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸۰۹ھ میں ۲۳ ر رمضان المبارک کو پٹن میں ہوئی۔ والدۂ محترمہ کا اسم گرامی بی بی سلطان خاتون بنت خداوند خان ہے۔ آپ قطب العالم کے مرید تھے ان سے اجازت و خلافت پائی اور قطب العالم کے بعد سجادہ نشین ہوئے

نیز سید راجو قتال نے بھی آپ کے نام خلافت نامہ اُوچ شریف سے ارسال کیا۔ ۸۸۴ھ میں یکم ذوالقعدہ کو بٹوہ میں آپ نے انتقال فرمایا، اور قطب العالم کے پاس آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ شاہ پیارن، سید ذاکر محمد، سید شیر محمد، سید جلال الدین جن کو شاہ شیخ جیو کہتے تھے۔ اور شاہ عتیق اللہ۔

شیخ جیو اگرچہ آپ کے چھوٹے فرزند تھے لیکن کمالات صوری اور معنوی میں تمام سے بڑھے ہوئے تھے۔ انکی ولادت باسعادت اساول میں ہوئی ہے۔[1]

تاریخ اولیائے گجرات کے مصنف لکھتے ہیں۔

آپ قطب عالم کے صاحبزادے اور حاکم گجرات خداوند خاں کے نواسے تھے

آپ مرج البحرین ہیں۔ اس لئے کہ اپنے والد

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صـ ۲۹۔

سے بھی تعلق ارادت کے بعد خلافت ملی اور اوچ شریف سے شاہ راجو قتال کی طرف سے بھی خرقۂ خلافت پایا۔

۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء بمقام بٹوہ آپ نے وفات پائی۔ اور والد محترم کی قبر کے نزدیک مدفون ہیں۔ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ شاہ پیارن[1]، سید ذاکر محمد[2]، سید شیر محمد[3]، سید جلال الدین معروف بہ شیخ جیو، شاہ عتیق اللہ۔ [1]

مقالاتِ شیرانی میں ہے کہ:

جب قطب عالم کے فرزند سید محمود المعروف بہ شاہ بڈھ کے ہاں ۸۵۲ھ میں شاہ شیخ جیو پیدا ہوئے تو نئے مولود کی خوشخبری حضرت کی خدمت میں پہنچائی گئی آپ بے حد مسرور ہوئے اور اپنے ایک مرید کو خطاب کر کے مسرت کے لہجے میں کہنے لگے۔

"بھائی محمود خوش ہو اساں تھیں وڈا تساں تھیں وڈا ساں نڈے گھر جلال جہانیاں آیا ہے" [2]

مولانا سید جیو

چنگیز خاں کے ساتھ صلح کرانے کے لئے شہر کے جو ائمہ جمع ہوئے تھے۔ ان میں مولانا سید جیو بھی تھے جو سید برہان الدین قطب عالم قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے ——— اور شاہ ابو تراب تھے اور سلسلۂ قطب الدین میں سے جناب ملک شیر و تھے اور مولانا شیخ ماہ تھے اور علامہ مدار الملک محمود پیارو تھے۔ مگر فتنہ پردازوں کے اثر کی وجہ سے صلح جو انجام کو پہنچنے کے قریب ہو گئی تھی، وہ نہ ہو سکی۔ [3]

---

[1] اکابرین گجرات ص ۴۶۹ [2] مرآت احمدی، مقالات شیرانی ص ۱۵۲ ج ۱ [3] ظفر الوالہ بمظفر والہ۔ ص ۴۹۹ تاریخ اولیائے گجرات

ابن قطب عالم

چوتھے فرزند شاہ حامد۔ آپ بھی قطب العالم کے مرید اور ان کے خلیفہ تھے۔
پانچویں فرزند سید صالح، آپ بھی قطب العالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان سے بڑے عجیب واقعات سرزد ہوئے۔

چھٹے شاہ امین اللہ۔ یہ بھی قطب العالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ جب آپ کو قبر میں رکھدیا گیا اور قبر بند کردی گئی، دفن کرکے لوگ واپس آئے تو رات سید محمد زاہد نے خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میری ایک انگلی صندوق کے تختے کے نیچے دبی ہوئی ہے اس کو نکلوا دیجئے خواب سمجھ کر اعتبار نہیں کیا گیا تین دن مسلسل خواب کے بعد جب قبر کو کھولا گیا تو دیکھا واقعی پیر کی انگلی تختے کے نیچے پھنسی ہوئی ہے اور اس میں سے خون بہہ رہا ہے۔ انہوں نے اس کو درست کرکے دوبارہ آپ کو دفن کیا۔

ساتویں صاحبزادے سید محمد زاہد۔

آٹھویں سید محمد اصغر جو شاہ شیخ محمد کے نام سے مشہور تھے انہوں نے اپنا سلوک اپنے بڑے بھائی سید ناصر الدین کی خدمت میں رہ کر اتمام کو پہنچایا۔

نویں سید محمد صادق۔ انہوں نے بھی بڑے بھائی سے ارشاد و تربیت پائی۔ جوانی ہی میں انتقال کیا۔ آپ کی ۲۰ سال عمر ہوئی۔

دسویں فرزند سید محمد راجو۔ آپ بھی حضرت قطب العالم کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کو بچپن میں کسی واقعہ پر حضرت قطب العالم نے بارہ صاحبزادوں کی بشارت دی تو وہ پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بارہ صاحبزادے عنایت کئے آپکی قبر محمد آباد معروف بہ چانپانیر میں واقع ہے۔

گیارہویں شاہ سالم آپ قطب العالم کے مرید تھے۔ اور خلافت اپنے بڑے بھائی سے پائی۔ آپ اہلِ سماع میں سے تھے۔ بعض دفعہ تین چار روز آپ پر حال طاری رہتا۔ کھانا، پینا متروک ہوجاتا۔ آپ بھی قطب العالم کے قریب مدفون ہیں۔

بارہویں سید علم الدین۔ ایام شیرخوارگی میں انتقال کر گئے۔

قطب العالم کے خلفاء میں سید عثمان جو شمع برہانی کے لقب سے معروف ہیں جو قطب العالم کے خلیفۂ خاص اور آپ کے متبنّیٰ تھے اس علاقے کے مشائخ کبار سے صغر سنی میں مرید ہوئے اس کے بعد قطب العالم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور انکی صحبت میں رہ کر مقامات علیا اور سلوک کی منازل طے کیں۔ جب حضرت شمع برہانی کی طرف خلائق کا رجوع ہوا تو حضرت قطب عالم کے ارشاد سے آپ بہاؤ الدین پور منتقل ہو گئے۔ اور وہاں بھی طلباء، علماء، امراء، سلاطین کا اس قدر ہجوم ہوا کہ تنگی ہونے لگی۔ تو وہاں سے آپ اس جگہ منتقل ہو گئے (جو احمدآباد سے متصل) عثمان پور کے نام سے مشہور رہا۔ حالانکہ اس جگہ پر سب سے پہلے تنہا آپ نے اپنا خیمہ گاڑا تھا بعد میں آبادی بڑھی اور ایک پورہ آباد ہو گیا۔ جو عثمان پور کے نام سے معروف ہوا۔

آپ کی تصانیف بکثرت ہیں جن میں سے مدارج المعارج مشہور رہے۔ آپ کبھی ذوق شوق میں غزل کہتے۔ ایک غزل کا مطلع یہ ہے۔ [1]

عرش فرشیست کہ در خلوت درویشاں است
رنجہ کنجیست کہ ہم صحبت درویشاں است

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۳

شیخ محمد عثمانؒ الملقب بہ شمع برہانی

(م ۱۵/جمادی الاولی ۸۶۳ھ ۱۹/مارچ ۱۴۵۹ء)

آپ کے قدرے تفصیل سے حالات اس قدر مل سکے ہیں کہ آپ گجرات کے ممتاز مشائخ میں سے تھے۔ طریقت میں شیخ برہان الدین سے مستفیض ہوئے جن کی برسوں تک خدمت کی اور آخر ان سے "شمع برہانی" کا خطاب پایا۔ سلطان محمود بن احمد آپ کے بے حد معتقد اور آپ کے شاگرد تھے۔

نور احمد فریدی نے لکھا ہے کہ آپ حضرت قطب العالم شیخ عبدالجلیل جوہر شاہ بندگی (م ۱۴۵۳ء/ ۸۵۷ھ) کے خلیفہ تھے۔ سید ابوظفر ندوی نے بھی مرأۃ احمدی کے حوالے سے ایسا ہی لکھا ہے۔ ممکن ہے دونوں بزرگوں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا ہو۔ سابرمتی ندی کے پار عثمان پورہ کے نام سے جو بستی آپ نے آباد کی۔ اس کی آبادی ایک زمانے میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ دس ہزار گھر صرف کاریگروں کے تھے۔

شمع برہانی نے ایک مدرسہ کے علاوہ ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ جو مرہٹوں کی لوٹ مار کے دوران تباہ ہوگیا۔

طلبا مسجد کے متعدد حجروں میں رہتے تھے۔ شمع برہانی کے کتب خانے کی بہت سی کتابیں اکبر بادشاہ فتح گجرات کے بعد اپنے ساتھ لے گیا۔ جن میں کچھ کتابیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور کچھ ملا عبدالقادر بدایونی اور کچھ مشہور شاعر فیضی کو ملیں اور باقی شاہی کتب خانے میں داخل کردی گئیں۔

آپ نے ۲۰/مارچ ۱۴۵۹ء/ ۱۵/جمادی الاول ۸۶۳ھ کو وفات پائی اور سابرمتی دریا کے کنارے عثمان پور میں آپ کو دفن کیا گیا۔

تصوف میں آپکی تصانیف میں سے "مدارج المدارج" مشہور رہے لیکن افسوس کے تذکروں میں کرامات کا ذکر تو کیا گیا ہے مگر تصنیف پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ آپ شعر بھی کہتے تھے۔ جن میں فقر و درویشی اور سلوک و طریقت کے رموز بلیغ انداز میں بیان فرماتے تھے۔ ایک غزل کا مطلع یہ ہے۔ [1]

عرش و فرش است کہ در خلوت درویشاں است
رنج گنج است کہ ہم صحبت درویشاں است

"خطۂ پاک اوچ" کے مصنف لکھتے ہیں :

آپ نہایت عابد و زاہد اور متوکل و قانع بزرگ تھے۔ آپ کی درگاہ کے خادم نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ لنگر کا خرچہ پورا نہیں پڑتا۔ آپ نے فرمایا : سابرمتی دریا کے کنارے جاکر وہاں سے روزانہ خرچہ لے آیا کرو، خادم حکم کے مطابق دریا پر جاتا اور دیکھتا کہ بجائے پانی کے اشرفیاں بہہ رہی ہیں ضرورت کے مطابق رقم وہاں سے لے آتا۔ یہ برکت آپ کے خاندان میں ایک عرصہ تک قائم رہی۔

حضرت قطب العالم نے آپ کو اپنے صاحبزادہ حضرت شاہ عالم کی طرح خزانۂ الہیٰ میں تصرف کی طاقت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ سابرمتی کے کنارے وضو کے لیے تشریف لائے۔ سوچ رہے تھے کہ اگر کوئی برتن ہوتا تو اہلیہ کے لئے بھی وضو کا پانی لے جاتا اتنے میں ایک ہندو لڑکا جس کا نام کرادھو تھا تانبہ کے برتن میں پانی لینے کے لئے دریا کے کنارے پہنچا آپ نے اسے دیکھا تو فرمایا : اگر یہ برتن مجھے دے دو تو میں پانی گھر پہنچا کر برتن واپس کردونگا۔ اس نے آپ کی بات مان لی۔ آپ پانی لے کر گھر پہنچے اور اس

---

[1] نزھۃ الخواطر اردو ص۱۲۲ تاریخ گجرات ص۱۳۰، تاریخ تمدن گجرات ص۱۹۶ تاریخ ادبیات ج۵ (فارسی ادب) ص۱۲۵۔

رڑکے کو برتن واپس کرتے ہوئے فرمایا ؛' تم بھی ہمارے پاس ہی آجاؤگے اور یہیں رہوگے ۔

اس وقت آپ کے مکان کے ارد گرد دور دور تک کوئی بستی نہ تھی اس لئے بچہ آپ کی بات سن کر متعجب ہوا اور دل میں سوچنے لگا کہ اس اجاڑ جگہ پر کون آکر رہے گا۔ جب وہ دریا پر دوبارہ برتن بھرنے کے لئے گیا تو دیکھا بجائے پانی کے اشرفیاں بہہ رہی ہیں ۔جب واقعہ کا چرچا ہوا تو لوگ دھڑا دھڑ آپ کے پاس آنے لگے اور بہت جلد یہاں ایک بستی بس گئی جو عثمان پورہ کے نام سے ابتک مشہور ہے ۔ آپ کی طرف رجوع خلق بہت زیادہ تھا۔ بے شمار غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ [1]

عثمان پورہ کا کتب خانہ عثمان پورہ میں سلطان محمد شاہ کی مدد سے ایک مسجد اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا گیا جس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں اور کتابوں کے علاوہ شاہی کتب خانہ کی وقف شدہ کتابیں بھی تھیں ۔

۸۶۳ھ/۱۴۵۸ء تک تو شیخ عثمان خود اس کے نگراں اور منتظم رہے پھر ان کے لڑکے اور پوتے اس کے ناظم ہوئے مرہٹوں کی لوٹ مار میں یہ تباہ ہو گیا مسجد اور مقبرہ اب تک بطور یادگار قائم ہیں۔ [2]

سید عثمان شمع برہانی اور آپ کے خانوادہ سے محمود بیگڑہ اور دیگر سلاطین کو بہت عقیدت تھی۔ اس کا ثبوت ان کے مزار اور مسجد کی پرشکوہ عمارتوں سے ملتا ہے۔ جو آج سید عثمان کے خطاب شمع برہانی کے نام سے مشہور رہا اور سابرمتی کے مغربی کنارے پر مرجع خاص و عام ہیں اگر اس مسجد کا کتبہ گم نہ ہو گیا

---

[1] سلطنت پاک اوچ صفحہ ۳۰۴،۳۰۵ ۔ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۱۹ ۔

ہوتا تو اس پر بھی روشنی پڑسکتی تھی کہ یہ عمارتیں کب اور کس نے بنوائیں ۔
سلطان محمود ثالث کے عہد میں سید عثمان کے خاندان کے ایک اور فرد سید اکبر اعظم بن سید آدم عالم کا نام ملتا ہے جو کمسنی میں بھی دینی امور کی تحقیق و تدقیق میں ہمہ تن مشغول تھے ۔ ان سے سلطان محمود کو بے حد عقیدت تھی ۔ [1]
مولانا ابوظفر نے آپ کے مدرسہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ محمد عثمان الملقب بہ شیخ برہانی، متوفی ۸۶۳ھ/۱۴۵۸ء خلیفہ حضرت قطب عالم متوفی ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء بڑے پایہ کے بزرگ تھے، احمدآباد ابھی ابھی آباد ہوا تھا سابرمتی ندی کے اس پار جہاں اب عثمان پورہ ہے ۔ اس وقت کوئی آبادی نہیں تھی، شیخ مذکور وہیں پر خیمہ کھڑا کر کے مقیم ہوئے ۔ پھر ایک ہندو بنیئے کو ترغیب دے کر آباد کیا رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی گئی، اس کا نام شیخ نے اپنے نام پر عثمان پورہ رکھا، آخر زمانہ میں اس کی آبادی اتنی بڑھ گئی تھی کہ دس ہزار گھر فقط کاریگروں کے تھے ۔
یہاں ایک عالیشان مسجد اور مدرسہ تعمیر کیا گیا جس میں دینی تعلیم ہوتی تھی ۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول خصوصیت سے پڑھائے جاتے تھے ۔ مسجد کے ساتھ طلبہ کے رہنے کے لئے متعدد حجرے بھی تھے ۔ ان طلبہ اور شیخ کے اہل خاندان کے لئے جو اس مدرسہ کے معلم اور منتظم تھے بادشاہ کی طرف سے وظائف مقرر تھے ۔
طلبہ اور مدرسین کے استفادہ کے لئے شاہی کتب خانہ سے اکثر کتابیں بھی دی جاتی تھیں ۔
شیخ کے بعد ان کے لڑکے محمد پھر ان کے لڑکے احمد پھر ان کے خلف مولانا یوسف اس مدرسہ کو چلاتے رہے ۔

[1] معارف

انہی مؤخر الذکر نے سلطان محمود بیگڑہ کے حکم سے تاریخ ابن خلکان کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ راجہ سلیم پور، لکھنؤ، حیدرآباد اور لندن میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود ہے۔ سلطان محمود بن لطیف خان متوفی ۹۶۱ھ/ ۱۵۵۳ء کے عہد میں سید حاکم اس مدرسہ کے متولی تھے۔

مرہٹوں کی لوٹ مار میں جب عثمان پورہ تباہ ہوا تو اس مدرسہ کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی تھی۔ ایک چھوٹا سا گاؤں مع مقبرہ اور مسجد کے بطور یادگار باقی ہے۔ [1]

قطب عالم کے دوسرے خلیفہ شیخ علی جو خطیب کے لقب سے مشہور رہیں۔ صغر سنی ہی سے آپ بڑے پاک باز اور زاہد عن الدنیا تھے جب آپ کی عمر بارہ سال ہوئی تو عبادت و اطاعت میں مشغول ہوئے۔ مشغولی اس قدر بڑھی کہ غذا کھانا پینا ترک کرکے صحرا میں رہنے لگے۔ وہاں پر روزہ بھی گھاس پات ہی سے افطار ہوتا برابر بارہ سال آپ نے اس طرح مجاہدے میں گذارے اور صفائی باطنی کو اس درجہ تک پہنچا دیا کہ ملائکہ کی تسبیح و تہلیل آپ سنتے تھے۔ پانچوں نمازیں سابرمتی کے کنارے پر ادا فرماتے۔ راستے میں نماز کو جاتے ہوئے ایک مجذوب ملا۔ جو راستہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ "علی مسلمان شو"، چنانچہ اس کا معمول ہوگیا کہ جب آپ گذرتے تو یہ جملہ کہتا۔

ایک دفعہ آپ تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں مجذوب پکا ہوا کھانا لوگوں کو تقسیم کر رہا تھا۔ آپ کو دیکھکر آپ کی طرف دوڑا۔ اور آپ کو زمین پر گرا کر اور آپ کے سینے پر چڑھ کر دو تین لقمے زبردستی آپ کے منہ میں ڈالے۔ اور شمع برہانی کو دو تین مکے بھی ساتھ مارے اور پھر آپ کو

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۱۹۶۔

چھوڑ دیا اور کہا وہی جملہ کہ علی مسلمان شو ۔ اس کی وجہ سے آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی
جب ہوش میں آئے تب آپ کو علی مسلمان شو کے معنی معلوم ہوئے کہ وہ یہ کہتا
ہے کہ کہیں جاکر کسی کا مرید ہونا چاہیئے اسوقت قطب عالم حضرت گنج بخش بقید حیات تھے حضرت قطب عالم کے یہاں سماع بھی
ہوتا تھا ۔ اس لئے وہ حضرت گنج بخش رح کی خدمت میں پہنچنے کے لیے بیل پر
سوار ہوکر سرکھیج کی طرف چلے ۔ جب سابرمتی کے کنارے پر پہنچے تو بیل رک
گئے ۔ ایک قدم آگے بڑھانے کے لئے تیار نہیں اس دوران میں ایک غیبی
ہاتھ نمودار ہوا اور شیخ کی گدی پر پنجہ مارا ۔ اور گریبان کھینچا جس کی وجہ سے
شیخ کے کپڑوں پر پانچ انگلیوں کا نشان شوربے کے ساتھ کپڑوں پر پڑ گیا ۔
شیخ نے ساتھیوں سے کہا کہ کوئی مجھے پیچھے کھینچ رہا ہے ۔ بیلوں کو اپنے حال پر
چھوڑ دو جہاں وہ جائیں گے وہی ہماری منزل ہے بیل پر اسنے اسادل کی
طرف چلنے لگے ۔ جہاں حضرت قطب عالم کا قیام تھا وہاں پہنچ کر حضرت قطب عالم
نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا ۔ کہ پہلے خلافت اور پھر اس کے بعد ارادت ۔
کہ پہلے آپ کو خلافت دیجاتی ہے اس کے بعد مرید کریں گے ۔ نیز ارشاد فرمایا
کہ چراغ تیل اور بتی سب تیار کرکے لائے ہو کوئی اس کو روشن کردے ۔ پہلے
آپ نے خلافت مرحمت فرمائی ۔ اس کے بعد آپ کو مرید کیا ۔ اس کے بعد
حضرت قطب عالم نے آپ کے لئے جو کھانا رکھوایا ہوا تھا وہ مرحمت فرمایا
شیخ علی نے دو تین لقمے اس میں سے ابھی نہیں کھائے تھے کہ جوشِ محبت اور
ذوق وشوق کا غلبہ ہوا اور زار و قطار رونا اور نعرے لگانے شروع کردیئے
اس کے بعد کچھ لوگ بیعت کے لئے قطب عالم کے پاس پہنچے ہوئے تھے ۔
قطب عالم نے شیخ علی سے فرمایا کہ ان کو بیعت کیجئے ۔ چنانچہ قطب عالم کے
سامنے آپ نے ان کو بیعت کیا ۔ اس کے بعد قطب عالم نے شمع برہانی

کو ارشادِ خلق کے لئے رخصت کر دیا ۔

آپ نے ۷۰ سال کی عمر میں ۲۶ رشوال ۸۷۲ھ/۱۸ رمئی ۱۴۶۸ء کو احمد آباد کے قریب ایک محلہ قدنپورہ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں آپ کا مزار ہے ۔

قدنپورا اور قطب پور یہ پوروں میں سے اس وقت کے دو پورے تھے [1]

؛ آپؒ صاحبِ فتح القدیر علامہ ابن الہمام کے معاصر ہیں ؛

سوز

م ۱۲۱۲ھ

قطب عالم کے نسبی سلسلہ سے ہندوستان کے مشہور شاعر سوز بھی ہیں ۔

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت قطب عالم گجراتی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے ۔ آپ کا نام سیّد محمد میر اور سوز تخلص ہے ۔ پہلے آپ میر تخلص کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ میر تقی میر کا نام زیادہ روشن ہے تو آپ نے سوز تخلص اختیار کر لیا ۔

آپ کے دادا کا نام سید ضیاء الدین ہے جو بہت بزرگ شخص تھے اور تیر اندازی میں مشہور تھے ، لیکن آپ کے والد پرانی دہلی کے محلہ قرادل پورہ میں سکونت پذیر تھے ۔ جب دھلی کی حالت خراب ہوئی تو آپ لباس فقیرانہ اختیار کر کے لکھنؤ چلے گئے وہاں بھی کامیابی نے شکل نہ دکھائی تو ۱۲۱۲ھ میں مرشد آباد آ گئے ۔ کچھ روز وہاں رہ کر پھر واپس لکھنؤ آئے تو قسمت نے یاوری کی ۔ اور نواب آصف الدولہ آپ کے شاگرد ہو گئے ۔ اسّی ۸۰ برس کی عمر میں بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا ۔ ۱۲۱۳ھ تاریخ

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی صـ۲۲ ۔

پیدائش اور ۱۲۱۳ھ تاریخ وفات ہے۔

آپ کا کلام :-

عاشق ہوا، اسیر ہوا، مبتلا ہوا	کیا جانیے کہ دیکھتے ہی دل کو کیا ہوا
سرمشقِ ظلم تو نے کیا مجھ کو واہ واہ	تقصیر یہ ہوئی کہ ترا آشنا ہوا
دل تھا بساط میں سو کوئی اسکو لے گیا	اب کیا کروں میں اے مرے اللہ کیا ہوا
پاتا نہیں سراغ کروں کس طرف تلاش	دیوانہ دل کدھر کو گیا آہ کیا ہوا
سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا	کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا [1]

شیخ محمد عبداللہ حسینی بخاری

(م ۷ رشعبان ۸۹۲ھ / ۲۶ رجولائی ۱۴۸۷ء)

شیخ محمد بن عبداللہ بن محمود بن الحسین حسینی بخاری ۔حضرت قطب عالم رح کے حقیقی بھائی تھے ۔ سال ولادت ۹ ر رجب ۸۳۸ھ ہے اپنے بڑے بھائی حضرت قطب عالم سے پڑھا اور رتبہ کمال تک پہنچے ۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا ۔ ۷ رشعبان ۸۹۲ھ/۲۶ جولائی ۱۴۸۷ء کو رحلت فرمائی قبر موضع بٹوہ کے قریب ہے ۔ [2]

مخدوم شیخ محمود دریا نوش

(م ۸۸۴ھ ۔ ۱۴۷۹ء)

آپ حضرت قطب العالم برہان الدین بخاری رح کے سب سے بڑے فرزند گرامی اور سجادہ نشین تھے ۔ ۸۰۹ھ/۱۴۰۶ء میں پٹن (نہروالہ) میں پیدا ہوئے ۔ اور ۷۵ برس کی

---

[1] تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۰۶، مرأۃ الشعراء صفحہ ۲۳ [2] بحوالہ مرأۃ احمدی، نزہۃ الخواطر صفحہ ۱۲۵ ۔

عمر میں ۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء میں بٹوہ (احمد آباد) میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت قطب العالم کو آپ سے اپنی تمام اولاد میں سب سے زیادہ تعلق خاطر تھا۔ چونکہ تصوف و سلوک میں آپ کا مقام بہت اونچا تھا۔ اس لیے حضرت قطب العالم آپ کو بھائی محمود کہہ کر پکارتے۔ حضرت قطب العالم کو جو خرقۂ خلافت اپنے جد امجد حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ورثہ میں ملا تھا۔ وہ آپ نے حضرت محمود کو عطا فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کا لقب دریا نوش تھا۔ مشہور ہے کہ ایک بار حضرت شاہ عالم پر مستی کی کیفیت طاری ہو گئی حضرت قطب العالم کو پتہ چلا تو فرمایا۔ دیکھو تمہارے بھائی محمود کو ہم نے معرفتِ الہٰی کے خم کے خم پلا دیئے اور عشق خداوندی کے سمندر پی کر بھی وہ اپنے آپ میں رہے مگر تم ایک قطرہ بھی ہضم نہ کر سکے۔
اس واقعہ کے بعد آپ "دریا نوش" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

بجام ہر کسے ہرگز شرابِ عشق کے گنجد
خوشا رندے کہ خم خم نوشد و ناید زروے بوئے

آپ کا مزار اپنے والد ماجد کے پہلو میں دائیں جانب واقع ہے۔ [۱]

شیخ عبداللطیف

م ۲۴ رمضان ۸۸۵ھ/۱۷ اکتوبر ۱۴۸۰ء

آپ احمد آباد کے باشندے تھے۔ قطب عالم کے خلیفۂ خاص تھے، اور حضرت قطب عالم ان کو بارہویں صاحبزادے فرمایا کرتے تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں

---

[۱] خطۂ پاک اوچ ص ۲۰۳

کمال حاصل تھا۔ اور جو شخص بھی قطب عالم کو ان کے پٹن سے احمد آباد آنے کی خوشخبری سناتا۔ تو اگر وہ مؤمن آتا تو سلامتی ایمان کی بشارت دیتے اور اگر غیر مؤمن ہوتا تو اتنا سونا کہ جس سے زبان پر سونے کے ذریعے طلا ر کیا جا سکے۔ اس کو مرحمت فرماتے۔ آپ بڑے زبردست متقی متوکل عالم ربانی تھے۔ آپ نے نو کتابیں لکھیں۔ آپ کا گذرِ اوقات توکل پر تھا اور کہیں سے آپ نے اپنے لیے وجہ معیشت مقرر نہیں کی تھی۔ اکثر اوقات فقر و فاقہ میں گذارتے۔

ایک روز آپ کے اہل و عیال نے آکر حضرت شیخ کو تنگ کیا اور کہنے لگے کہ آپ (حکومت) سرکار سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے کیا ہماری روزی آپ کے مصلیٰ کے نیچے سے پیدا ہو گی؟ حضرت شیخ تسلی کی خاطر ان کو فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ کی قدر و منزلت معلوم کر کے فرمایا تھا: "الفقر فخری" اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے غلام ہیں۔ جتنا ہو سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہمیں کرنی چاہئے۔ اور اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے۔ اگرچہ ہمارے پیر دستگیر نے کرّات و مرّات کئی دفعہ بارہا خزائن الٰہی میں تصرف کرنا عطا کیا۔ لیکن ہم نے گوشۂ چشم سے بھی اس کی طرف نگاہ نہیں کی حجرے میں آکر اپنی ضرورت کے موافق لے لو وہ حجرے میں آئے دیکھا کہ تمام حجرہ جواہر و اشرفیوں سے بھرا ہوا ہے۔

۱۰۴۱ھ تک ایمیں سے تھوڑا سونا ان کے گھر میں موجود تھا۔ آپ قرأت و تجوید کے بہت اچھے استاذ تھے سید جعفر شیرازی نے ان سے سبعہ قرأت سیکھکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

آپ کی مشہور تصنیف لطائفِ برہانی، کتب خانہ پیر محمد شاہ احمد آباد میں تھی ایک اور معرکہ آرا کتاب "منشور خلافت" ہے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی گجرات میں ملتا تھا۔

آپ کا مزار پٹن میں ہے، وفات ۴ رمضان ۸۰۵ھ / ۷ اراکتوبر ۱۴۸۰ء کو ہوئی۔ [1]

شیخ سراج، خلیفہ قطب عالم

حکایت شاہی نامی کتاب کے شروع میں جو سید جعفر بدر عالم نے حضرت شاہ عالم کے مناقب میں تالیف کی ہے اس میں شیخ سراج کے احوال اس طرح مذکور ہیں کہ وہ ۴۰ نمبر کی حکایت میں لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت شاہ عالم نے شیخ سراج سے جو اپنے آپ کو اطبّار کے لباس میں مستور رکھتے تھے اور حضرت قطب العالم کے مرید تھے اور حضرت شیخ علی خطیب جو حضرت قطب عالم کے خلیفہ تھے ان سے استرشاد و رہنمائی لیتے تھے۔ تو شیخ سراج سے حضرت شاہ عالم نے ایک روز فرمایا کہ سلطان محمود بیگڑہ کو طلب الہٰی کا درد اٹھنے والا ہے اور شفا رتمہارے ذریعہ مقرر ہے۔ اس وقت انکار نہ کرنا اور انکی حاجت پوری کرنا کچھ مدت کے بعد سلطان کو طلب الہٰی کا درد اٹھا اور جو سفارش حضرت شاہ عالم نے حکیم سراج سے کی تھی وہ پوری ہوئی۔ اور یہ شیخ سراج اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے انتظار میں رہے۔ شیخ سراج چونکہ اپنے آپ کو اطبّار کے لباس میں مستور رکھتے تھے تو اس لیے وہاں دربار شاہی تک جا نہیں سکتے تھے۔ اور اس وجہ سے کبھی کبھی پریشان رہتے تھے کہ کیسے یہ پیشین گوئی پوری ہوگی یہاں تک کہ ایک مرتبہ سلطان کے خدمت گاروں میں سے ایک بیمار ہوگئے اور اطبار شہر کو ان کے علاج کے لیے بلایا گیا مگر کسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے انہیں شیخ سراج کے متعلق مشورہ دیا اور شیخ سراج لائے گئے اور ان کے

---

[1] خاتمہ مرات احمدی ص۱۱۔

علاج سے شفا ہوگئی۔ اس پر سلطانی خدمت گار نے کہا کہ آپ سلطان کی خدمت میں سلام کرنے کے لئے چلئے تو حکیم سراج نے انہیں تنہائی میں لے جاکر فرمایا کہ اگر سلطان معالج کے متعلق پوچھے تو میرا نام بتا دینا اور خلوت میں یہ بھی عرض کر دینا کہ یہ حکیم وہی ہے کہ جن سے شاہ عالم نے تمہارے متعلق سفارش کی ہے۔ اور اگر سلطان مجھے دیکھنے کا قصد فرمائیں تو کہنا ۔ کہ انہوں نے یوں کہا ہے کہ مجھے بلاکر دیگر اطبار کی طرح سے اپنے ملازمین میں شامل فرمالیں۔ اور ظاہر میں اطبار کے ساتھ جیسا سلوک فرماتے ہیں، اسی طرح کا سلوک میرے ساتھ فرمائیں۔

اور اگر معنوی علاج کی خواہش رکھتے ہوں تو کبھی کبھی خلوت میں مجھے بلاتے رہیں کہ حضرت شاہ عالم کے حکم کی برکت سے امید ہے کہ مقصود انشاء اللہ حاصل ہوگا۔ غرض وہ خدمت گار جب سلطانی سلام کے لئے پہنچے تو سلطان نے بیماری کا حال اور علاج کے متعلق پوچھا۔ اور انہوں نے ماجرا تفصیل سے بیان کر دیا۔ سلطان نے عرض کیا کہ حکیم کو بلاؤ اور ملازم رکھلو کچھ عرصہ کے بعد خلوت میں بلایا اور ان کے پیر پر اپنا سر رکھ کر گریہ و زاری بہت زیادہ کرنے لگے، بہت زیادہ روئے، اور اپنے درد کا اظہار کیا حکیم نے کہا کہ محبت الہٰی کس درجہ تک آپ اپنے دل میں پاتے ہیں سلطان نے کہا کہ الحمد للہ اس مرتبہ تک میں پہنچ چکا ہوں کہ اپنے اس موروثی ملک میں یہاں کے بازار میں، میں ایک ایک ہڈی اور ایک ایک نان کے ٹکڑے کی جاکر بھیک مانگوں اور بازار والے میرے اوپر پتھر اور اینٹوں کی بارش برساتے ہوں اور یہ کہ اس کا کچھ عشر عشیر جیسا کہ آپ حضرات کو خداوند تعالیٰ کے ساتھ تعلق حاصل ہے اس کا عشر عشیر مجھے حاصل ہو جائے تو یہ میرے نزدیک اس موجودہ سلطنت سے بھی بہتر ہے بلکہ ربع مسکون کی سلطنت سے بھی بہتر ہے۔ حکیم سراج نے فرمایا

کہ الحمدللہ کہ اس وقت ترک دنیا ضروری نہیں ہے اور ان کے ارشاد و رہنمائی میں مشغول ہوئے اور سلطان کا کام اتمام تک پہنچا یا۔ حکیم سراج کا یہ قصہ مرآۃ سکندری میں احوال استرشاد سلطان محمود بیگڑا از خدمت شیخ سراج کچھ تھوڑے سے تفاوت سے ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

سیّد محمد زاہد بن قطب عالم بخاری
(م ۶ر شعبان ۸۹۲ھ/۲۱ر اکتوبر ۱۴۸۷ء)

۹ر ماہ رجب ۸۴۸ھ بمطابق ۲۱ر اکتوبر ۱۴۴۴ء کو احمد آباد میں آپ عالم آب و گل میں قدم رنجہ ہوئے، بچپن میں حفظ قرآن کے بعد ۲۰ ر سال کی عمر میں تجوید، فقہ، حدیث، اور جملہ علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت پائی آپ نہایت خوش الحان قاری بھی تھے، اور برادر اکبر شاہ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور ان کی توجہات خصوصی سے جلد ہی مقصد کو پہنچے اور حصول نسبت پر خلافت پائی۔

شاہ عالم کی خانقاہ کی نگرانی حسب دل خواہ انجام دینے کی بنا پر شاہ عالم کے دیوان کے نام سے آپ مشہور ہو گئے۔

بعض مؤرخین نے آپ کو بلا واسطہ والد ماجد قطب عالم بخاری کا بھی خلیفہ بتایا ہے، ۶ر ماہ شعبان ۸۹۲ھ ۲۶ جولائی ۱۴۸۷ء کو بٹوہ میں آپ نے رحلت فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ اولیائے زمانہ کا خیال تھا کہ شاہ عالم کا خصوصی فیض ان کو پہنچا ہے اور آپ کے علاوہ سید ناصر الدین محمود راجو اور میاں مخدوم اور شریف ابوبکر عیدروس نے شاہ عالم کے فیوض سے وافر حصہ پایا ہے۔ [2]

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص ۹۲۔ [2] اکابرین گجرات ص ۹۴ گجرات کے روحانی چراغ، تاریخ اولیاء دکن ص ۸۷۵۔

خاتمۂ مرآۃ احمدی میں ہے کہ :

حضرت شاہ عالم کے خلفاء میں سیّد زاہد عالم ہیں ۔ حضرت سید محمد زاھد بن حضرت سید برہان الدین قطب عالِم جو حضرت شاہ عالم قدس سرہٗ کی حیات میں نماز با جماعت کے امام اور حضرت شاہ عالم کے بھائی اور حضرت شاہ عالم کے مرید تھے ۔ آپکی ولادت ۸۴۸ھ ۹ رجب کو ہوئی ۔ چونکہ آپ کو قطرات سے حفاظت کی خاطر استنجاء میں دیر ہوتی اور اس میں آپ کافی احتیاط برتتے

اس لیے شاہ عالم ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ سیّد زاھد کا استنجاء دوسروں کے بہت سے مجاہدات اور ریاضتوں سے بہتر ہے ۔ جب حضرت شاہ عالم کا وصال قریب ہوا تو آپ نے سید محمد زاھد کو بلا کر فرمایا کہ آ آ غیبی خزانے کی کنجیاں جو میرے پیر سے بندھی ہوئی ہیے تیرے حوالے کروں ۔ یہ ارشاد فرما کر پیر کو ہلایا اور حاضرین نے کنجیوں کی کھرکھراہٹ کی آواز بھی سنی ۔ حضرت سید محمد زاھد آداب بزرگانہ اور تواضع بجالائے اور عرض کیا کہ میں نے اس مطلب کے لئے حضرت کی خدمت نہیں کی میں ایک مقصد رکھتا ہوں ، امید رکھتا ہوں کہ وہ حاصل ہو حضرت شاہ عالم بہت خوش ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی تیرے اوپر رحمت ہو ۔ محمد زاھد جیسا تیرا نام ہے تو زھد اور بے رغبتی کی صفت سے متصف ہے اور بدرجۂ اتم واکمل تو یہ صفت رکھتا ہے ۔ یہ فرما کر اپنے سامنے بلوایا اور ان کے سینے سے اپنا سینہ لگایا اور اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں رکھدی اس ضمن میں جو حضرت کا مقصود تھا اس کو پورا کیا ۔ حضرت شاہ عالم کے وصال کے بعد فیوضاتِ الٰہی کی نعمت چار شخص پر منقسم ہوئی ۔ ایک سجادہ نشین امیر سید ناصر الدین محمود جو سید محمد راجو کے لقب سے مشہور ہوئے ، دوسرے سید زاہد ، تیسرے خلیفۂ خاص میاں مخدوم

چوتھے سید شریف ابوبکر عیدروس حضرموتی، حضرمی شریف ابوبکر عیدروس کے جدِ اکبر سید شیخ ہیں جن کا مزار جوہری واڑہ میں احمدآباد میں ہے۔ سید محمد زاہد اپنی مدت عمر پوری فرماکر ۹۹۲ھ ۷ رشعبان کو واصل بحق ہوئے۔ تاریخ وصال اس کلمہ سے نکلتی ہے؛ قرۃ عین نبی، اور آپ کی عمر صوری کی تعریف لفظ حلوہ سے نکلتی ہے جو ۴۴ رسال ہے

آپ کا مزار بٹوہ احمدآباد میں ہے اور آپکی پائنتی میں آپ کے صاحبزادہ سید عالم شاہ کا مزار ہے۔ (خاتمہ مرات احمدی صـ۴۶)

شاہ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ

آپ احمدآباد کے صاحب کشف وکرامات مشائخ میں سے تھے۔ اپنے بھائی شاہ زاہد وغیرہ خاندانی افراد کے ساتھ بخارا سے چل کر ہندوستان بھر کا سفر کرکے احمدآباد کو مسکن بنایا اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔

ایک مرتبہ آپ کے بھائی شاہ زاہد سے انتقال کے بعد آپ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ میرے پیر کی انگلی لکڑی کے تابوت میں پھنسی ہوئی ہے۔ بار بار یہی خواب دیکھ کر قبر کھولی گئی تو خواب حقیقت تھا اور انگلی سے خون بھی ٹپک رہا تھا۔ چنانچہ ٹھیک کرکے دوبارہ قبر کو بند کردیا گیا۔ [1]

---

[1] اکابرین گجرات صـ۲۸۲۔ گجرات کے روحانی چراغ۔

مصطفیٰ

مذکورہ ذیل اشعار کے شاعر کا نام مصطفیٰ ہے۔ جو اپنے کو حضرت قطب عالم برہان الدین ابو محمد عبداللہ بخاری (متوفی ۸۵۵ھ) بٹوہ احمدآباد کی اولاد میں سے کہتے تھے۔ اور انہوں نے ۱۱۰۲ھ میں یہ نور نامہ فارسی دکھنی میں منتقل کیا۔ ؎

فارسی تھا سو دکھنی بات ۔۔۔ لکھا مصطفیٰ حسب سنکات
کوئی پیر دیکھیں کے در حال ۔۔۔ میرے حسب کا یوہی خیال
یاں نی مرنا ہیں مجکو جال ۔۔۔ نور نامہ کا کیا بیان
جکو کی پیر دیکھی ہوتے شاد ۔۔۔ مجھ عاجز کون کری یاد
شیخ قطب عالم کی ہیں اولاد ۔۔۔ نور نامہ کا کیا ہیں بنیاد
نور محمد کا نور محمد میں ۔۔۔ میں بیتھا لکھیا اوسان میں
یکہزار دو کمی سان جان ۔۔۔ نور تھا قدرت کا یوں نشاں
ہور بھجو نبی پر ہم صلوٰۃ ۔۔۔ ہی کلیمی سنتی میری بات
نبی صلوا علیٰ وآلِ رسول ۔۔۔ مجھ خادم کمین کون کرنا قبول
ہی مجکو لا آلیس بہی یو نفا ۔۔۔ تجھ ناؤں کا رکی ہوں مصطفیٰ [1]

سید جعفر شیرازی

۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء

شیرازیوں کا ایک مشہور خاندان اپنے وطن سے آکر سندھ میں آباد ہوا تھا سید جعفر شیرازی سندھ ہی میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے علوم کی تحصیل کی

---

[1] علمی نقوش ص ۱۱۰

سندھ سے پٹن آ گئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد احمد آباد میں مقیم ہو گئے ۔
سید جعفر کو حضرت قطب عالم سے عقیدت ہو گئی تھی ۔ ان کی صحبت با برکت میں رہ کر خرقۂ خلافت پہنا ۔
زندگی کا مشغلہ درس و تدریس رہا ۔ احمد آباد میں آپ کی وفات ہوئی ۔ [1]

شیخ احمد بن سید جعفر شیرازی

م ۹۴۲ھ — ۱۵۳۵ء

آپ سید جعفر شیرازی کے فرزند تھے ۸۵۲ھ میں بمقام پٹن پیدا ہوئے ۔ بارہ سال کی عمر میں احمد آباد آئے ۔ والد ماجد سے تحصیل علم کیا ۔ والد کی طرح زندگی بھر درس و تدریس میں مشغول رہے ۔ زندگی کے نوّے سال گذار کر ۹۴۲ھ / ۱۵۳۵ء میں اس دنیا کو خیر آباد کہا ۔ احمد آباد میں دفن ہوئے ۔ [2]

سید احمد مخدوم جہاں شاہ

م ۹ / ذی الحجہ ۸۹۹ھ

سید احمد جن کا لقب مخدوم جہاں شاہ ہے ۔ مخدوم جہاں شاہ گردیزی رضوی اپنی والدہ کی وفات کے بعد مانکپور پورب سے اوچھ / اُوچ شریف تشریف لیگئے اور حضرت سید محمد راجو قتال کی خدمت میں رہ کر ان کے مرید ہوئے اور کچھ مدت اُوچ شریف میں رہے ۔ اس کے بعد وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے ۔ پھر سید راجو سے

---

[1] تذکرہ قاریانِ ہند ج ۲ [2] ایضاً ۔

اجازت لے کر گجرات کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت سید راجو نے ایک عبا آپ کے ہمراہ قطب عالم کی خدمت میں بھیجی تھی۔ سید احمد نے وہ عبا لا کر (اس وقت قطب عالم پٹن میں تشریف فرما تھے) حضرت سید راجو کے ارشاد کے بموجب قطب عالم کو پہنچائی۔ بعد میں ۱۱۰۴ھ تک وہ عبا یا اس کا کچھ حصہ احمد آباد میں حضرت مخدوم العالم مولانا شیخ نورالدین محمد کے فرزندوں کے پاس بطور تبرک موجود تھا۔ سید احمد نے اپنے عم بزرگوار سید خدا بخش کے مکان میں قیام کیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں حضرت مخدوم عالم اسمٰعیل کو بشارت دی کہ اپنی بچی کی نسبت سید احمد جہاں شاہ سے کر دیں۔ اور عالم واقعہ میں دیکھا کہ حضرت سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما رہے ہیں: یا علم الدین اعطیبنتك فی عقد ولدی احمد تسلیماً، حضرت مخدوم عالم اپنے گھر سے ان کا استقبال کرکے سید احمد کے گھر میں تشریف لائے۔ اور بچی کا عقد سید احمد کے ساتھ سیّد خدا بخش کے گھر میں کر دیا۔ اور عقد کرکے ان کو اپنے گھر لے آئے سید احمد عقدِ مناکحت کے بعد پانچ ماہ رہے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ بارہ سال وہاں رہکر حج کئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس کے بعد بیت المقدس کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے بارہ سال کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بشارت دی کہ پٹن کی طرف تشریف لے جائیں۔ فرمایا کہ اے میرے بیٹے سید احمد نہر والہ جاکر سکونت پذیر ہو جاؤ کہ میری امت کے گنہگار اور عاصی آپ کو دیکھیں۔

حضرت قطب عالم اور شاہ عالم آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ اور ادھر سے حضرت شیخ الاسلام شیخ احمد بہت زیادہ تعظیم کرتے اور پورے

ادب کے ساتھ ان کی خدمت میں بیٹھتے ۔ کسی نے پوچھا کہ سید احمد آپ کی خدمت میں آتے ہیں ۔ اور حضرت انکی تعظیم و ادب فرماتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے ۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ایک شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا ۔ سید احمد اپنا سر آپ صلی اللہ وسلم کے زانو مبارک پر رکھ کر سو رہے ہیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطاب کرکے فرمایا یا شیخ احمد انا احمد وھذا ولدی احمد اس روز سے میں انکی بہت زیادہ تعظیم کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس قدر یہ قرب رکھتے ہیں ۔

سید احمد کی ولادت ۷۸۹ھ میں ہوئی اور آپ کا وصال نو ذی الحجہ ۸۹۹ھ میں ہوا ۔ اور لفظ ُوارث امام علی، سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اسی سے عمر کے سال بھی نکلتے ہیں ۔ تاریخ ولادت لفظ وارث اور امام سے اور عمر کی تعداد لفظ علی سے ۔ کہ ایک سو دس سال عمر آپ نے پائی [1]

ملک شرف الدین شاہ شہباز

احمد آباد گجرات میں آپ کی نشو و نما ہوئی ۔ جب آپکی عمر پانچ سال تھی تو آپ کے پدر بزرگوار ترک سکونت کرکے خاندیس چلے گئے ۔ اس صوبہ کے حاکم نے بھی والی احمد آباد کی طرح آپکے والد کا اعزاز کیا ۔ آپ اس وقت مکتب میں پڑھا کرتے تھے لیکن جس قدر عقل اور عمر بڑھتی جاتی تھی ، اسی قدر رسمی علوم سے دلچسپی زیادہ ہوتی جاتی تھی ۔ جب پدر بزرگوار اس جہاں سے رخصت ہوئے تو حاکم نے آپ کو آپ

[1] خاتمہ مرات احمدی صفحہ ۱۱۵ ۔

کے والد کے منصب پر بلایا مگر آپ نے قبول نہیں کیا اور عقلی علوم کی تحصیل میں کوشش کرنی شروع کی۔ مگر اچانک خدا طلبی کا درد اور خدا شناسی کا شوق دل کا دامن گیر ہوا۔ پھر پیر طریقت کی تلاش شروع کی ان ایام میں مخدوم شیخ احمد کھٹو اور قطب زماں شاہ علی خطیب قدس سرہما احمد آباد میں تھے۔ اور طالبان درست اعتقاد کی رہنمائی میں کامل شہرت رکھتے تھے آپ نے چاہا کہ اپنے درد کی دوا ان دونوں صاحبوں میں سے کسی ایک کی خدمت میں حاضر ہو کر طلب کریں۔
اسی کشاکشی میں تھے کہ ایک رات خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ شاہ علی خطیب نے اپنا مرید کر کے تلقین فرمائی اور خرقۂ خلافت پہنایا۔ اس شب کی صبح ہوتے ہی جو کچھ نقد وجنس پاس تھا سب محتاجوں کو تقسیم کر دیا اور خالی ہاتھ احمد آباد کا راستہ لیا جب پیر نے آپ کو دور سے دیکھا تو تبسم کناں فرمایا عالم مثال کا ملاقاتی آگیا۔ چند سال بعد جب کہ خدمت کی بدولت معرفت کے عالی مرتبہ پر سرفرازی ہوئی تو رخصت ملی مگر تین شرطوں پر ۱؎ وطن کو جانا ۲؎ کدخدا ہونا ۳؎ لوگوں کی رہنمائی کرنا۔

مجبوراً آپ خاندیس آئے ایک پہاڑ کے دامن میں سکونت اختیار کی۔ خواب میں آگاہی ملی کہ لوگوں کی رہنمائی کے واسطے شہر میں سکونت اختیار کرنے کا حکم تھا۔ تم اس کے برخلاف صحرا نشین ہو گئے ہو۔ آپ اس کو خواب وخیال سمجھ کر پھر پیر کی ملازمت میں حاضر ہوئے۔ ملازمت میں پہنچے تو پیر کی زبان سے بھی وہی عالم مثال کا اشارہ پایا گیا اور پہلی ہی رات کو خواب میں دیکھا، قیامت کا شور اٹھا ہوا ہے اور لوگ ہر طرف پریشان دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔ آپ کے پیر حضور خاتم النبیین علیہ الف صلوٰۃ والتسلیم کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے اور آپ پیر کی کمر کو

ہاتھ سے مضبوط تھامے ہوئے ہیں اور اسی شکل کے ساتھ ایک پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس آپ کے پیچھے بے شمار جماعت ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے آپ کے نزدیک آ رہی ہے،، پیر نے یہ خواب سنکر فرمایا کہ یہ تمام جماعت تمہاری پیروی اور رہنمائی سے کرامت اور ولایت کے درجہ کو پہنچے گی۔ لہٰذا آئندہ لوگوں سے ملنے سے کنارہ کشی نہ کیا کرو۔ نیز پیر نے دو بیٹوں کی خوشخبری سنائی اور فرمایا کہ یہ دونوں بیٹے عالم دنیا اور عالم غیب میں مشہور ہوں گے۔ ایک کا نام عبدالرحیم اور دوسرے نام عبدالکریم ہوگا۔

آپ نے برہانپور آکر شادی کی اور پھر تھوڑے عرصے کے بعد بشارت ظہور پذیر ہوئی۔ ۶۶ رسال ہدایت کی مسند پر بیٹھ کر رہنمائی کرتے رہے اور ان دونوں لڑکوں نے بھی سلفِ صالحین کی رفتار رکھی۔ اور نیز ان لڑکوں کے علاوہ دیگر بہت سے لوگ آپ کی ملازمت سے اس درجہ کو پہنچے کہ خود بھی خلیفہ ہوئے اور اوروں کو بھی خلیفہ بنایا۔

مسند نشینی کے بعد آپ (۱) دنیاداروں کے دروازہ پر کبھی نہیں گئے۔ اور کسی کے کھانے میں سے لقمہ نہیں اٹھایا (۲) جب کوئی مشکل پیش آتی تھی جنگل کو چلے جایا کرتے تھے اور دو رکعت نماز پڑھکر مراقبہ میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت غوث الثقلین سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ مشکی گھوڑے پر سوار آپ کو نظر آیا کرتے تھے اور نہایت آسان شکل کے ساتھ مشکل کو حل فرمایا کرتے تھے۔ (۳) ایک روز نماز ظہر کا وقت تھا۔ پانی تلاش کیا تو نہیں ملا۔ اس خوف سے کہ وقت نکل جائے ایک دیگ آگ پر رکھی ہوئی تھی جس میں پانی کھول رہا تھا اس میں سے آپ نے پانی لے کر وضو کیا اور لوگوں کو ابراہیمی معجزہ دکھایا۔

(۴) شب قدر کو دیکھا تھا۔ (۵) خواجہ خضر سے ملاقات کی تھی۔ (۶) اپنی وفات کی اطلاع دوستوں کو نو روز پیشتر دے دی تھی اور اس عرصہ میں سب کو رخصت کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میرے پاس سے اپنا مقصد بہت سے لوگ حاصل کیا کرتے تھے اب بھی جو شخص یک دل اور یک رو ہو کر میری قبر کی طرف متوجہ ہوگا تو جو مہم اس کی ہوگی وہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے پوری کر دے گا۔ جب نویں روز شام اور شام کے بعد رات ہوئی تو آپ نے آدھی رات کے وقت اپنے خادم سے پوچھا کتنی رات گئی ہے؟ غلطی سے اس کی زبان سے نکل گیا کہ اشراق کا وقت آ گیا۔ آپ نے تبسم کر کے فرمایا ہاں درست ہے اور اسی دم آپ کی روح واصل حق ہوئی۔

اس وقت شیخ بیرو نامی ایک شخص باہر نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نور کی ایک مشعل کو دیکھا کہ حجرہ کا چھت توڑ کر باہر نکل گئی۔ اس چمک دمک کے ساتھ ان کو طلوع آفتاب کا شبہ ہوا اور بے اختیار "سبحان ربی الاعلیٰ" کہہ کر زمین پر سر رکھ دیا۔ [1]

شاہ حماد ابن قاضی محمد

خلیفہ قطب عالم

تاریخ دکن میں آپ کے مختصر احوال ملتے ہیں کہ سن بلوغت تک پہنچنے کے ساتھ ہی علوم و فنون کے منتہیٰ کو آپ نے چھو لیا تھا۔ اور طریقت میں آپ کو حضرت قطب عالم

---

[1] گلزار ابرار صفحہ ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳۔

سے ارادت حاصل تھی جیساکہ آپ کے والد محترم قاضی حماد اور آپ کے برادر حمید اور حامد بھی قطب عالم کے دامنِ ارادت سے وابستہ تھے۔

آپ نہایت خلوت پسند اور اس قدر پاکیزہ انسان تھے کہ مشکوک غذا کو آپکا معدہ ہضم نہیں کرسکتا تھا۔ آپ کے زیادہ تر اسفار باوجو خلوت پسندی کے جہاد بالسیف کے لئے ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ نے عین جوانی میں صرف ۳۴ سال کی عمر میں دار فانی سے دار بقا کو کوچ فرمایا۔ اور سارنگپور میں مدفون ہوئے۔ [1]

مرأۃ احمدی کے خاتمہ میں آپ کے تفصیلی حالات تحریر ہیں کہ :

رئیس الاوتاد حماد آپ کا مزار قلعہ کے پاس دروازہ سہارنپور کے پاس احمد آباد میں واقع ہے۔ آپ کے پدر بزرگوار (جن کا اسم گرامی قاضی محمد ہے) وہ قطب العالم کے مرید تھے اور یہ تین بھائی تھے ایک کا نام حمید تھا جو قاضی جالندہ کے نام سے مشہور تھے۔ جو قاضی محمود دریائی کے پدر بزرگوار ہیں۔ دوسرے یہ قاضی حماد تیسرے حامد۔ یہ حمید، حماد، حامد نامی تینوں بھائی حضرت شاہ عالم کے خلیفہ و مرید تھے۔ شاہ حماد نے بارہ سال طفولیت میں اور طلب علم میں صرف کئے۔ اور بارہ سال تک کفار سے سپاہیوں کا لباس پہن کر جہاد میں مصروف رہے۔ اس وقت بھی اکل حلال اور صدق مقال کو آپ نے اس طرح لازم پکڑا کہ کسی نے تکلف سے یا شبہ سے کسی کھانے کی ترغیب دی جو واقعی حرام ہوتا اور آپ اس کی دلجوئی اور اس کے پاس خاطر میں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے تو یا تو ہاتھ ہی دراز نہیں ہوسکتا تھا۔ یا فوراً بعد استفراغ ہو جاتا۔ یہانتک کہ آپ کے

---

[1] اکابرین گجرات ۴۵۳، تاریخ دکن حصہ ۲ مرأۃ احمدی۔

اس تقوی کا اثر آپ کی سواری کے جانور پر بھی اس قدر تھا کہ وہ بھی کبھی بھی حرام دانہ اور گھاس نہیں کھا سکتا تھا۔ اس کے بعد بارہ سال تمام علائق کو ترک کرکے آپ مشغول بخدا رہے، راتوں کو بہت کم سوتے اور آپ پر جلال کا اس قدر غلبہ تھا کہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ آپ کے سامنے آسکے یا کسی قسم کی آپ کے سامنے دنیوی گفتگو کرسکے۔ جو بھی آپ کی جلال اثر نگاہ کے سامنے آتا غیر شعوری طور پر وہ کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھ سکتا تھا۔ گر پڑتا اس لئے آپ اکثر اوقات پردہ کے پیچھے پردہ میں اپنے آپ کو رکھتے یہاں تک کہ ہر وقت کے حاضر باش خدام بھی پردے کے پیچھے سے خدمت اور آپ کی خواہش معلوم کرلیتے اور اس کو بجالاتے۔ جو گفتگو ہوتی وہ پردے کے پیچھے سے کرتے۔ آپ کسی بات کے جواب میں صرف اتنا فرمادیتے کہ میں دیتا ہوں یا نہیں دیتا اس وجہ سے بعض علماء نے اس زمانہ میں آپ کے قتل کا فتوی دیا، فتوی لکھکر سلطان وقت کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ شخص خدا کے نام کو بیچ میں نہیں لاتا ہر چیز کے جواب میں کہتا ہے کہ میدہم یانمی دہم۔

میں دیتا ہوں یا نہیں دیتا اس طرح اپنی طرف سے یہ کہتا ہے۔

سلطان نے کہا کہ جیسا حسین بن منصور کے قتل پر جنید بغدادی نے فتوی لکھ دیا تھا اس محضر پر اس فتوی پر اگر انکے بھائی قاضی جاٹلندہ/جالندہ گواہی لکھدیں تو میں انکے قتل کا حکم دے دونگا۔ علماء قاضی صاحب کے پاس پہنچے اور مدعا ظاہر کیا قاضی صاحب نے جواب میں عرض کیا۔ تھوڑی دیر توقف کرو میں حماد کو نصیحت کرتا ہوں اگر قبول کریں اور توبہ کریں اور انابت الی اللہ بجالائیں تو ٹھیک کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب له ورنہ میں فتوی لکھ دیتا ہوں۔ علماء نے اس کو قبول کیا قاضی شاہ حماد کے پاس پہنچے نصیحت کرنے لگے جواب میں فرمانے لگے کہ میاں جی اگر تقوی نہیں جانتی

تو تم خوب جانتے ہو کہ میں اپنی طرف سے میں نہیں کہتا کہنے والا دوسرا ہے اور جو بھی اس فتویٰ کے باعث ہوا اسکو درمیان ہی سے میں نے اٹھا دیا اور اس فتوے کے باعث ایک عالم تھے میاں جی انکا نام تھا جو قاضی العالم شاہ حماد کے بھی استاد تھے اور قاضی جالندہ کے بھی استاد تھے غرض جالندہ کہنے لگے کہ وہ ہمارے استاد ہیں استاد کا حق ضائع ہو رہا ہے شاہ حماد کہنے لگے اقتلوا الموذی قبل الایذا یہ دونوں بھائی اس گفتگو ہی تھے کہ خبر پہنچی کہ مولانا میاں جی کو اس طرح دردشکم (پیٹ کا درد) لاحق ہوا کہ وہ جاں بلب ہیں یہ سنکر قاضی جالندہ کہنے لگے کہ ہائے ہائے میاں حماد توجہ کیجیے کہ وہ صحت یاب ہو جائیں حماد کہنے لگے کہ اگر میرے سامنے آئیں اور اس فتویٰ سے باز آ جائیں تو تب وہ جان کو سلامت رکھ سکتے ہیں ۔

قاضی جالندہ دوڑے دوڑے مولانا میاں جی کے پاس پہنچے اور شاہ حماد کا مقولہ ان کے سامنے ذکر کیا مولانا میاں جی کہنے لگے کہ ۶۲ رسال شریعت کی استقامت پر میں نے گزارے اور مجھے بھی معلوم ہے کہ میں ان کے سامنے جاؤنگا تو مجھے صحت ہو جائے گی لیکن چند گنے چنے دن کے خاطر میں کیوں جاؤں میں تو شریعت غرّہ ، شریعت بیضا کی حفاظت کرونگا اور اپنی جان کی بازی لگا دونگا اس طرح انہوں نے جان کی بازی لگا دی اور انتقال ہو گیا ۔ انتقال کے تیسرے روز مولانا شاہ حماد اور قاضی جالندہ میاں جی کی قبر پر آئے دعا کی ۔ آپکی عمر ۶۳ رسال ہوئی ۲۲ رشوال کو آپ نے انتقال کیا ۔ [1] (۱ خاتمہ مرات احمدی صفحہ۳)

علّامہ وجیہ الدّین علوی

(وفات ۹۹۸ھ/۱۵۸۹ء)

علّامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین علوی۔ اپنے زمانہ کے مشہور اکابر علماء میں سے تھے۔ علوم دینی میں بے پناہ تبحر رکھتے تھے۔ انکی کثرتِ تصانیف اور تدریس میں ان کا کوئی معاصر ان کی برابری نہیں کرسکتا بلکہ بعد کے لوگوں میں ایسے مرجع الخواص مشائخ کم ہی رہے ہیں کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد ایک گجراتی تاریخ کے مطابق ۴۴ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

۲۲ محرم الحرام سنہ ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء کو چانپانیر (گجرات) میں پیدا ہوئے۔ شیخ وجیہ الدین کے دادا سید بہاؤ الدین مکی عرب سے ہندوستان سلطان محمود ثانی کے عہد حکومت میں تشریف لائے تھے۔ اور چانپانیر کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ یہیں نکاح کیا اور یہیں انتقال ہوا۔ علامہ کی پیدائش بھی یہیں کی ہے۔

تعلیم و تعلم

قدرت نے ابتداء ہی سے انہیں نیک طینت اور صالح بنایا تھا۔ ذہانت اور قوتِ یادداشت بلا کی پائی تھی۔ تقریباً پانچ سال کی عمر میں ناظرہ اور سات سال کی عمر میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اور آٹھویں سال تجوید کے ساتھ قرآن مجید علماء کے سامنے سنایا۔ اس کے بعد علوم متداولہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور اپنے چچا سید شمس الدین سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر اپنے ماموں سید ابو القاسم سے حدیث کا درس لیا۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں فنِ حدیث میں اس درجہ مہارت حاصل کرلی کہ اس زمانے کے مشہور محدث علامہ محمد بن محمد مالکی اور حضرت ابو البرکات، شاہ عبدالملک بنیانی عباسی سے باقاعدہ تحصیل کرکے اس میں

سندِ فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد علوم عقلیہ کی طرف توجہ کی۔ تو علامہ جلال الدین دوانی کے مایۂ نازشاگرد مولانا عمادالدین طارمی اور ابوالفضل محمد مظہرالدین گاذرونی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور چوبیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کرلی تقریباً ستر ۷۰ سال تک احمد آباد میں معقول و منقول کے پڑھانے میں اپنی اوقات بسر کی۔

سلطان مظفر آپ کے والد شاہ نصراللہ کی بڑی عزت کرتے تھے امورِ سلطنت میں اکثر ان سے مشورہ لیتے تھے۔ مظفر شاہ نے شاہ نصراللہ سے درخواست کی کہ احمد آباد میں قیام فرمالیں چنانچہ آپ چانپانیر سے منتقل ہوکر احمد آباد تشریف لے آئے۔ علامہ وجیہہ الدین بھی اپنے والد کے ہمراہ احمد آباد آگئے اور زندگی بھر یہیں مقیم رہے۔ احمد آباد آمد کے وقت علامہ کی عمر آٹھ سال تھی۔ آپ نے قرآن و حدیث علوم نقلیہ اور عقلیہ سے فراغت کے بعد احمد آباد میں بیس ۲۰ سال کی عمر سے تدریس شروع کی اور اخیر عمر تک احمد آباد میں علوم کے دریا بہاتے رہے۔

شرح جامی اور تفسیر بیضاوی جیسی تقریباً تئیس ۲۳ کتابوں کے شروح و حواشی لکھے۔ آپ کی زندگی میں احمد آباد سے لاہور تک آپ کے شاگردوں نے علم دین کو پھیلایا۔ [1]

شیوخ سے تعلق

آپ نے متعدد بزرگوں سے فیض پایا۔ پہلے اپنے والد سے چشتیہ اور مغربیہ سلسلہ کی تعلیم پائی پھر قاضی خاں چشتی المشہور بہ قاضن چشتی نہروالی (مدفون بہ پٹن) کی صحبت میں رہ کر علوم باطنی حاصل کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد میاں بدرالدین

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات

ابو القاسم سہروردی سے تعلق قائم کیا۔ جب جذبۂ شوق کا غلبہ ہوتا تو سید کبیر الدین مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ نیز آپ نے شیخ نجم الدین صدیقی سے بھی فیض پایا۔ آخر میں سید غوث گوالیاری شطاری کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہوگئے۔

شیخ غوث محمد گوالیاری کے خلاف شیخ علی متقی نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ جس کا ذکر شیخ غوث گوالیاری کے حالات میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ فتویٰ کی بنیاد شیخ گوالیاری کی کتابوں میں بعض باتیں تھیں جو قابلِ اعتراض تھیں۔ علامہ وجیہہ الدین علوی نے فتویٰ دیکھا تو فتویٰ کو پھاڑ دیا اور فرمایا کہ معراج نامہ میں جتنے واقعات درج کئے گئے ہیں۔ شیخ نے یہ تمام باتیں خواب کی کیفیت میں فرمائی ہیں۔ خواب کے واقعات کو ظاہری زندگی کے معاملات پر محمول نہیں کرنا چاہیئے۔ [1]

شیخ علی متقی کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت ناراض ہوئے اور علامہ وجیہہ الدین سے کہا کہ بدعت کی اشاعت اور دین میں رخنہ پیدا کرنے میں تم کس طرح راضی ہو گئے۔ علامہ وجیہہ الدین نے جن کا قلب و جگر پہلے ہی شیخ گوالیاری کے دامِ الفت میں پھنس چکا تھا۔ جواب دیا کہ ہم اربابِ قال ہیں۔ شیخ گوالیاری اہلِ حال ہیں، ہمارا فہم ان کے کمالات تک نہیں پہنچ سکتا۔

شاہ محمد غوث کے حلقۂ ارادت میں آنیکا سبب

شاہ وجیہہ الدین علوی رحضرت شاہ محمد غوث گوالیاری رح کے حلقۂ ارادت میں کیسے اور کب آئے؟ اس کے متعلق مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں میں شاہ محمد غوث کے واقعہ تکفیر کو اس کا سبب بتایا ہے کہ یہی واقعہ شاہ وجیہہ الدین کی بیعت اور خلافت کا ذریعہ بن گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ پہلے اپنے ماموں شیخ یحییٰ کے ساتھ شاہ

---

[1] خزینۃ الاصفیا ر صـ۳۲۲۔

محمد غوث رح کی خدمت میں تشریف لائے اور شرف بیعت حاصل کیا۔
اس سلسلہ میں تیسرا شیخ عبدالنبی شطاری اکبرآبادی کا بیان ہے۔ جسے انہوں نے اپنی کتاب "تذکرۂ اولیائے شطاریہ" میں لکھا ہے اس بیان کی زیادہ اہمیت اس لیے ہے کہ شیخ عبدالنبی اور ان کے والد شیخ عبداللہ عثمانی سندیلوی ثم اکبرآبادی شاہ وجیہہ الدین کے تلامذہ میں ہیں اور برسوں انکی صحبت میں رہے ہیں۔ شیخ عبدالنبی اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کے استادوں میں شیخ مبارک دانشمند اور شیخ وجیہہ الدین گجراتی تھے۔ تحصیل علوم کے بعد دو سال تدریسی فرائض انجام دیتے۔ پھر خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا تو تمام کتابیں طلبہ میں تقسیم کرکے گوشۂ تنہائی اختیار کرلیا۔ اور ریاضت شاقہ میں مصروف ہوگئے ان دنوں ان کے یہ دونوں استاد ان کے لئے افطار بھیج دیا کرتے اسی اثناء میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت شیخ محمد غوث چانپانیر میں تشریف لاتے ہیں۔ شیخ وجیہہ الدین نے ان کے اوصاف و کمالات شیخ مبارک دانشمند سے سنے۔ تو ان کے دل میں شیخ محمد غوث سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے والد صاحب سے بھی کیا۔ جنہوں نے کہا کہ ملاقات سے پہلے استخارہ کرلیں تو بہتر رہے گا۔ شیخ وجیہہ الدین نے فرمایا کہ زیادہ تر لوگ ان کی روحانیت کے قائل ہیں اس لئے میری خواہش ہے کہ ان کی خدمت بابرکت میں جلد پہنچوں ان کے والد نے کہا کہ کوئی اپنے دل میں نشانی سوچ لیں اگر وہ واقعی مرد درویش ہونگے تو پتہ چل جائے گا۔ ورنہ پھر لوگ آپ پر طعنہ زن ہوں گے شیخ وجیہہ الدین کو اپنے والد کی یہ بات پسند آئی انہوں نے بڑی توجہ سے استخارہ کیا۔ دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ شیخ محمد غوث کو اللہ تعالیٰ اس دربار

ہیں آپ کے لئے اور بعض دوسرے لوگوں کے لئے لایا ہے۔ چنانچہ دوسرے روز شیخ وجیہہ الدین نے فرمایا کہ مجھے حضرت محمد غوث رح کی خدمت میں جانے کا حکم ہو گیا ہے تم بھی ساتھ چلو۔ آخر شیخ وجیہہ الدین اور شیخ مبارک دانشمند اس قدوۂ شطار کی خدمت میں چانپانیر پہنچے۔ شیخ وجیہہ الدین نے شیخ مبارک سے کہا کہ وہ یہ نہ بتلائیں کہ یہ وجیہہ الدین ہیں۔ جب مرشد نامدار کے دربار میں پہنچے تو حضرت غوث کی خادمہ چنپا دائی نکل کر باہر آئی اور کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ شیخ وجیہہ الدین اور شیخ مبارک دانشمند احمد آباد سے آئے ہیں ان سے کہو کہ تشریف رکھیں۔ فقیر بھی تجدید وضو کے بعد حاضر ہوتا ہے۔ یہ دونوں حضرات کچھ دیر بیٹھے تھے کہ حضرت غوث باہر تشریف لائے اور بغل گیر ہوئے اور فرمایا کہ میاں جی! حق تعالیٰ مجھے اس دیار میں آپ کے واسطے اور بعض دوسرے یاروں کے لیے لایا ہے۔ شیخ وجیہہ الدین تعظیم بجا لائے اور عرض کیا کہ حضرت والا کی خدمت میں ارادت کی غرض سے آیا ہوں۔ حضرت غوث نے فرمایا کہ میاں جی! آپ کو مرید ہونے کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن میری جانب سے جو کچھ فیض مقدر ہے وہ آپ کو مل کر رہے گا۔ پھر حضرت غوث نے اپنا خرقہ مبارک شیخ وجیہہ الدین کو پہنا دیا۔ اور فرمایا کہ میاں جی! آپ لوگوں کو ہدایت فرمائیں اور انہیں مرید کریں۔ حضرت غوث نے انہیں چند روز اپنے یہاں ٹھہرا کر بعض مراقبات و اشغال تلقین فرمائے اور پھر انہیں احمد آباد رخصت کر دیا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ چلیں۔ آپ کے پیچھے ہم بھی پہنچتے ہیں۔

شیخ وجیہہ الدین نے واپسی کے بعد والد سے حضرت غوث رح کی بے حد تعریف کی۔ اور فرمایا کہ تم بھی انہیں دیکھ لوگے تو ان کے شیدا ہو جاؤ گے والد صاحب نے کہا کہ جو کچھ ازل میں لکھا جا چکا ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔

چند دنوں کے بعد حضرت غوث احمد آباد تشریف لائے۔ دستور خاں کے خوبصورت اور دلکش باغ میں ورود فرمایا۔ شیخ وجیہ الدین حضرت غوث کی ملاقات کے لئے چلنے لگے تو اصرار کر کے والد کو بھی ساتھ لے لیا۔ شیخ وجیہ الدین برابر حضرت غوث کی خدمت میں رہنے لگے۔ ایک روز کچھ ریاضت و مجاہدہ کے سلسلہ میں عرض کیا تو حضرت غوث نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے نتائج و ثمرات ضرور ظاہر فرمائیگا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد شیخ وجیہ الدین نے والد سے کہا کہ آپ بھی اس سلسلہ میں کیوں نہیں داخل ہو جاتے؟ والد نے جواب دیا اور کہا کہ یوں تو مشائخ کے بہت سے سلسلے ہیں لیکن میری طبیعت دوسروں سے الگ ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ ایسے بزرگ کے حلقہ میں آؤں جو واقعی اللہ کی راہ میں اپنے کو فنا کر چکا ہو۔ اسی اثناء میں حضرت غوث کی زبانِ مبارک سے نکلا کہ ہرن شیر کے پنجے میں آگیا ہے۔ لوگوں کو اس جملے پر حیرت ہوئی تھوڑی دیر کے بعد عصر کی نماز حضرت غوث کے ساتھ ادا کی اور رخصت ہونے لگے تو حضرت غوث بھی ان کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ بغلگیر ہو کر انہیں رخصت کیا۔[1]

اوصاف و کمالات علامہ وجیہ الدین بڑے صاحب صدق و اخلاص تھے۔ فنا اور سخاوت کے پیکر تھے۔ جو کچھ حاصل ہوتا طلبہ پر صرف کر دیتے۔ اپنے دولتکدہ اور مسجد میں عبادت و تدریس کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا۔

مدرسہ کا قیام آپ نے ۹۳۴ھ میں خانپور احمد آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کا نام مدرسہ عالیہ علویہ رکھا۔ ۴۸ سال کی عمر تک اسی مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ آپ کی طبیعت پر طریقت و سلسلہ کا اور باطنی شغل کا اس قدر غلبہ ہوا کہ کبر سنی میں درس و تدریس بھی موقوف فرمادی۔ اور ہمہ تن طریقت

---

[1] المعارف فروری ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۱۶۔

ہی کے ہو کر رہ گئے ۔ اسی اثناء میں ایک رات سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ؛ مدرسہ میں درس دینا نہ چھوڑو ، اس ارشاد عالی پر دوبارہ درس دینا شروع کردیا اور تادم آخر یہ خدمت انجام دیتے رہے مذکورہ خواب کے بعد مدرسہ کا نام تبدیل کرکے مدرسہ درس محمدی رکھدیا ۔ [1]

مدرسہ درس محمدی کے ہونہار فضلاء میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں ۔ حضرت غوث گوالیاری کے چاروں صاحبزادے اور شیخ محمد بن فضل اللہ اور علامہ صبغۃ اللہ بھروچی اور شیخ اسحاق بھروچی اور سید جلال الدین ماہ عالم ۔

زہد و قناعت

آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی ۔ موٹا کپڑا پہنتے تھے اور عام لوگوں کی طرح رہتے جو کچھ آتا دوسروں پر خرچ کردیتے ۔ امیروں کے گھر پر خود کبھی نہ جاتے ۔ ایک دو مرتبہ حکام وقت کی طلب پر مجبوراً جانا پڑا ورنہ گھر اور مسجد کے احاطہ سے باہر قدم نہ رکھتے ۔ [1]

کرامات

آپ کی کرامات میں سے ایک واقعہ کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ۔ ایک روز خواجہ عبدالشہید کے ایک مرید نے وجیہ الحق کی خدمت میں یہ ماجرا بیان کیا کہ فقیر اپنے وطن میں ایک سخت مرض میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں کو صحت سے مایوسی ہو گئی اس کے بعد پیر کے آستانہ پر جا پڑا اس خیال سے کہ اس جگہ موجود ہونا بشرطِ حیات یقیناً جلد صحت یابی کا سبب ہوگا ۔ ایک روز پیر نے مراقبہ کے لئے زانو پر سر رکھا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک نورانی شخص ایسے لباسوں میں جو ہمارے ملک میں غیر متعارف ہے حجرہ میں آئے ۔ کچھ دیر کے بعد پیر نے فقیر کو بھی حجرہ کے اندر بلالیا ۔ آنے والے نورانی شخص نے پانی پر دم کرکے بیمار کے لئے شربتِ شفاء کردیا ۔ پیتے ہی فوراً مجھ کو

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات ۔

آثار صحت اپنے جسم میں معلوم ہونے لگے۔ اُسی وقت وہ خضر وقت مسیحا حجرہ سے نکلے اور میری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔

میں نے پیر سے دریافت کیا کہ ان بزرگ کا نام کیا ہے ان کا مقام کہاں ہے۔ فرمایا نام شیخ وجیہ الدین احمد ہے اور مسکن احمدآباد گجرات ہے۔ اسم الٰہی کے مظہر اس زمانے میں آپ ہی ہیں۔ جب میری نظر تمہاری دشوار بیماری پر پڑی تو ناامیدی کا اثر دل میں محسوس ہوا۔ علاج کے لئے میں نے ان سے امداد چاہی۔ جب پیر کی زبانی یہ قصہ سنا تو اُس ملک کے سفر کی اجازت لے کر روانہ ہو۔ طلب وارادت صادق تھی کہ اُس کی برکت سے قدم بوسی کی سعادت کو پہنچ گیا۔ الحمدللہ میں نے پالیا جو کچھ چاہتا تھا۔

جہانگیر نے لکھا ہے کہ شیخ وجیہ الدین شیخ گوالیاری کے خلیفہ ضرور تھے مگر ایسے خلیفہ تھے کہ مرشد کو بھی ان پر فخر تھا "مرشد بخلافت او مباہات کند"، شیخ وجیہ الدین کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور پر مشہور ہیں۔

۱۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی
۲۔ حاشیہ تلویح
۳۔ حاشیہ کشف الاصول بزدوی
۴۔ حاشیہ علی المواقف
۵۔ حاشیہ ھدایہ
۶۔ حاشیہ شرح تجرید
۷۔ حاشیہ شرح مقاصد
۸۔ حاشیہ شرح عقائد
۹۔ حاشیہ شرح نخبۃ الفکر
۱۰۔ حاشیہ علی شرح الوقایہ
۱۱۔ حاشیہ عضدیہ
۱۲۔ حاشیہ شرح جامی
۱۳۔ حاشیہ مطول
۱۴۔ حاشیہ مختصر
۱۵۔ حاشیہ شرح چغمنی
۱۶۔ حاشیہ قطبی
۱۷۔ حاشیہ شرح ملا
۱۸۔ شرح ارشاد النحو
۱۹۔ حاشیہ مختصر المعانی
۲۰۔ وافیہ شرح کافیہ

اس کے علاوہ بھی دیگر شروح وحواشی ہیں۔

تلامذہ

شیخ وجیہہ کے تلامذہ میں سے سیّد یاسین ہیں، آپ سید شاہ میر کے چچیرے بھائی ہیں اکثر درسی کتابیں گجرات میں شیخ وجیہہ الدین سے پڑھی تھیں، علوم رسمی کی تحصیل کے بعد شیخ وجیہ الدین کے مرید ہو گئے اور حج کے لئے چلے گئے۔ وہاں حدیث کا علم حاصل کیا، اور اجازت حاصل کر کے ہندوستان واپس آئے، کچھ عرصہ تک لاہور میں امراء اور حکام کی صحبت میں رہے۔

پھر انہوں نے یہ تعلقات ترک کر دیئے، اور درویشی کا لباس پہن کر سرہند میں بقیہ عمر گذار دی۔ سلہ

ملفوظات حضرت وجیہ الدین

بحرالحقائق کے نام سے آپ کے ملفوظات کا مجموعہ معروف ہے۔ جو تاریخ زبان اردو مصنفہ شمس اللہ قادری اور اور اردو کی ابتدائی نشو ونما مصنفہ مولوی عبدالحق میں مطبوع ہیں، مولانا راشد برہانپوری کے کتب خانہ میں ایک دوسرا مجموعہ بھی تھا جو مرزا محمد نے ترتیب دیا ہے اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ملہ می فرمودند۔ نزد ما شریعت وحقیقت است، طریقت نیست یعنی تکمیل بہ طریقت، گفتم چنانچہ آنحضرت عبد ترک سجانہٗ دینداراں کردہ اند، فقیر ہم کند، فرمودند چرا ؟ آیا دنیا داران بیگانہ اند۔ دنیا داراں ہیچ ہیں (ہم ہی ہیں)

ملہ می فرمودند۔ حضرت خضر و فقیر از مجلسِ درس جدا شدہ۔

سخناں می کردیم، پرسیدہ شد افادہ بود یا استفادہ ؟ فرمودند ہمیں رسول کی لوک یعنی من کان معصوماً بفیض الرسول لا یحتاج الی استفادۃ من غیرہٖ۔

سلہ منتخب التواریخ صفحہ ۲۲۸

۳ می فرمودند۔ دست خضر محکم گرفتہ گفتم کہ حال گجرات (در قحط) چنیں شدہ است، لیسا مان کے خواہد بود؟ بگوئید۔ گفتند آنچہ خدائے تعالیٰ انتقام کردہ است ظاہر نکیجی۔ ظاہر نکیجی۔ دست بزور خلاص کنانیدہ بعدہ در مجلس درس حاضر شدند

۴ گفتم، بارہا میل شود کہ ایں قفس تن بشکند، فرمودند چرا بشکند؟ خاصا پنجرا ہی۔

۵ سالتُ عن تفضیل الولی علی النبیؐ۔ فرمودند کہری ناداں۔ کہری نادا ں دکھرے۔ پکے)

۶ فرمودند، رات دن خدا جنو کی مدح کرے (انبیاء کی تعریف و تفضیل کے سلسلے میں فرمایا تھا۔)

۷ میاں شیخ صالح (مرید) خواستند کہ کسب کتابت کنند۔ فرمودند باشطاریم مارا کسب چہ مناسب؟ از از ہر جا کہ بگیریم بخوریم، و در توحید مستغرق باشیم، بفعل زاھدانہ چرا مقید شویم۔ اگر قوی شبہہ باشد حیلہ کنید، یعنی از بقال استقراض کنید، پرسیدم کہ اشیاء را اگر مظاہر تصور کنیم چہ لست؟ فرمودند نہ نہ یوں تو ذوق نہ ہووے۔

۸ می فرمودند فیض حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ شاہ مرداں علی رضؓ رسیدہ و از ایشاں بحضرت شیخ محمد غوث (گوالیری) قدس سرہٗ و از ایشاں بمن رسیدہ و فرمودند فلاں درویش گفتہ کہ بایزیدؒ درمیان اولیاء چنا نست کہ درمیان انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، از مختلف الحرمت۔ سوال کردم فرمودند اتقیاء و علماء، سلاطین را بر عمل آں فتویٰ دادہ اند، باز فرمودند آنچہ روایت در فقہ یابد چرا نہ کند۔ بہوندا ج ہووی سو نہ کری

(ڈھونڈھا جو ہوئے سو نہ کرے) یعنی متفق الحرمت نباشد مکرّر فرمودند، کہ ہر چیزے کہ منتہج ذوق وشوق باشد صوفی آں را ترک نہ کند، بملاحظہ اختلاف بھونداج ہوئے سو ترک کرے ۔

۹ گفتم کسے را کشف خود نمی شود، درا عمال چوں اختیار کند فرمودند استخارہ مسنون منقول کند دلپس گو کشف نباشد، اپنوں کوں کیا فائدہ؟

۱۰ می فرمودند کسے کہ منکر توحید و وحدت وجود باشد اورا تصوّر نقش اللہ و شغل طاقچہ باید فرمود، چوں عمل کند ۔ آپیں جھک مار کر قبول کرے گا ۔

۱۱ فرمودند کہ از مغلاں بیاموزید کہ اسپ را می خورانند و می دوانند دعوت سہ اربعین شمارا کافی است تمہاری بلا ریاضت کرے ۔

۱۲ می فرمودند کہ سلوک شطّاری از ہمہ سلوک اسہل و از ہمہ انفع، بارہا مردم را وصیت می کردند بتاکید کہ یک گہری یا دو گہری یا چار گہری (گھڑی) در حضور ہر شغل می بزدہ باشید ۔

۱۳ کسے گفت کہ میاں شیخ محمد فضل اللہ (برہانپوری) ترک درس کردند، فرمودند، جب ترقی پکڑیں گی، آپیں درس کہیں گی ۔

۱۴ می فرمودند شیخ محی الدین ابن عربی را درامر فرعون مجتہد مخطی گفتند۔ (کہ فرعون را مومن گفتہ بود) فرمودند شیخ عربی فرشتہ بود، مثل او متقی بر زمین پیدا شدن عجیب است ۔ اما شیخ عربی کا تقوی کہاں میرا مکان کہاں ۔ (صاحب ملفوظ نے یہاں یہ مفہوم لکھا ہے کہ مرتبہ ما از ایشاں زیادہ است)

۱۵ می فرمودند خلفائے حضرت شاہ عالم رح (گجراتی ۔ المتوفی ۸۸۰ھ) گفتند کہ اگر خدمت کنید، فائدہ خواہد شد، میری تائیں کسی خدمت کی جاتی ہے (خدمت کسے الحال نمی توانم کرد)

۱۶ فرمودند، سب چھوڑ بیٹھی تو شتاب فائدہ ہو جاوے۔

۱۷ می فرمودند، وہ کیا ہوئی جو احمد آباد کے بازار ہیں ۔ برہنہ اللہ اللہ گویاں بگردد ۔

۱۸ می فرمودند، میاں صبغۃ اللہ (یکے از اولیائے گجرات) جھوڈدی (چھوڑ دے) یعنی مسودہ تحشیہ شرح ملا کہ شیخ وجیہ الدین نوشتہ بودند) نوادیتی میرا جیو نکلی ۔

۱۹ کسے از بندہ قرض می خواست یک ہون دو ہون ۔ حضرت میاں عبداللہ (پسر شیخ وجیہ الدینؒ) مائل برآں بودند کہ بر تاب بدہند فرمودند کبھی ایہاں رہتی ہو، یعنی باہل محلہ خود بے مروتی نباید کرد ۔ و در آغاز صحبت چوں زیادہ ادب از بندہ دیدند فرمودند کسے کہ تعظیم من نکند من ہم تعظیمے نکنم، عزیز شاید حضرت عطا محمد در وقتِ موت آنحضرت را طلب می کردند، فرمودند۔ ہون مروں تو بھی کوئی نہ آود، از تواضع مفرطہ و تکبر خالی بودند ۔

۲۰ و بندہ را فرمودند میاں صالح را پرسید کہ شما شراب می خورید گفتند آرے ۔ فرمودند۔ ولیوں کیاں صفتاں ہوتیاں ہیں ۔

۲۱ شکوہ کردم کم عقلی خود را ، فقال منجہ کتی اوکی عقل ہی (مجھ سے زیادہ عقل ہے ۔)

۲۲ قبول استدعائے مہمانی سوال کردم و گفتم کہ تفرقہ می دہد۔ فرمودند فقیر پر فرض تو نہیں ۔

ملفوظات کے اس مخطوطہ میں

بہت سے صوفیانہ مسائل کا تذکرہ ہے۔ ردّ و سلب، توجہ و استمداد، ذکر و شغل

وغیرہ کے متعلق کیفیات اور واقعات ملتے ہیں۔ حضرت شیخ کی اہلیہ "بی بی نازد" کے استغراق کا حال لکھا ہے کہ ان کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوا، لیکن انھیں غم کا احساس بھی نہ ہوا۔ بعض متوسلین میاں ابوجی، شیخ عبدالحکیم، شیخ عبدالقیوم وغیرہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ ایک صاحبزادے غوث اللہؒ کے متعلق لکھا ہے کہ بادشاہ اکبر ان کو اپنے دربار میں بلا رہا تھا لیکن بے نیاز باپ نے جانے کی اجازت نہیں دی، اسی زمانے کے سیّد محمد جونپوری المتوفی ۹۱۰ھ کے فرقہ مہدویہ کے متعلق ہے۔

می فرمودند کہ مردم مہدیہ عجب جاہلانند کہ اعتقاد ایشاں آنکہ ہر کہ بگرسنگی بمیرد بہماں بزرگ می فرمودند کہ بدتر از روافض اند، می فرمودند کہ بعضے آشنایاں کہ میل بعقیدۂ مہدیہ داشتند و بر ہماں عقیدہ مردند توجہ کردم تا بر احوالِ ایشاں مطلع شوم، احوال ایشاں را بغایت بد دیدم۔

شاہ وجیہہ الدین کا کتب خانہ

شیخ وجیہہ الدین کے مدرسہ کا کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ لکھا ہے کہ اس میں مختلف مضامین کی بہت سی کتابیں تھیں۔ یہ مدرسہ بقولِ مصنف یادِ ایام احمدآباد میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اسے علامہ وجیہہ الدین نے ۹۳۴ھ میں قائم کیا تھا جہاں وہ خود تا دمِ وفات (۹۹۸ھ) تعلیم دیتے رہے۔ اس مدرسہ کا فیض ان کے بعد ۲۳۸ برس تک جاری رہا۔ علامہ وجیہہ الدین کا علمی مرتبہ علماء گجرات میں نہایت بلند تھا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں اور علامہ کے شاگرد جس طرح احمدآباد سے لاہور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسی طرح ممدوح کے مدرسہ اور اس کے کتب خانہ کا شہرہ احمدآباد سے لاہور تک گونج رہا تھا۔ [1]

"تمدنی کارنامے" کے مصنف لکھتے ہیں کہ علامہ شاہ وجیہہ الدین (متوفی ۹۹۸ھ) احمدآباد میں بڑی مقدس

---

[1] رسالہ اسلامک کلچر (حیدرآباد دکن) ص ۳۴۲/۱۹ بحوالہ اسلامی کتب خانے ص ۲۸۳۔

ہستی تھی ۹۴۴ھ میں آپ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آپ کی وفات کے بعد ۱۲۳۲ھ تک قائم رہا اس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا۔ یہ کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ اور ہر فن کی کتابیں اس میں موجود تھیں۔ بزرگوں کا بیان ہے کہ دو بڑے کمروں میں بے ترتیبی سے کتابیں بھری تھیں۔ لیکن جب خاندان میں علم کے قدرداں نہ رہے تو کتابیں بھی ضائع ہوگئیں۔ اس صدی کی ابتدار میں مولوی عبدالمنعم صاحب باغلط خطیب جامع مسجد بمبئی اور یوسف صاحب بی اے کھٹ کھٹے مرحوم (بمبئی) بہت سی کتابیں اٹھالے گئے۔ تمدنی کارنامے کے مصنف بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۲۱ء میں اس کتب خانہ کو دیکھا تو صرف چند صندوق کتابیں تھیں۔ لیکن اب وہاں کچھ نہیں ہے کچھ کتابیں تو احباب کی نذر ہوئیں اور کچھ دریائے سابرمتی میں بہہ گئیں۔ کچھ تھوڑی سی کتابیں ہمارے دوست پیر حسینی صاحب اور بڑا میاں صاحب موجود متولی درگاہ کے پاس ہیں [۱]

شیخ وجیہہ الدین مصنفین کی نظر میں

النورالسافر میں تحریر ہے کہ! ۹۹۸ھ میں شیخ وجیہہ الدین نے احمدآباد میں انتقال کیا۔ آپ بڑے زبردست عالم و زاہد تھے اور لوگوں میں زبردست مقبولیت تھی۔

بہت سے فنون میں طلباء نے آپ سے نفع اٹھایا اور آپ کا معاملہ بہت ہی زیادہ مشہور ہوگیا تھا۔ [۲]

آپ کے معاصر مشہور مورخ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں۔!

میاں وجیہہ الدین احمدآبادی۔ اپنے زمانہ کے بڑے عابد و متقی عالم تھے۔

---

[۱] تمدنی کارنامے صفحہ ۲۸۵ [۲] النورالسافر صفحہ ۴۰۶۔

شریعت کی نہایت پابندی کرنے اور گوشہ نشینی ان کا شعار تھا، ہمیشہ دینی علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، تمام علوم عقلی و نقلی پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ درسی کتابوں میں صرف حاوی سے لے کر قانون، شفا، شرح مفتاح اور عضدی جیسی کتابوں میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جس پر انہوں نے شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو۔ ایک مخلوق ان سے فیض اٹھاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا میں بڑا اثر دیا تھا، اور شفا رکھی تھی۔ چنانچہ ہر روز بے شمار مریض ان کے پاس دعا کرانے کے لئے آتے تھے۔ اور ان کی دعا کا بھی بہت جلد اثر ہوتا تھا۔ وہ کبھی اپنے طور پر دنیا داروں کے گھر بھی نہیں گئے بجز ایک دو بار کے۔ وہ بھی طلب کرنے پر نہایت کراہت کے ساتھ۔ اپنے گھر اور مسجد سے ان کا قدم جمعہ کی نماز کے سوا باہر نہیں نکلتا تھا۔ سب کے مرجع و مرکز تھے۔ وضع و لباس میں بھی وہ عام لوگوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ موٹے جھوٹے کپڑوں پر ہی قناعت کرتے تھے۔ جو کچھ نذر و نیاز آتی وہ خیرات کر دیتے تھے۔ ارادت کا تعلق تو کسی اور سے تھا۔ لیکن شیخ محمد غوث سے تربیت و ارشاد حاصل کیا تھا۔ اور آداب طریقت میں ان کے پیرو تھے، انہیں کے پاس سلوک کی تکمیل کی تھی، صوفیانہ مشرب سے بڑا ذوق اور مناسبت تھی۔ [1]

مشہور مورخ اور آپ کے معاصر خواجہ نظام الدین احمد بخشی لکھتے ہیں کہ میاں وجیہ الدین گجراتی پچاس سال جادۂ ارشاد و ہدایت پر متمکن رہے۔ فقر و فاقہ اور توکل میں زندگی بسر کی۔ ہر وقت درس دیا کرتے، علوم نقلی و عقلی سے بھی خوب آگاہ تھے، آپکی تصانیف نہایت عمدہ ہیں اور اکثر علمی کتابوں پر آپ نے

---

[1] منتخب التواریخ ج۳ ص۴۳

شروح وحواشی لکھے ہیں [۱] ملا عبدالباقی نہاوندی نے آپ سے استفادہ بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے اکثر متبحر علماء میاں صاحب موصوف سے شاگردی کا تعلق رکھتے ہیں۔

اس زمانہ کے فضلاء میں کوئی جامعیت میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتا مجاہدۂ نفس اور دنیاوی لذتوں سے کنارہ کشی میں کمال درجہ کوشش کی ہے۔ تزکیۂ نفس میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ میاں صاحب کے عمدہ احوال کی حد درجہ شہرت ان کے تفصیلی حالات بیان کرنے سے روکتی ہے۔ [۲]

جید عالم شیخ عبدالقادر عیدروسی لکھتے ہیں کہ!

"وہ اصحاب علم و زہد میں تھے۔ انہیں لوگوں میں بڑی مقبولیت اور ہردلعزیزی حاصل تھی۔ طلبہ نے آپ سے بہت سے فنون میں نفع اٹھایا اور اور اس کی بڑی شہرت ہے۔ [۳]

مشہور مؤرخ معتمد خاں لکھتے ہیں کہ!

"شیخ وجیہ الدین، شیخ محمد غوث کے خلفاء میں ہیں، لیکن ایسے خلیفہ کہ مرشد بھی ان کی خلافت پر ناز کرے، بہت کم ہوتے ہیں۔ شیخ وجیہ الدین ظاہری اور معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ تھے۔ [۴]

ملا صادق فرماتے ہیں!

"شیخ وجیہ الدین قدس سرہٗ علوی ہیں۔ اپنے زمانہ کے علماء کبار میں ہیں۔ صاحب تقوی اور بڑے محتاط شریعت کے راستہ پر مضبوطی سے قائم رہنے والے تھے ہمیشہ درس و افادہ میں مشغول رہتے" [۵]

معارج الولایۃ کے مصنف غلام معین الدین فرماتے ہیں!

---

[۱] طبقات اکبری ص ۴۷۳ ج ۲ [۲] مآثر رحیمی ج ۲ ص ۱ [۳] النور السافر ص ۳۵۶ [۴] اقبال نامہ جہانگیری ص ۱۰۸
[۵] طبقات شاہ جہانی ص ۳۱۲ حصہ اول۔

: شیخ وجیہ الدین علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور شیخ محمد غوث کے خلیفہ تھے مرید کسی اور سے تھے، نہایت مسن رسیدہ رات میں ریاضت و مجاہدہ کرتے اور دن کو طالب علموں کے پڑھانے میں مشغول رہتے : [۱]

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :

: جب شیخ محمد غوث گوالیاری صاحب جواہر خمسہ گجرات میں وارد ہوئے تو شیخ وجیہ الدین ان کے جمال میں گم ہو گئے۔ اور انہی کے زیر سایہ طریقت کی انتہا تک پہنچے۔ طلبہ ان کے افادات عالیہ سے مستفید ہوئے۔ اور مشرق و مغرب کو اپنے انوار و برکات سے معمور کر دیا۔ [۲]

خاتمہ مرات احمدی میں آپ کے مفصل حالات اس طرح مذکور ہیں کہ شیخ وجیہ الدین احمد علوی بن شیخ نصر اللہ علوی۔ آپ کی ذات میں صوری و معنوی تمام فضائل جمع ہو گئے تھے۔ سید وجیہ الدین احمد علوی رح کے فرزندان کا نسب شیخ محمد عریس ابن امام ہمام محمد الجواد تک پہنچاتے تھے۔ آپ کے اجداد میں سے سید بہاؤ الدین سلاطین گجرات کے زمانے میں عرب سے احمد آباد معروف بہ چانپانیر پہنچے اور وہاں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں آپ نے نکاح کیا اور آپ اہل و اولاد کے ساتھ وہاں متوطن ہوئے۔ سلطان وقت کی طرف سے ظاہری و باطنی ہر قسم کی رعایتیں میسر تھیں۔ اور انہوں نے سید بہاؤ الدین سے محمد آباد میں انتقال فرمایا۔ شیخ وجیہ الدین کی ولادت محمد آباد میں ۹۱۰ھ محرم کے مہینے میں ہوئی۔ چنانچہ لفظ شیخ سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ پانچ سال کی عمر سے

---

[۱] معارج الولایۃ ص۵۹۲ [۲] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص۴۲ بحوالہ المعارف فروری ص۱۲۴ ۱۹۸۲ء۔

لیکر تینتیس ۳۳ سال کی عمر تک آپ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اس کے بعد تا اخیر حیات احمد آباد میں درس و تدریس کے مشغلہ میں برابر مشغول رہے آپ کی تالیفات، رسائل اور اکثر درسی کتب پر آپ کے حواشی آپ کی یادگار ہیں۔ ایک خلقِ کثیر آپ کی درس و تدریس اور فیوض سے مستفیض ہوئے۔ باطنی اور روحانی حال کے کمال کو آپ پہنچے ہوئے تھے اور کسی بھی جگہ آپ کی آمد و رفت نہیں تھی۔ اگرچہ آپ شاہ قاذن شطاری کے مرید تھے جن کا مزار پٹن میں ہے۔ مگر ارشاد و تربیت شیخ محمد غوث سے پائی اور رانکی تربیت میں رہ کر سلوک کو اتمام تک پہنچایا۔ جب شیخ محمد غوث احمد آباد میں تشریف لائے تو شیخ علی متقی جو صاحب ظاہر و باطن تھے۔ آپ نے تمام علماء کے ساتھ مل کر شیخ محمد غوث کے قتل کا فتویٰ مرتب کیا سلطانِ وقت نے فتویٰ کو شیخ وجیہ الدین پر موقوف رکھا جب شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث کے گھر پہنچے تو پہلی ہی ملاقات میں انکے گرویدہ بن گئے اور فتویٰ کو پھاڑ دیا اور شیخ علی متقی سے فرمایا کہ آپ کی فہم شیخ کے کمالات تک نہیں پہنچی۔ اور فرمانے لگے کہ ظاہر شریعت میں ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا کہ شیخ علی متقی ہیں اور حقیقت میں ایسا کہ جیسا کہ ہمارے مرشد ہیں۔

شیخ محمد غوث اہلِ دعوت میں سے تھے اور اس کو کمال تک پہنچایا تھا۔ ۸۸ برس کی زندگی گذار کر جو "وجیہ دین" کی عدد سے نکلتی ہے ۹۹۸ھ محرم میں آپ نے انتقال فرمایا۔ تاریخ رحلت شیخ وجیہ دین سے مستفاد ہوتی ہے آپ کو قلعہ کے رخا پور میں جس جگہ آپ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے......
سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کے ایک ارادت مند صادق خاں نے مدرسہ تعمیر کیا اور شیخ حیدر نے مسجد تعمیر فرمائی۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاجزادگان

اور آپ کے بعد آپ کے اہل خاندان احمد آباد اور اس کے اطراف میں اور برہانپور میں سکونت پذیر رہے آپ کے خاندان کے مشائخ میں بھی علمی سلسلہ جاری رہا اور تدریس کی خدمات انہوں نے جاری رکھیں ۔ [1]

شیخ غوث اور شیخ وجیہ الدین

سلطان محمود نے قصبہ بھروچ کے کچھ گاؤں بطور مدد معاش حضرت غوث اور ان کے متعلقین کو عنایت فرمائے۔ اور کہا کہ آپ فی الحال اسی جگہ قیام فرمائیں ۔ بھروچ کے دورانِ قیام شیخ وجیہ الدین اور شیخ مبارک دانشمند حضرت غوث کی خدمت میں برابر آتے ۔ اور بعض دفعہ دو تین مہینے گذارتے ۔

شیخ وجیہ الدین کا شیخ غوث سے والہانہ تعلق

شاہ وجیہ الدین اگرچہ علم وفضل کے اعتبار سے اپنے مرشد سے بہت آگے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ حضرت گوالیاری کی ملاقات سے پہلے خدا کو نہیں جانتے تھے۔ انہیں ان کے مرشد ہی نے خدا تک پہنچایا ہے ۔ شاہ وجیہ الدین کے مشہور شاگرد "گلزار ابرار" کے مصنف شیخ محمد حسن غوثی لکھتے ہیں !

"شاہ صاحب نے ایک تقریب کا موقع نکال کر یہ ماجرا بیان کیا کہ جن مقدمات پر الٰہی حقائق کی دریافت اور کشف موقوف ہے ۔ ان مقدمات کی تحصیل کا شوق میرے دل میں بھی اس وقت پیدا ہوا جبکہ میں درس وتدریس میں مشغول تھا ۔ ناگاہ مشیت ایزدی جس کی ہر ایک مقدر شئے میں سو سو نکتے اور نیرنگیاں ہیں حضرت غوث کو گوالیار سے گجرات کی طرف کھینچ لائی ۔ بہ صورت مجھے حضرت غوث کی شرفِ

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صفحہ ۶۹ ۔

پا بوسی سے مشرف ہونے کا باعث ہوئی۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں صاحب ممدوح کی کیمیائی تربیت کے ذریعہ میرا اسلام تانبے سے کندن بن گیا۔ رسمی عقائد کی قید سے نکل کر حقیقی ایمان کی بہشت میں چہل قدمی کرنا نصیب ہوا۔ اور چند روز کے بعد خلافت کا خلعت پاکر سرفراز ہو گیا۔ اور پا لیا جو کچھ پاس نہ تھا اور جو کچھ پاس ہے پھر وہ نہ ملا۔

آنچہ حق بہر بندگان آراست　　　آرزو آنچناں نداند خواست

اسی طرح ایک اور مجلس میں شاہ وجیہ الدین نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت شاہ قاضن چشتی کو خواب میں دیکھا کہ کسی درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ آپ نے کہا کون ہے؟ میں نے کہا آپ کا مرید، فرمایا اس مرتبہ پر کیسے پہنچے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت محمد غوث سے ملاقات کی بدولت۔ فرمانے لگے شیخ محمد غوث تو ایسے ہی مردان خدا میں سے ہیں۔[1]

بادشاہ جہانگیر شیخ وجیہ الدین کی قبر کی زیارت کے لئے گئے اور وہ اپنی توزک میں لکھتے ہیں کہ ۲۷ رماہ دے ۱۰۲۶ھ/ ۱۶۱۷ء کو بدھ کے دن شیخ وجیہ الدین کی خانقاہ میں حاضر ہوا، جو میرے دولت خانہ کے نزدیک ہے ان کے مزار پر جو خانقاہ کے صحن میں واقع ہے فاتحہ پڑھی۔ یہ خانقاہ صادق خاں نے تعمیر کرائی ہے جو میرے والد کے عمدہ امیروں میں سے تھا۔

شیخ وجیہ الدین، شیخ محمد غوث کے خلفاء میں سے ہیں لیکن وہ ایسے خلیفہ ہیں جنکی خلافت پر خود مرشد کو فخر تھا۔ اور جنکی مریدی خود شیخ محمد غوث کی بزرگی

---

[1] المعارف فروری ۴۲ء صفحہ ۱۱۸۔

پر روشن دلیل ہے ، شیخ محمد غوث اور شیخ وجیہ الدین دونوں کے دونوں ظاہری فضائل اور معنوی کمالات سے آراستہ تھے ۔ آج سے تیس سال پہلے شیخ وجیہ الدین نے اسی شہر میں وفات پائی ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ عبداللہ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ان کی مسندِ رشد و ھدایت پر بیٹھے جو بڑے درویش اور صاحب ریاضت انسان تھے ۔ جب شیخ عبداللہ جنت کو سدھارے تو ان کے بیٹے شیخ اسداللہ ان کے جانشین ہوئے ۔ انہوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی ۔ ان کے بعد ان کے بھائی شیخ حیدر صاحب سجادہ ہوئے جو اَب تک زندہ ہیں اور اپنے باپ دادا کے مزار پر درویشوں کی خدمت اور ان کی خبرگیری میں مصروف ہیں اور صلاح و تقویٰ کا اثر ان کی پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے ۔ [۱]

شیخ وجیہ الدین کے مدرسہ کا فیض اور عمارتیں

علامہ شاہ وجیہ الدین متوفیٰ ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء کے عہد میں احمدآباد کے شاہی محل کے بالمقابل (جہاں آج پارسی کلب ہے) روضہ شاہ وجیہ الدین کے متصل یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا ، یہ درحقیقت اس زمانہ کی یونیورسٹی تھی جس سے گجرات ، خاندیس ، کاٹھیاواڑ اور دکن کے مدارس ملحق تھے ۔

اس مدرسہ میں منطق ، فلسفہ ، تصوف اور علوم دینی کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا ۔ اس کے ساتھ ایک دارالاقامہ بھی تھا ۔ جس کے شکستہ حجرے اب تک موجود ہیں ، جہانگیر کے عہد میں طلبہ کے لئے وظائف بھی مقرر تھے اور اس پر متعدد گاؤں

---

[۱] توزک جہانگیری صا۲۴۲ ۔

اوقف تھے۔

۹۵۰ھ سے ۹۹۸ھ تک شاہ صاحب اس کو خود چلاتے رہے پھر ان کے لڑکے اور پوتے چلاتے رہے۔ گیارہویں صدی کے آخر تک یہ پورے عروج پر تھا مدرسہ ؛ ہدایت بخش ، قائم ہوا تو اس پر زوال آگیا۔ [1]

وجیہ الدین علوی گجراتی کی تصانیف باعتبارِ فنون۔

تفسیر :- حاشیہ علی تفسیر البیضاوی۔ آصفیہ چہارم ، ۲۱۰۔ [2]

تصوّف اور اخلاقیات :- الحقیقۃ المحمدیہ ، انڈیا آفس ، ۱۳۸۱ [3]

علوم فقہ و اصول فقہ :- حاشیہ علی شرح الوقایہ۔ بوہار ، ۱۴۴ ، رام پور ، ۱۸۶۔ حاشیہ علی التلویح۔ ندوہ ، ۱۲ / ۷۔ حاشیہ علی اصول البزدوی۔ تذکرہ ، ۲۵۰۔ حاشیہ علی الشرح العضدی علی المختصر لابن الحاجب [4]

علم اللسان :- حاشیہ علی شرح الجامی۔ بوہار ، ۳۸۷ ، آصفیہ ، ۴۵۵ ، محمود شاہ ، ۲/۳۲۔ رام پور ، ۵۲۵۔ مجموعہ حسین ، ۴۰۸۔ بنگال۔ ۳۱۰۔ دہلی ، ۱۰۷۱ ، آصفیہ ، ۱/۱۴۴۔ ندوہ ۴۶۸۔

شرح ارشاد النحو۔ بوہار ، ۴۷۶۔ رام پور ، ۵۲۹۔

حاشیہ علی المطول۔ تذکرہ ، ۲۸۰۔ حاشیہ علی مختصر المعانی [5]

علمُ الحساب :- حاشیہ علی شرح الجغمینی [6]۔ تذکرہ ، ۲۵۰۔ [7] عربی ادبیات ص ۲۴۸

علم الکلام والعقائد :- الحاشیہ علی التجرید۔ تذکرہ ، ۲۵۰۔ الحاشیہ

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۱۹۹۔ [2] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۶۴ [3] ایضاً ص ۳۲۲ [4] ایضاً ص ۳۰۱ [5] ایضاً ص [6] الجغمینی سے مراد الملخص فی الہیئۃ البسیط از محمود بن احمد جغمینی ہے شرح الجغمینی اس کی شرح ہے جو موسیٰ بن محمود نے لکھی ہے اور قاضی زادہ الرومی کے نام سے معروف ہیں [7] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۴۸

علی شرح العقائد للتفتازانی [1] ۔ الحاشیہ علی الحاشیہ القدیمہ [2]
ایضاً ۳۳۸ ۔

علوم حدیث:۔ شرح شرح نخبۃ الفکر۔رام پور ۱۲۷۱ھ ۔ ایضاً ۲۹۲ ۔

ولی احمد آبادی آپکی شان میں فرماتے ہیں!

اے تو مقبول سرور عالم
وے تو فہرست دفتر عالم

جلوہ گر تو ہے آفتاب یقین
تجھ سوں روشن ہے پیکر عالم

علم ظاہر و علم باطن سوں!
تو ہے عالم میں رہبر عالم

دل عرفاں سرشت ہے تیرا
مظہر خلق و مظہر عالم!

ہے زمیں پر یہ آستان شریف
مرجع خلق و منظر عالم

نام تیرا ہے ورد صاحب ورد
ذات تیری ہے مفخر عالم

دستگیری ہے تیری ظاہر نت
جب کہ برپا ہو محشر عالم

[1] ایضاً [2] ایضاً ۳۳۸ [3] ایضاً ۲۹۲

ہے ترے نام پر سدا قرباں
روز و شب سال و مہ سرِ عالم

تجھ اپر جیوں سرج ہویدا ہے
مطلب جملہ مضمر عالم!

اس زمانے میں حق نے تجھ کوں کیا
مہتر خلق و بہتر عالم

اے امام جمیع اہلِ یقین!
قبلۂ راستاں وجیہ الدین

اے شہ بحر و بر ہے تجھ سرپر
آسماں چتر و آفتاب افسر

تو ہے مقبول حق کی درگہ کا!
روح تیری کوں عرش پر ہے گذر

کاں فلک کے ملائکہ دیکھیں
تجھ سری کا دیجا مہ انور

آسماں سوں اُتر کے آتے ہیں
تیری مجلس میں نقل ہو اختر

ہے سزاوار انجمن میں تیری
زہرہ آوے اگر ہو خنیا گر!

دو جہاں میں مرا ہے مقصد یہ
کہ کرو مجھ پہ یک کرم کی نظر

اے امام جمیع اہلِ یقین!
قبلۂ راستاں وجیہ الدین۔

ولی اپنے دیوان میں ایک دوسری جگہ آپکی شان میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

ہوا ہے خلق اپر پھر کے فضل سبحانی :
کیا ہے ابر نے رحمت سوں گوہر افشانی

یہ آب صاف میں گوہر کوں دیکھ خجلت سوں
صدف کی بیت میں گل کو ہوا ہے جیوں پانی

تمام پات پہ تسبیح بجمدہ، کے بحکم
زباں حال سوں کرتے ہیں ذکر سبحانی

قطار قطرۂ شبنم سوں آج سبزۂ خضر
لے سبحہ ہاتھ میں کرتا ہے ادعیہ خوانی

ہر اک طرف جو ہوئی بسکہ ریزش باراں
کیا ہے آج تفرج نے جوش طوفانی :

اس آب روح فزا کے کمال لطف کوں دیکھ
چھپا ہے پردۂ ظلمت میں آب حیوانی :

ہوئی ہے غنچہ نمن جگ کوں بسکہ جمعیت
عجب ہے اب رہے سنبل منیں پریشانی

ہر ایک قطرۂ شبنم ہے غیرت گوہر
ہر ایک پات یہ برسا جو ابر نیسانی

شیخ برھان الدّین علوی

علامہ وجیہ الدّین کے بھائی

آپ شیخ وجیہ الدین احمد آبادی کے بھائی ہیں۔ گجرات سے برہانپور آکر متوطن ہوگئے تھے۔ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا، نیز دوسروں کی منفعت کو اپنی مصلحت پر مقدم رکھنا آپ کی طبیعت تھی۔ کسی شئ کے ساتھ دل بستگی آپ کے نہ افعال سے ظاہر تھی نہ اقوال سے۔ اس طریقہ سے زندگی بسر کردی۔ ابدی خوابگاہ برہانپور ہے۔ [۱]

استاذ العلماء قاضی علی بن اسد اللہ

علامہ وجیہ الدین علوی کے پڑپوتے

(وفات ۵/ذیقعدہ ۱۰۷۰ھ/۱۲/جولائی ۱۶۶۰ء)

علامہ قاضی علی بن اسد اللہ بن عبداللہ بن وجیہ الدین علوی بیجاپوری۔ جو علی محمد سے مشہور رہیں۔ آپ کا لقب استاذ الاولیاء تھا۔ آپ کا مولد و منشاء گجرات ہے یہیں سے آپ نے علم حاصل کیا۔ پھر آپ اپنے بڑے بھائی میران بن اسد اللہ کے ساتھ بیجاپور منتقل ہوگئے۔ اور ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری کے دور میں وہاں کی قضا آپ کے سپرد ہوئی۔ وہاں آپ نے عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا، جس مدرسہ کے بعض مشہور تلامذہ یہ ہیں۔

شیخ ابوتراب، سید محمد، قاضی برہان، قاضی ابراہیم زبیری، ابراہیم بن

---

[۱] گلزار ابرار صفحہ ۴۵۴۔

عبدالصمد بیجاپوری۔

آپ نے بیجاپور میں ۵ ذیقعدہ، ۱۰۷۰ھ/ ۱۲ جولائی ۱۶۶۰ء کو وفات پائی اور بیجاپور میں دفن ہوئے۔ [1]

میر سید صبغۃ اللہ بھروچی شطاری

(وفات ۱۰۱۵ھ —— ۱۶۰۶ء)

علامہ وجیہ الدین احمد آبادی کے خصوصی شاگرد ہیں اور ان کے خلیفہ بھی ہیں چند سال تک مرشد کی اجازت سے اپنے وطن میں رہ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہدایت اور علوم کی تعلیم میں مشغول رہے۔ حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا۔ وہاں حاضری دی اور زیارت سے فراغت پر آب و دانہ کی کشش، صلہ رحم کی رعایت، وطن اور فرزندوں کی محبت اور خدمت دین کا جذبہ آپ کو واپس لایا تو آپ اس پر ہمیشہ دل ہی دل میں رو یا کرتے تھے۔ ؎

کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جاں کنم

اتفاقاً ۹۹۹ھ میں اپنے وطن سے تمام چیزوں کو اور تمام لوگوں کو خیرباد کہہ کر بے اختیار تن تنہا حسبِ مشیت ایزدی ملک مالوہ میں چلے آئے۔ اسی اثنا میں پھر مدینہ مصطفویہ کی زمین بوسی کا شوق دامنگیر ہوا۔ ۱۰۰۰ھ میں خاندیس کے راستے سے احمد نگر دکن پہنچے۔ اس ملک کے فرماں روا برہان الملک نے عرض کیا تو کچھ کم ایک سال تک یہاں پر ٹھہرے۔ ان دنوں صاحب گلزار ابرار بھی وہیں تھے۔ خوب ملاقات رہی وہ لکھتے ہیں:

---

[1] روضۃ الاولیاء، نزھۃ الخواطر ص۲۶۱۔

راقم ان ایام میں اس مقام پر فقرار، اور فضلار کی خدمت سے فیض حاصل کر رہا تھا۔ نیز شعرا اور ظرفار کی صحبت میں بھی شامل نشاط و طرب ہوا کرتا تھا۔ آپ کے تشریف لانے اور درویش کے موجود ہونے سے دونوں کو غریبی کے اندوہ سے نجات ملی۔

چند روزے کہ غنمت مونس جاں بود مرا   خاطر جمع و دل شاد بہاں بود مرا

دوسرے سال یہاں سے روانہ ہو کر بیجا پور پہنچے تو یہاں کے حاکم نے نہایت تواضع کے ساتھ کچھ مدت تک ٹھہرایا۔ پھر سفر مبارک کا سامان کر دیا اور جہاز خاصہ پیش کیا جب مشتاق آنکھیں مدینۃ الحرام کے دیدار سے منور ہوئیں تو آپ نے بقیۃ العمر یہیں رہنے کی نیت کر کے اسی نبوت کی شہر میں گھر اور خانقاہ بنالی۔ ہر چند کہ سلطانِ روم کی جانب سے نامہ و پیام آیا اور منت و معذرت کی گئی مگر آپ نے (معاش کی وجہ معین) قبول نہ فرمائی اور بقیۃ العمر توکل اور تسلیم میں گزار دی۔

غوثی نے نقل کیا ہے کہ کہتے ہیں کہ ایک رات خاتم الانبیار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدام حرم کو اجازت فرمائی کہ سید صبغۃ اللہ ہمارا فرزند ارجمند ہے۔ عرب اور عجم کے دیگر تمام زائروں کی طرح سمجھکر اسے ہمارے حرم سے باہر نہ کرنا چھوڑ دینا کہ شب جمعہ کو ہماری خدمت میں رہ کر صلوٰۃ و صلوات صبح کی سفیدی نمودار ہونے تک ادا کرتا رہے۔ یہ بھی ہم نے اجازت دی ہے کہ اپنے یاروں میں سے جس کو چاہے اپنے ہمراہ حرم شریف میں رکھے۔ آج تک کسی فرد بشر کو ایسی خاص عنایت کا خلعت عطا فرما کر سرفراز نہیں فرمایا گیا۔

آپ کے کمالات، حالات، اور خرقِ عادات احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء کے کسی مہینے میں مدینہ منورہ کی زمین امین کے اندر دفن کئے گئے۔[1] رحمہ اللہ تعالیٰ

---

[1] گلزار ابرار ص ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸۔

آپ کی تصانیف فن تصوف اور اخلاقیات میں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تعریب الجواہر الخمسۃ لمحمد خطیر الدین، المعروف بہ غوث گوالیاری۔ لوکھؤ، ۲-۱۷۶۔ پیرس ۱۱۹۷۔ قاہرہ ۲۵/۱۳ برلن، ۷۔ رام پور ۳۲۴۔ بنگال ورق ۷۔

(۲) کتاب الوحدۃ۔ مآثر مجی وغیرہ

(۳) اراۃ الدقائق فی شرح مراۃ الحقائق۔ ایضاً۔

(۴) بالا بیسع للمرید ترکہ کل یوم من سنن القوم، ابجد ۸۹۸۔

محمد بن عبد الرحمٰن بیجاپوری

(م ۲۴ / شوال ۱۰۸۴ھ)

علامہ محمد بن عبد الرحمٰن بن روح اللہ حسینی گجراتی ثم بیجاپوری۔ آپ ان علماء میں سے تھے جن کو تدریس پر بڑی زبردست قدرت حاصل تھی۔ آپ کی ولادت بیجاپور میں ۲۶ رجادی الاولیٰ ۱۰۱۵ھ کو ہوئی۔ جس دن آپ کے چچا صبغۃ اللہ بن روح اللہ بھروچی کا انتقال ہوا۔

قاضی علی محمد بن اسداللہ گجراتی ثم بیجاپوری سے آپ نے علم حاصل کیا۔ طویل مدت اُنکی صحبت میں رہے، یہاں تک کہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ پھر حجاز کا سفر کیا، حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ اور طریقت کی تعلیم شیخ عبد العظیم محمد حنفی مکی سے حاصل کی۔ ہندوستان واپس لوٹے تیئس[۲] سال تک بیجاپور میں درس دیتے رہے۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ محمد زبیری بھی ہیں۔ اور آپ کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہوا۔

[۱] عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ ص ۲۲۳

پھر اخیر عمر میں حجاز چلے گئے ۔ ۱۰۸۴ھ ۲۴ر شوال کو مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا ۔ اور آپ کے چچا صبغۃ اللہ کے پاس آپ کو دفن کیا گیا ۔ [1]

شیخ وجیہ الدین علوی کے خلیفہ

شیخ کمال محمد عباسی

(۱۲ر شعبان ۱۰۱۳ھ / یکم جنوری ۱۶۰۵ء)

آپ کی ولادت احمد آباد گجرات میں ہوئی شیخ وجیہہ الدین احمد علوی کے شاگرد اور خلیفہ ہیں ۔ عالم، عارف، عابد، حافظ، محدث تھے ۔ حدیث کی سند شیخ عبد الملک بنانی سے حاصل کی تھی ۔ ۹۸۲ھ میں وطن سے خاندیس کے راستہ اجین مالوہ میں آئے تھے ۔ یہیں گھر تجویز کر لیا ۔ اور شیخ اولیاء کالپوری کی صاحبزادی سے نکاح ہوا فتویٰ نویسی کا منصب ملا کامل ۳۰ رسال اس مقام پر شرعی اور حکمی علوم کا درس دیا رات دن کی تقسیم آپنے اس طرح پر کر رکھی تھی کہ رات کا ایک ثلث حصہ باقی رہتا تھا تو آپ اٹھکر غسل کرتے اور نماز تہجد کے اندر کبھی چھ اور کبھی سات پارے قرآن کے پڑھتے تھے یہاں تک کہ سفیدی نمودار ہو جاتی تھی ۔ پھر دعاؤں اور ذکر جہر سے فارغ ہو کر نمازِ صبح ادا کرتے تھے ۔ پھر اشراق تک تلاوت کرتے اشراق پڑھنے کے بعد سے زوال تک برابر درس دیتے رہتے تھے ۔ پھر اہل سبق کیساتھ کھانا کھاتے ۔ پھر ایک گھڑی کے انداز سے قیلولہ کرکے نماز ظہر کے لئے اُٹھ جاتے ۔ نماز ظہر کے بعد نماز عصر تک لوگوں کی مشکلات، فتویٰ نویسی سے حل کیا کرتے تھے ۔ پھر شام کے وقت درویش دوستوں کے ساتھ راز تصوف اور تحقیق کی باتیں کرتے رہتے ۔ نماز عشاء پڑھکر گھر کے اندر چلے جاتے ۔ شب کے پہلے ثلث میں آئندہ روز کے

---

[1] روضۃ الاولیاء ۔ نزہۃ الخواطر ص ۳۵ ج ۵ ص ۵۶۵ ۔

سبقوں کے مطالعہ میں مشغول و منہمک رہتے تھے۔ اور شب کے درمیانی ثلث میں سے کچھ حصہ تو خانہ نشینوں کے ساتھ اور کچھ حصہ سونے میں صرف کرتے۔ گیارہ سال کے آغاز سے چون سال تک اسی طریقہ پر زمانہ گذرا۔

سنہ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں شعبان کی بارہ کو دوشنبہ کی شب میں ہر شب کے معمول کے مطابق جس قدر طاقت میں گنجائش تھی معینہ معتاد میں مشغول رہے۔ اور شب کے اخیر حصہ میں ناسوتی مجلس سے منہ پھیر کر ملاء اعلیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ خوابگاہ اسی دالان میں ہے جس میں درس دیا کرتے تھے۔ [1]

نوٹ:۔ اس زمانہ کی تقسیم اوقات کے لحاظ سے ایک گھڑی چوبیس منٹ کی ہوتی تھی اور ڈھائی گھڑی کا ایک گھنٹہ۔ اس لحاظ سے غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ چھتیس منٹ قبل کا وقت ہوا۔ صـ ۱۸۲ توزک جہانگیری (م ۱۰ شوال ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۴ء)

شیخ ابوتراب لاہوری

(م ۱۰ شوال ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۴ء)

شیخ ابوتراب بن نجیب الدین بن شمس الدین بن اسد الدین ابن زین العابدین حسینی شیرازی ثم لاہوری۔ علوم منطق و حکمۃ میں آپ ممتاز تھے۔ آپ ہندوستان پہنچے اور شیخ وجیہ الدین علوی سے آپ نے طریقت میں استفادہ کیا پھر لاہور واپس تشریف لائے اور وہاں آپ نے اقامت فرمائی وہاں شیخ محمد افضل لاہوری وغیرہ علماء نے آپ سے استفادہ کیا، ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۴ء میں لاہور میں آپ نے انتقال فرمایا اور

---

[1] تذکرہ قاریان ھند جلد دوم صـ ۱۵۱۔ گلزار ابرار صـ ۲۶۴۔ نزھۃ الخواطر عربی ج ۵ صـ ۳۲

وہیں آپ کو دفن کیا گیا [1]

گلزار صوفیا رہیں آپ کے مفصل حالات اس طرح ہیں کہ !

حضرت سید ابوتراب باباشاہ گدا کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا اصلی وطن شیراز تھا اور آپ کا سلسلۂ نسب سادات حسینیہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام سید نجیب الدین تھا۔ شیخ ابوتراب کی جائے پیدائش بھی شیراز ہے۔

شجرۂ نسب سید ابوتراب بن سید نجیب الدین بن سید شمس الدین بن اسد الدین بن زین الدین المشہور بہ زین العابدین بن یونس بن عبدالوہاب بن عبدالہادی بن ابوالبرکات بن انور علی بن عبداللطیف بن محمد شریف بن ابوالمظفر بن عبدالباقی بن ابوالحسن بن عبدالعزیز شیرازی بن سید عبداللہ بن محمد امین بن قدرت اللہ بن سید موسیٰ بن مسعود بن صادق بن احمد بن سید باقر بن حسن بن زید بن جعفر بن محمود بن ہارون بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق رحمہم اللہ تعالیٰ۔

شیخ وجیہ الدین کی بیعت آپ نے ابتدائی علوم اپنے وطن میں حاصل کیے۔ والدین کی تربیت کے زیر اثر تلاش حق کی تڑپ پیدا ہوئی اپنے وطن سے نکلے۔ مختلف علاقوں میں پھرتے رہے، آخرکار آپ شیخ وجیہ الدین کی شہرت سن کر گجرات (احمدآباد، ہندوستان) تشریف لے گئے وہاں ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ، نزہۃ الخواطر جـ۵ صـ۱۴ ۔

خرقۂ خلافت آپ پیر و مرشد کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے۔ آپ نے سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے مجاہدہ اور ریاضت کی تکمیلِ روحانیت پر آپ کے پیر و مرشد نے سلسلہ قادریہ اور شطاریہ میں آپکو خلافت سے سرفراز کیا۔

شیخ وجیہ الدین آپ کے پیر و مرشد متاخرین مشائخ میں عظیم المرتبت تھے۔ آپ کا تعلق کئی سلسلوں سے تھا لیکن شطاری سلسلے میں آپ کو شہرت ہوئی۔ آپ اسی سلسلے میں غوث گوالیاری کے مرید اور خلیفہ تھے۔

شاہ گدا کا شجرۂ طریقت آپ کو شیخ وجیہ الدین سے دو سلسلوں، یعنی قادریہ اور شطاریہ سے فیض حاصل ہوا تھا۔ اسی لئے آپ کو قادری شطاری کہا جاتا ہے۔ آپ کے دونوں شجرے حسب ذیل ہیں۔

شجرۂ قادری سید ابوتراب، شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے مرید۔ یہ سید محمد غوث گوالیاری کے یہ شیخ طیفور حاجی کے یہ شیخ ابو الفتح المخاطب کے یہ شیخ ہدایت اللہ سرمست کے یہ شیخ عبدالوہاب کے یہ مرید شیخ عبدالرؤف کے یہ شیخ محمود کے یہ شیخ عبدالغفار کے یہ شیخ محمد کے یہ شیخ عبدالرحیم کے یہ سید ابوبکر تاج الدین کے اور یہ مرید اپنے والد ماجد حضرت غوث الاعظم قطب العالم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کے۔

شجرۂ شطاریہ سید ابو تراب مرید شیخ وجیہہ الدین گجراتی یہ مرید سید محمد غوث گوالیاری۔ یہ مرید شاہ حمید، یہ مرید شاہ قاذن یہ مرید شیخ عبداللہ شطاری کے۔

لاہور میں مسکن آپ نے کافی عرصہ گجرات میں گزارا۔ لیکن جب آپکے مرشد اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے تو آپ بھی گجرات کو خیرآباد

کہہ کر لاہور چلے آئے۔ اور پھر آخری دم تک یہاں رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بعہد ہمایوں لاہور میں تشریف لے آئے۔

خلفاء سید ابوتراب: اوّل قاضی محمد لاہوری جو آپ کے مزار میں آسودہ ہیں۔ دوم شیخ فاضل مدفون دہلی۔ سوم شاہ جمال مدفون رہتاس۔ چہارم لعل گدا۔ پنجم احمد گدا۔ اور ششم شہباز گدا یہ تینوں حضرات لاہور میں آپ کے حریم مزار میں آسودہ ہیں

وفات:۔ حضرت ابوتراب کی وفات ۱۴ر شوال ۱۰۷۱ھ بمطابق ۱۱ر جون ۱۶۶۴ء کو عہد عالمگیر میں ہوئی۔ حدیقۃ الاولیاء میں نام سید عبدالقادر المشہور شاہ گدا لکھا ہے۔

تاریخ رحلت

شہ گدا سید ولی متقی! بندۂ حق خاک پائے بوتراب

سوختہ، گو سال ترحیلش دگر شہ ولی سید گدائے بوتراب
۱۰۷۱ھ

آپ کا مزار گڑھی شاہو میں ریلوے کالونی میں ہے۔ ۱۰۷۱ھ [1]

---

[1] گلزار صوفیاء، ص ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴۔

شیخ مبارک صدیقی شطاری

(متوفی سنہ ۱۰۱۰ھ/ سنہ ۱۶۰۱ء)

شیخ مبارک، شیخ جلال لوہانگی کے مرید تھے۔ خرقۂ خلافت شیخ عبدالملک شطاری سارنگ پوری مالوی سے حاصل ہوا تھا۔ شیخ عبدالملک علامہ وجیہہ الدین احمد آبادی کے خلیفہ ہیں۔

شیخ مبارک سنہ ۹۸۱ھ میں منڈو آئے۔ یہاں تیس سال رہ کر ریاضت و عبادت کرتے رہے اور توکل کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپ کی شانِ استغنا بہت مستحکم تھی کسی اہل حکومت سے کچھ بھی قبول نہ کیا۔ سنہ ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء میں رحلت فرمائی خوابگاہ منڈو میں ہے۔[1]

شیخ محمد رضا لاہوری

(م ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۸ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۷۰۶ء)

شیخ محمد رضا حنفی قادری شطاری لاہوری مشہور مشائخ میں سے ہیں جنہوں نے افتاء تدریس اور طریقت کی اشاعت اور تبلیغ میں اپنی عمر صرف کر دی۔ آپ کے زمانے میں پنجاب میں مشائخ و علماء میں سے کوئی ایسا نہیں تھا کہ جن کو آپ کی طرح سے عوام میں شرف قبول اس قدر عطا کیا گیا ہو۔ اور جن کے تلامذہ اور مسترشدین اس قدر ہوں آپ کا روحانی سلسلہ شیخ وجیہہ الدین علوی تک اس طرح پہنچتا ہے۔

کہ آپ نے طریقت حاصل کی۔ شیخ محمد فاضل لاہوری سے انہوں نے شیخ الہ داد اکبر آبادی سے، انہوں نے شیخ محمد جلال سے، انہوں نے سید نور سے، انہوں نے شیخ زین العابدین سے، انہوں نے شیخ عبدالغفور سے، انہوں نے شیخ وجیہہ الدین علوی سے۔

---

[1] گلزار ابرار ص ۴۶۲۔

آپ کا انتقال ۱۲ر جمادی الاولی ۱۱۱۸ھ/ ۲۰ر اگست ۱۷۰۶ء کو لاہور میں ہوا۔ [1]

شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری

(وفات ۲ر رمضان ۱۰۲۹ھ/ ۱۰۲۹ھ/ ۱۶۲۰ء)

شاہ محمد بن خواجہ فضل اللہ بن خواجہ صدرالدین بن خواجہ حسین جونپوری ثم برہانپوری آپ کا نسب نامہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ سے ملتا ہے۔ آپ کے اجداد جونپور کے تھے اور پھر گجرات کی طرف ہجرت کر کے آگئے۔

آپ کے والد شاہ فضل اللہ برہانپوری (متوفی ۱۵۹۶ء/ ۱۰۰۵ھ)۔ اپنے زمانے کے مشہور صوفی اور عالم تھے۔ بلکہ نائب رسول اللہ کہلاتے تھے، شاہجہاں کہا کرتے تھے کہ میں اگرچہ کئی بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن کامل شیخ فقط دو دیکھے ہیں۔ میاں میر لاہوری اور شیخ المشائخ فضل اللہ۔

شاہ صاحب کا وطن جونپور تھا لیکن برہانپور میں مقیم ہو گئے۔ اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ فقط تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے۔ اور صوفیانہ ارشاد و ہدایت سے باطنی رہنمائی اور تزکیہ نفس کا اہتمام کرتے۔

شیخ محمد بن فضل اللہ احمد آباد میں ۱۵۴۵ء/ ۹۵۱ھ کے قریب پیدا ہوئے اور گجرات ہی میں نشوونما پائی۔ چھوٹے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ یتیم ہو گئے، نوجوانی میں حضرت شیخ صفی الدین گجراتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ اجازت پایا پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اور بارہ سال تک شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے۔ اور ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا۔ اور پھر گجرات واپس لوٹے اور احمد آباد میں قیام کیا۔ اور وہاں ہی آپ کی شادی ہوئی

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، نزھۃ الخواطر ۵ ص ۴۷۵ ج ۵ ص ۳۰۵۔

اور شیخ وجیہ الدین کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور بارہ سال آپ کی صحبت میں رہ کر علوم و فنون میں مہارت پیدا کی۔ پھر شیخ خان جونپوری کی خدمت میں گجرات چلے گئے۔ شیخ خان نے آپ کے والد ماجد کی زبان سے سنا تھا کہ ہمارا بیٹا قطب وقت ہوگا۔ آپ نے سلوک کی منزلیں شیخ ابو محمد بن خضر تمیمی کی صحبت میں حاصل کیں۔ شیخ ابو محمد آپ کے والد شیخ فضل اللہ کے مرید تھے اور اور قلعہ میسر میں رہتے تھے۔ آپنے شیخ وجیہ الدین اور شیخ ماہ کو لکھا کہ آپ کا شہباز ابھی پرواز نہیں کرتا انہوں نے جواب میں لکھا کہ اسکی پرواز آپکے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ شیخ محمد کو میسر بھیج دیا گیا وہاں جاکر وہ روحانی نعمتیں حاصل کیں جو آپکے والد بزرگوار نے شیخ خضر تمیمی کے سپرد کی تھیں۔ وہاں سے واپس آکر برہانپور میں توطن اختیار کرکے مدرسہ اور مسند ارشاد و ہدایت کو زینت بخشی۔ اور ظاہری اور باطنی علم کا سلسلہ جاری کیا۔ اور چشتیوں کے مشہور بزرگوں میں شمار ہونے لگے۔

آپ نے "شیخو پورہ" کے نام سے ایک محلہ آباد کیا جس میں حفاظ کے تین سو گھر تھے۔ حضرت کا یہ محیرالعقول فیض تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپکے زمانے میں شیخو پورہ میں قرآن خوانی کے سوا صبح کے وقت کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ آپ کے پاس جتنے ہدایا آتے ان کے تین حصے فرماتے۔ ایک حصہ بیوی بچوں کیلئے ہوتا۔ اور ایک درویشوں مسکینوں اور طلبہ پر صرف فرماتے۔ اور ایک حصہ سارا جمع کرکے مدینہ منورہ بھیج دیتے۔ آپ سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کی صبح و شام سنتِ نبوی اور شریعت محمدی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے مطابق گذرتی تھی۔

بالآخر آپ نے درس و تدریس چھوڑ کر یادِ خدا اور خلق کی روحانی رہنمائی کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا۔ تصنیف و تالیف میں بھی آپ کا مقام

بلند تھا۔ وحدۃ الوجود کے زبردست حامی تھے۔ اسی مسئلہ پر آپ کا رسالہ: التحفۃ المرسلہ[1] الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مشہور ہے۔

التحفۃ المرسلۃ الی النبیؐ

اس کتاب کے مصنف محمد بن فضل اللہ ہیں۔ (۱۰۲۹ھ - ۱۶۲۰ء) جو ایک صوفی اور عالم وجیہ الدین گجراتی کے مرید تھے۔ اس کا تعلق مسئلہ وحدت الوجود سے ہے مصنف کا نظریہ ہے کہ صرف خدا ہی ایک وجود ہے اور یہ وجود اگرچہ واحد ہے مگر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ وجود تمام موجودات کی اصل وحقیقت ہے اور اس اعتبار سے یہ وجود نہ تو کسی پر منکشف کیا جا سکتا ہے اور نہ ذہن اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔

اس وجود کے مندرجہ ذیل سات مدارج ہیں۔

پہلا درجہ وجود مطلق۔ وجود بے قید و بے صفات یہ درجہ احدیت کہا جاتا ہے اور حقیقت حقہ ہے۔ دوسرا درجہ پہلی تقیید کا ہے جس کا مقصد و مفہوم اس وجود کی ذات اور اس کی صفات اور مستقبل کی تمام مخلوقات کا اجمالی عرفان ہے یہ درجہ الوحدت کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت محمدی ہے۔

تیسرا درجہ دوسری تقیید کا ہے۔ جس کا مقصد و مفہوم اس وجود کی ذات اور اس کی صفات اور کائنات کا مفصل علم ہے۔ یہ درجہ واحدیت کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت انسانی ہے۔ اور یہ تینوں درجات ابدی قرار دیئے گئے ہیں۔

چوتھا درجہ ارواح کا ہے یعنی مجرد اور مفرد اشیاء۔ پانچواں درجہ عالم المثال ہے یعنی مرکب اشیاء مگر اتنی لطیف کہ تقسیم نہیں کی جا سکتیں۔ چھٹا درجہ عالم الامثال ہے یعنی مرکب اشیاء جو مادی اور اس لئے قابل تقسیم ہیں۔ ساتواں درجہ مذکورہ بالا تمام مدارج کا خلاصہ ہے۔ یہ آخری تقسیم ہے اور اس

---

[1] کہاں وجود ہے: برلن، ۲۰۴۰، ریو، ۱۲/۲۴۵۔ انڈیا آفس، ۱۳۸۳۔ رام پور، ۲۳۲۔ بنگال ۲/۵۵ - آصفیہ ۳۶۲/۱۔ اسٹوریٹ ص۲۴

کو انسان سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

پہلے تین مدارج کے نام ایک ہی مصدر واحد کے مشتقات ہیں ۔ جس کے معنی ہیں "ایک" لسانی اعتبار سے ان تینوں لفظوں کے معنی میں فرق نہیں ۔ مگر مصنف نے اپنا مطلب بیان کرنے کے لئے ان کو اس طرح استعمال کیا ہے گویا ان کے معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے ۔ یہی صورت پانچویں اور چھٹے مدارج یعنی عالم المثال اور عالم الامثال کے معنوں کی ہے ۔

مصنف نے لکھا ہے کہ یہ وجود یعنی خالق نہ مخلوقات سے متصل ہے نہ منفصل ہے نہ ان میں شامل ہے ۔ ورنہ اس کا نتیجہ کثرت وجود ہوگا ۔ مزید یہ کہ کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے عرض ہے اور جوہر صرف وجود (خالق) ہے ۔ یہ نظریہ کہ خدا جوہر ہے اشعریوں کے اس عام نظریہ کے خلاف ہے کہ خدا نہ جوہر ہے نہ عرض ہے ۔

اس کے بعد مصنف نے ان لوگوں کے تین طبقے قرار دیئے ہیں جو نظریۂ وحدت الوجود کے قائل ہیں ۔ ایک طبقہ وہ ہے جو یہ یقین رکھتا ہے کہ خالق تمام مخلوقات کی حقیقت ہے ۔ مگر مخلوقات میں خالق کو نہیں دیکھتا ہے ۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو مخلوقات میں خالق کو دیکھتا ہے مگر خالق میں مخلوقات کو نہیں دیکھتا ۔ اور تیسرا طبقہ وہ ہے جو خالق میں مخلوقات کو اور مخلوقات میں خالق کو دیکھتا ہے ۔ اس تیسرے طبقہ میں مصنف نے انبیاء اور اقطاب کو شامل کیا ہے ۔

آخر میں مصنف نے نظریۂ وحدت الوجود کی تائید میں قرآن اور حدیث کے حوالے دیئے ہیں ۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں ۔ ان سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں مصنف نے قرآن اور حدیث سے کس قسم کی تائید اخذ کی ہے ۔

(الف) قرآنی آیات:-

۱۔ للّٰہ المشرق والمغرب
مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔

۲۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ ط
پس تم جدھر رخ کروگے وہیں اللہ کی ذات موجود ہوگی۔

۳۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید
ہم انسان سے اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

۴۔ وھو معکم اینما کنتم
تم جہاں بھی ہوگے وہ تمہارے ساتھ ہوگا۔

۵۔ ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن
وہ اول بھی ہے آخر بھی اور ظاہر بھی اور باطن بھی۔

(ب) حدیث:-

۱۔ ان احدکم اذا قام الی الصلوٰۃ فانما یناجی ربہ فان ربہ بینہ وبین قبلتہ
تم میں کا کوئی آدمی جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے کیونکہ اس کا رب اس کے اور اس کے دل کے درمیان ہوتا ہے۔

۲۔ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ۔
میرا بندہ نوافل کے ذریعے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تا آنکہ میں اسے پسند کرنے لگتا ہوں اور میں اسے پسند کرلیتا ہوں تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھیں بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔

ایسے مستند حوالوں کی بناپر یہ نظریہ مشکوک معلوم ہونے لگتا ہے کہ وحدت الوجود کا تصور اسلام میں بیرونی اثرات کے تحت داخل ہوا۔ اور بخوبی یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر اسلام

پر بیرونی اثرات کے دروازے بالکل بند کر دیئے جاتے تب بھی اسلام میں وحدت الوجود کا نظریہ اخذ کر لیا جاتا۔ سلہ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس پر کم از کم تین شرحیں لکھی گئیں۔ اور انڈونیشیا میں اسکا بہت چرچا تھا۔ ملایا کے نورالدین رانیری نامی ایک صاحب قلم نے اس کا ترجمہ ملایائی زبان میں کیا ہے اسوقت انڈونیشیا کے شہر سماٹرا میں وحدۃ الوجود کے متعلق اسی طرح بحثیں ہو رہی تھیں جس طرح ہندوستان میں سماٹرا کے اہل قلم مثلاً حمزہ وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں ابن العربی اور عبدالکریم جیلی کے قائل تھے۔ نورالدین اس نقطۂ نظر کے سخت مخالف تھے لیکن ایک مقامی عالم عبدالرؤف جو سولہ سال حجاز میں مقیم رہے اور شطاری سلسلہ میں منسلک ہو گئے تھے۔ اور مولانا احمد قشاشی کے جانشین ملا ابراہیم القرانی نے عبدالرؤف کو شطاری سلسلے میں مرید کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ انہوں نے جزائر مشرق میں یہ سلسلہ جاری کیا۔ اور جلد ہی جاوا میں کثرت سے لوگ اس سلسلہ میں شامل ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے شیخ احمد قشاشی کا تذکرہ اپنی کتاب "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ!

میں نے جواہر خمسہ کی اجازت اپنے استاد شیخ ابو طاہر کُردی سے حاصل کی تھی، جن کے والد نے یہ اجازت شیخ احمد شناوی کے خلیفہ شیخ احمد قشاشی سے حاصل کی تھی۔

بہر حال شیخ محمد بن فضل اللہ جونپوری کی تصنیف "التحفۃ المرسلہ" انڈونیشیا تک پہنچی۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف ہیں "الہدیۃ المرسلہ، شرح الدعا السیفی

سلہ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶۔

وسیلۃ الی شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ شرح اللوائح للجامی ۔ رسالہ فی کراھیۃ امامۃ الامرد فی الصلوٰۃ ۔ رسالہ فی المعراج ۔ التحفۃ المرسلہ کی شرح الحقیقۃ الموافق الشریعۃ ۔ قابلِ ذکر ہیں ۔

سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے آپکی وفات بروز پیر ۲ رمضان ۱۰۲۵ھ لکھی ہے، رود کوثر کے مصنف نے آپ کا سالِ وفات ۱۶۲۰ء/۱۰۲۹ھ لکھا ہے ۔ خواجہ محمد ہاشم نے آپکی تاریخ وفات ' ابن فضل اللہ ' نکالی ہے ۔

آپ کی عمر ۸۶ سال ہوئی اور مزار برہانپور میں زیارت گاہ عوام ہے ۔

غوثی جنہوں نے گلزار ابرار اس زمانے میں تصنیف کی جب آپ ابھی حیات تھے ۔ لکھتے ہیں، کہ آپ خاندیش کے بادشاہ محمد شاہ بن مبارک شاہ فاروقی کے عہد حکومت (۱۵۶۶ء) میں گجرات سے خاندیش تشریف لائے ۔ برہان پور میں مسجد اور خانقاہ تعمیر کی ۔ حدیث و تفسیر اور دوسرے دینی علوم کا درس دیتے تھے اہل دل تھے ۔ لیکن سماع اور سرود سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ سچے عاشقِ رسول تھے ہر سال جہاز کے موسم میں دیوانہ وار وطن سے نکلتے اور سمندر کے کنارے پر پہنچ جاتے ۔ اگر قسمت یاوری کرتی تو جہاز پر سوار ہو کر حرمین شریفین میں پہنچتے اور روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے دل کو تسکین دیتے ۔ اس طرح آپ نے حجاز کے کئی سفر کئے ۔ وطن میں بھی محبتِ رسول میں مست رہتے ۔ سال بھر میں اگر کوئی کوڑی پیسہ بچاتے تو اس لئے کہ سفرِ حجاز کا سامان ہو جائے ۔

بارگاہ الٰہی میں آپ کی محبت نبوی مقبول ہوئی ۔ اور آپ کی التحفۃ المرسلہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شہرت پائی ۔ اس کی کم از کم تین شرحیں لکھی گئی ۔ اور انڈونیشیا میں اس کا بہت چرچا تھا ملایائی (ملاوی) زبان کے ایک اہل قلم نے نورالدین رانیری (راندیری) نے اس کا ترجمہ ملایائی میں کیا ہے ۔ انکی تاریخ وفات معلوم نہیں (غالبًا انہی کی "رحیق

المحمدیہ فی طریقۃ الصوفیہ" کا ذکر مولانا عبدالحی نے یادِ ایام میں کیا ہے۔ اس میں تاریخ وفات ۱۰۶۸ھ یعنی ۱۶۵۸ - ۱۶۵۷ء لکھی ہے) لیکن ان کی کتابوں کا زمانہ تصنیف ۱۶۲۸ء/۱۰۳۷ھ سے شروع ہوتا ہے۔ [1]

سید لٰیسین سامانوی

شاگرد علامہ وجیہ الدین

شیخ لٰیسین بن ابو لٰیسین حنفی شطاری سامانوی۔ سید شاہ میر سامانوی کے عم زادگان سے تھے۔ علم کیلئے شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ان سے درسیات کے ساتھ طریقت میں بھی استفادہ کیا۔ تکمیل کے بعد حج و زیارت کے لئے سفر فرمایا۔ اور مشائخ عصر سے حدیث پڑھ کر ہندوستان لوٹے۔ لاہور میں اقامت فرمائی۔ اور ایک امیر کے ہاں رہ پڑے، کچھ مدت کے بعد دنیا سے کنارہ کش ہو کر کلیتہً اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف رغبت ہوگئی۔ فقراء کا لباس زیب تن کر لیا اور سرہند تشریف لے گئے جہاں مدت تک لوگوں کی تربیت کا مشغلہ جاری رکھا۔ ایک دفعہ ان کا ارادہ گجرات جانے کا ہوا تاکہ وہاں سے حجاز چلے جائیں۔ مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تب بنگال تشریف لے گئے اور بہار کی سرحد پر ایک مدت قیام فرمایا اور یہاں ان سے بے شمار انفاس مستفیض ہوئے۔ ان میں شیخ محمد بھاگلپوری بھی ہیں۔ آپ نے یہیں رحلت فرمائی لیکن سال رحلت معلوم نہ ہو سکا۔ [2]

---

[1] اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار ص ۵۹۔ رود کوثر ص ۳۹۶، تذکرہ قاریانِ ہند ص ۵۶۹ ج ۲ ص ۱، اعیان الحجاج، خزینۃ الاصفیاء ص ۴۰۲، نزہۃ الخواطر عربی ص ۵۸ ج ۵ ص ۳۶۳۔

[2] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۴ ص ۵۷۵۔

شیخ یوسف بنگالی

شاگرد علامہ وجیہہ الدین علوی

علامہ فاضل شیخ یوسف بن ابو یوسف۔ اپنے زمانہ کے علمائے کبار میں سے تھے۔ آپ کا مولد بنگال ہے۔ تحصیل علوم کے لئے وطن سے نکلے۔ اور شہر بہ شہر ہوتے ہوئے احمد آباد میں قطب مدار شیخ وجیہہ الدین علوی کی خدمت میں پہنچے۔ ان کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا جن سے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ شیخ کی اجازت سے احمد آباد سے برہانپور تشریف لے آئے۔

وہاں آپ نے شیخ سالم کے پڑوس میں رہائش اختیار کی جن کو علم طب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہیں شیخ سالم نے اپنی دختر کا عقد آپ سے کر دیا۔ مدت دراز تک وہاں درس دیتے رہے۔ لیکن ہمیشہ تصوف کی تعلیم سے احتراز کیا کرتے تھے اگر کوئی طالب ضد کرتا تو اس کو شیخ طاہر یوسف سندھی کے درس میں بھیج دیا کرتے۔ مسیح القلوب اور شیر پیر محمد حلیم ان کے علاوہ بے شمار علماء و شیوخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کی آخری آرام گاہ برہانپور میں ہے۔ [1]

قاضی عبداللہ بیجاپوری

شاگرد علامہ وجیہہ الدین علوی

فقیہہ قاضی عبداللہ حنفی بیجاپوری ان علماء میں سے ہیں جنہیں فقہ و حدیث پر بہت عبور حاصل تھا۔ آپ علامہ وجیہہ الدین بن نصراللہ علوی کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر بیجاپور تشریف

---

[1] گلزار ابرار ص ۲۵۸، نزهۃ الخواطر اردو ص ۵۸۲، ایضاً عربی ص ۳۹۷ ج ۵۸۶۔

لے گئے اور وہاں کی فضا کو آپ نے سنبھالا اور وہاں سکونت پذیر ہوئے۔
یہاں تک کہ آپ کو پیغام اجل آگیا اور بیجاپور رہی میں آپ دفن ہوئے۔ [1]

قاضی جلال الدین ملتانی

(م ۹۹۹ھ — ۱۵۹۰ء)

شیخ فاضل کبیر قاضی جلال الدین حنفی ملتانی۔ یکے از علمار کبار، مولد شہر بھکر اور ملتان میں پروان چڑھے، آپ چند روز تک شیخ وجیہ الدین احمد علوی احمد آبادی کے درس میں بیٹھ کر دینی علوم حاصل کیے۔ اور فقر و تصوف کی چاشنی کا مزہ پایا
پھر دارالسلطنت آگرہ تشریف لائے۔ یہاں شیخ جلال ابن عبداللہ اکبر آبادی کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ پھر کچھ عرصہ گمنامی میں رہے۔ پھر درس کا آغاز فرمایا اور علمائے معاصرین میں آپ کے علم کی دھوم مچ گئی۔ قاضی کمال الدین یعقوب کردی کے بعد اکبر بادشاہ نے قضار کا منصب آپ کے نام کر دیا۔ جب اکبر نے علمار سے آگرہ خالی کرایا تو آپ بیجاپور تشریف لے گئے اس صوبہ کا حاکم آپ کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔
اسی شہر میں آسودۂ لحد ہوئے۔ تاریخ وفات ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء ہے
نور اللہ مرقدہٗ۔ [2]

مولانا عثمان سنبھلی

شاگرد وجیہ الدین علوی

(م ۹۸۰ھ — ۱۵۷۲ء)

شیخ عثمان بن ابو عثمان حنفی بنگالی سنبھلی۔ اپنے دور کے مشہور عالم تھے۔ بنگالہ میں

---

[1] روضۃ الاولیار۔ نزہۃ الخواطر ص ۴۱۲/ج ۵۔
[2] گلزار ابرار ص ۴۰۹ اردو نزہۃ الخواطر ص ۱۲۸ ایضاً عربی ص ۱۳۹/ج ۴۔ اخبار الاصفیار ۔ ۶

پیدائش ہوئی ۔ طلب علم کے لئے سنبھل آئے ۔ اور شیخ حاتم سنبھلی سے علم حاصل کیا ۔ پھر گجرات کا قصد کیا ۔ احمد آباد میں علامہ وجیہ الدین سے اکتساب کیا پھر سنبھل لوٹ گئے ۔ سنبھل ہی میں سنہ ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں وفات ہوئی ۔ [۱]

قاضی عبدالعزیز

۴/۲۷ رمضان ۹۸۲ھ/۹ جنوری ۱۵۷۵ء ۔

شیخ قاضی عبدالعزیز بن عبدالکریم بن راجی محمد عینی الجینی ۔ جو عین القضاۃ ہمدانی رح کی نسل میں سے ہیں ۔ آپ کا مولد و منشا اجین ہے ۔ آپ نے علم کے لئے اپنے شہر سے باہر سفر کیا ۔ اور نہر والہ ، پٹن گجرات کے شیخ مولانا عبدالکریم نہر والی سے بعض کتب درسیہ پڑھیں ۔ اسی طرح آپ نے علامہ وجیہ الدین علوی سے بھی پڑھا ۔ آپ بڑے زاہد ، متورع ، صائم الدھر قائم اللیل تھے ۔ خوش خلقی آپ کا خصوصی شیوہ تھا [۲]

قاضی عبدالعزیز کے والد شیخ عبدالکریم

شیخ عبدالکریم اپنے والد شیخ راجی محمد عینی کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے ۔ نہایت سنجیدہ ، جواں مرد ، پرہیز گار ، حق شناس ، خدا پرست ، مہمان دوست ، زندہ دلی جیسے اوصاف عالیہ سے متصف تھے انکی وفات ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۷ء میں ہوئی ۔ پدر بزرگوار کے گنبد کے باہر جنوبی سمت میں دفن کیے گئے ۔

شیخ عبدالکریم کے دو فرزند تھے ۔ (۱) شیخ عبدالعزیز (ان کے حالات اوپر ذکر ہوئے) (۲) شیخ عبدالقادر ، جو اپنے آبائے کرام کے وطن میں آبائی مکان اور خانقاہ کو آباد کئے ہوئے تھے ۔ [۳]

۱؎ اردو نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۶۳ ۲؎ ایضاً عربی ج۴ ص۲۵۶ ج۴ ص۲۲۴ ۳؎ ایضاً ج۴ ص۳۲۴ ج۵ ص۲۳۳ ۴؎ گلزار ابرار ص۲۱۹

قاضی عبدالعزیز کے دادا

قاضی عبدالعزیز کے دادا شیخ راجی محمد عینی بھی بڑے اونچے بزرگوں میں سے تھے جن کے چند احوال حسب ذیل ہیں۔

شیخ راجی محمد بن شیخ خان حنفی۔ شیخ عین القضاۃ ہمدانی کی اولاد سے تھے۔ کم سنی ہی میں تعلیم کی غرض سے برہانپور گئے اور دو سال تک قیام کیا۔ یہاں علوم کا ایک حصہ پڑھا۔ اور پھر احمد آباد بیدر تشریف لے گئے۔ یہاں شیخ محمد بن ابراہیم اسماعیلی ملتانی سے ۱۲ رسال تک استفادہ کے بعد اجین لوٹ آئے۔ اور پچاس سال تک مصروف تدریس رہے۔ ؎

آپ فرماتے تھے کہ ایک رات مجھ کو مکاشفہ میں معلوم ہوا کہ اکمل الاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور بے شمار لوگ اور وحوش وطیور آپ کے گرد محو جمال ہیں۔ ان سب میں شیخ عبدالقادر جیلانی نے میرا نام لے کر بلایا۔ اور مصلیٰ کے نیچے جو خس و خاشاک تھا اس کو اپنے دست مبارک سے جھاڑ دیا۔ اور فرمایا کہ دوئی کا جو زنگ تمہارے دل کے آئینہ پر تھا وہ صاف ہو گیا۔ اب مصلیٰ پر بیٹھو اور شکرانہ کی نماز پڑھو۔ پھر شیخ نے قطبی ولایت کی خوشخبری مجھے دی۔ اس کے بعد میرے بھی خرقۂ خلافت عطا فرما کر اجین میں رہنے اور لوگوں کی رہنمائی اور تعلیم کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اولاد: آپکے چھ بیٹے تھے۔ عبدالرحمن، عبدالکریم، عبدالرحیم۔ یہ تینوں ایک بیوی سے۔ اور عبدالحلیم، عبدالحمید، اور عبدالمجید دوسری منکوحہ سے تھے۔

شیخ راجی محمد اجین میں پچاس برس تک درس و تدریس میں مشغول رہے اور آخر ۲۷ رمضان ۹۸۲ھ/ ۹ رجنوری ۱۵۷۵ء کو اس دار فانی سے دار بقا کو راہی ہوئے۔ ؎

؎ اعیان الحجاج، گلزار ابرار ص۳۱۹۔

شیخ عبداللہ صوفی شطاری

(م ۲۲ر جمادی الاولی ۱۰۱۰ھ ۱۷ر نومبر ۱۶۰۱ء)

آپ کمال الدین بہلول ابن چاندا بن جنید ابن محمد ابن برہان الدین ابن عز الدین محمود ابن نجم الدین احمد ابن مولانا شمس الدین ھروی عثمانی کے فرزند رشید ہیں ۱۲ ربیع الثانی ۹۰۰ھ کو آپ کی ولادت قصبہ سندیلہ میں ہوئی۔

چونکہ خدا طلبی کا جوھر آپ میں ودیعت تھا لہذا نو سال کی عمر میں آپ کو پیر ارادت کا شوق پیدا ہوا۔ مخدوم شیخ صفی ساقی پوری کے مرید ہو گئے اور سولہ برس کی عمر میں کتابی علوم کی تحصیل کے ارادہ پر گھر سے نکل پڑے اور قصبہ گوپاموییں شیخ الہداد ابن سعداللہ عثمانی کی خدمت میں پہنچے اور صرف و نحو پڑھنا شروع کر دیا۔

شیخ بدرالدین بدایونی اپنے وقت کے قطب تھے انہوں نے اثنار تعلیم خواب میں تشریف لاکر آپ کو فرمایا کہ: عبداللہ تم چند روز ہماری خدمت سے حصہ لو، جب آپ بیدار ہوئے تو بے تامل بدایوں کی طرف چل پڑے۔ بدایوں پہنچکر شیخ بدرالدین کا سراغ لگایا۔ کسی نے پتہ نہیں دیا۔ رات کے وقت ناامید ہو کر جامع مسجد میں اندیشہ ناک سو گئے۔ پھر شیخ نے خواب میں فرمایا کہ فلاں جگہ ہمارا روضہ ہے وہاں آکر مجاور بنو وہاں پہنچ کر ہلالی چھ دور کامل اعتکاف کے طور پر اس مزار پاک پر رہے اور بہرہ یاب ہوئے۔ اسی اعتکاف کا انجام تھا کہ خواجہ قطب الدین اویسی چشتی دہلوی نے خواب میں فرمایا کہ تم کو ایک سال ہمارے حظیرۃ میں رہنا چاہئے۔ صبح ہوتے ہی دہلی کو روانہ ہوئے چاشت کا وقت تھا کہ قلعہ دہلی کے دروازہ پر پہونچے۔ شیخ معزالدین بخاری سے ملاقات ہوئی وہ آپ کو گھر لے گئے۔ جب مکان میں پہنچے تو مہمان کے ساتھ بہت مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا کہ اس شہر کے قطب نے تم کو میرے سپرد کیا ہے تم اس جگہ ٹھیرو

روضہ کی خدمت کرتے رہو ، اور اس خانقاہ کے مدرس سے سبق پڑھا کرو ، کافیہ لب ، اور ارشاد یہ تینوں کتابیں اسی جگہ پڑھیں اور ہمیشہ نماز عشاء سے فارغ ہوکر روضہ مبارک پر جایا کرتے تھے ۔ فیض روحانیت سے قلب میں روشنی حاصل ہوئی اور پھر ایک سال ختم ہونے کو آیا کہ حضور خاتم الانبیاء صلوٰت اللہ علیہ عالم مثال میں تشریف لائے اور فرمایا کہ مولانا برہان الدین ملتانی حصار میں تمہارے پہنچنے کے منتظر ہیں ۔ ان کے درس میں جاکر تحصیل کمالات کرو ۔ آپ نے تعمیل حکم کی ۔ چند روز بعد جناب مولانا نے احمد آباد گجرات کا عزم فرمایا ۔ آپ بھی ہمراہ ہوگئے ۔ اکثر علوم کی کتابیں اور تفسیر مولانا کی ملازمت میں رہکر پڑھی ۔ اور شرح مقاصد کے الہیات اور شرح مواقف نیز بعض دیگر ریاضی رسالے شیخ وجیہ الدین احمد علوی شطاری کے درس میں نکالے ۔ بزدوی ، ہدایہ اور عضدی شیخ مبارک دانشمند شطاری گوالیاری کے سامنے حل کیں ۔ علم حدیث اور اصول حدیث میر عبدالاول دولت آبادی کی تعلیم سے حاصل کیا اور نصوص کی اجازت مولانا مصطفٰے رومی سے لی ۔ بالآخر ۴۲ رسال کی عمر میں جب یہ تمام کمالات فراہم ہوگئے تو ایک عجیب جذبہ پیدا ہوا تمام کتابیں لوگوں کو تقسیم کرکے باغ ارم کے ایک گوشہ میں نفس کی اصلاح میں مصروف ہوئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد الٰہی طلب اور ایزدی معرفت کا ایسا ہجوم ہوا کہ تمام حواس اور قویٰ کو جکڑ لیا اور ہر ایک کو اس کے کام سے معطل کر دیا ۔

حضور خاتم النبوۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ کسی مرشد کا پتہ بتا دیں جو درد کا علاج کرے اور جس کے فیض ہدایت سے طالب عرفاں کے اصلی مطلب کو پہنچکر صاحب بصیرت ہوسکیں ۔ آخر کار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غوث الاولیاء کی خدمت کا راستہ دکھایا ۔

حضرت غوث الاولیاء نے دو مہینے کے اندر مشرب عشقیہ کے تمام اذکار اور اشغال سکھا کر انوار و اسرار سے بہرہ یاب کیا اور ۹۵۰ھ میں عید الضحٰے کے عرفہ کے روز آپ کو

تمام خانقاہ نشینوں کا سر حلقہ بنایا ۔ تمام صوفیوں کی تلقین آپ کے سپرد ہوئی ۔ کامل دس سال تک ہمیشہ مبتدی درویشوں کی تربیت آپ کرتے رہے ۔ مبتدی درویشوں میں سے جو شخص کمال کے درجہ کو پہنچ جاتا تھا غوث الاولیاء کی خدمت میں عرض کرکے سند ارشاد لے کر اس کو دیدیتے تھے ۔ اور کسی سمت کی رہنمائی کے واسطے اجازت ہو جاتی ۔ اسی اثناء میں غیب سے بیت الحرام کے طواف اور حرم سید الانام کی زیارت کے واسطے مامور ہوئے ۔ مدینہ منورہ میں پانچ سال قیام کرکے کمال ریاضت میں منہمک رہے اور اور ہر سال حج کے واسطے آمد و رفت رکھی پھر حکم عالی کے بموجب احمد آباد میں بازگشت فرما کر متاہل ہوئے ۔ کم و بیش پندرہ سال اس شہر میں گذارے ۔ ۹۸۱ھ میں پیر کی زیارت کے واسطے گوالیار آئے ۔ یہاں دو سال مزار مبارک پر رہے ۔ بعدہ بفرمان پیر ۹۸۳ھ کے آغاز میں دارالخلافہ آگرہ جاکر مٹیا محل گلی میں حجرہ تجویز کیا اور نماز عصر کے وقت دوشنبہ کے روز ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۰ھ/ ۱۷ نومبر ۱۶۰۱ء میں عنصری منزل سے قدسی مقام کو عروج فرمایا ۔ اور اسی حجرہ میں اپنی خواہش کے مطابق خوابگاہ اختیار کی قدس اللہ سرہٗ ۔ [1]

تصانیف

۱ ۔ سراج السالکین بر سنن جواہر خمسہ ۲ ۔ اوراد صوفیہ
۳ ۔ رسالہ صوفیہ ۴ انیس المسافرین
۵ ۔ اسرار الدعوۃ ۶ ۔ شرح رسالہ غوثیہ
۷ ۔ رسالہ کنز الاسرار فی حال اشغال الشطار ۔

---

[1] گلزار ابرار صـ ۴۵۲

مولانا محمد غوثی بن حسن بن موسیٰ شطاری

صاحب گلزار ابرار۔ (ولادت ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء)

آپ نے گلزار ابرار میں جہاں پر اپنے والد شیخ حسن کے حالات لکھے ہیں۔ وہاں ضمن میں اپنے حالات اور واقعات بھی بالتفصیل بیان فرمائے ہیں۔

آپ ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء میں قصبہ مانڈو میں پیدا ہوئے تھے۔ مانڈو کو پہلے منڈو بولتے اور لکھتے تھے۔ یہیں پرورش پائی۔ تحصیل علوم میں شیخ وجیہ الدین علوی کے شاگرد تھے۔ اور طریقت میں شیخ محمد غوث گوالیاری قدس سرہ کے سلسلہ میں بیعت تھے۔

آپ نے اکبر کا آخری دور اور جہانگیر کا آغاز دیکھا ہے۔ چونکہ یہ زمانہ علم و فضل، معرفت، ثروت اور اعزاز و وقار کے اعتبار سے منتہائے عروج پر تھا۔ اس لئے فقراء، صلحاء، اولیاء، علماء، فضلاء اور امراء وغیرہ بڑے اچھے اچھے لوگ زمانہ میں رونقِ بزمِ حیات تھے۔ مصنف کا علمی تبحر صرف عقلی و نقلی علوم میں منحصر نہ تھا۔ بلکہ آپ عرفانی و وجدانی کمالات کے بھی حامل تھے۔ آپ کے زورِ قلم اور عرفانی و وجدانی معلومات کا کچھ اندازہ گلزار ابرار سے ہو سکتا ہے۔

کسی زمانہ میں مانڈو اولیاء اللہ کا شہر رہ چکا ہے۔ یہ شہر مالوہ میں شہر دیار سے بارہ کوس کے فاصلہ پر جنوبی سمت میں واقع تھا۔ پرانے زمانہ میں اس بستی کے قلعہ میں ایک مدتِ دراز تک سلاطین خلجی اور غوری کا پایۂ تخت رہا تھا کہتے ہیں اب کچھ عمارتیں اس اجڑی ہوئی بستی میں ویران پڑی ہوئی ہیں۔

جب آپ کی عمر گیارہ سال ہوئی تو پدر بزرگوار کو عالم بالا سے بلاوا آگیا۔ کوچ کے وقت فرمایا۔ میرے دل میں خیال تھا کہ تیس سال تک ان کو اہلِ علم کی خدمت میں رکھونگا تاکہ علوم و تعلیم و تربیت سے آراستہ پیراستہ ہوجائے۔ غوثی فرماتے ہیں کہ دل میں استحکام کے ساتھ یہ بات جمی کہ اگر تقدیر تدبیر کے ساتھ موافق آئے تو والد ماجد کے قائم کیے ہوئے خیال کے موافق کاربند ہوکر اس کام کو میں اسی طرح انجام دونگا۔

والد ماجد کے انتقال پر چند ایام سوگواری کو مستثنیٰ کرکے کوئی وقت حصولِ علم کے بغیر نہیں گذارا۔ والدۂ ماجدہ نے اس خیال سے کہ درویشوں کی خدمت اور مدرسوں کی ملازمت سے دل برداشتہ ہوکر دنیاداری شروع نہ کردے سترّہ سال کی عمر میں نکاح کرادیا۔ جب بیس سال کی عمر ہوئی معاشی پریشانی لاحق ہوئی جو یہاں تک پہنچ گئی کہ گھر میں جلانے کو تیل بھی میسر نہیں تھا۔ دن میں تنہا اور مخفی طور پہ جنگل میں جاکر پتے اور خودرو گھاس لے آتے تھے اور اس سے گذارا کرتے اور اہلِ ثروت سے تعلقات کے باوجود اخفاء حال اس قدر تھا کہ استغناء اور بے نیازی کے سبب ارباب تجارت کے ساتھ ملاقات دیکھ کر لوگ مالدار تاجر کہتے تھے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شعر گوئی کے صلہ پر گذارا ہوگا۔ بعض لوگ جوہریوں کے ساتھ انہیں دیکھ کر کیمیاگر تصور کرتے بعض دولتمندوں کے ساتھ تعلقات دیکھ کر ان سے مالی استفادہ کا گمان کرتے۔ بعض لوگ عمال اور وصولیابی کے افسران کے ساتھ انہیں دیکھ کر رشوت خور کہتے۔ لیکن مولانا غوثی ان تمام احوال پر شاکر و صابر رہے کہ اللہ نے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف کے ساتھ متصف فرماکر آیت کریمہ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ

الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۔
کے مفہوم میں اتباعًا شامل کیا ہے۔ کبھی اقربا ز سے ناداری و فقر و احتیاج کے اظہار کا وسوسہ بھی آیا تو والدہ ماجدہ نے سمجھا کر ہمت بڑھائی اور حصولِ مقصد پر کاربند رہنے کی ترغیب دی۔

اسی دوران یہ ہوا کہ شیخ سراج الدین خاں جو حضرت صدرالذاکرین شیخ صدرالدین محمد شاکر بڑودی سے بیعت تھے۔ گوالیار میں انکی زیارت کر کے واپس وطن گجرات کو مالوہ ہوتے ہوئے جارہے تھے۔ مانڈوان کا گذر ہوا اور مولانا غوثی کے مہمان ہوئے اور میزبان کو کسی کے عشقِ مجازی (بظاہر مولانا غوثی نے استعارہ کے طور پر غیر اللہ سے میل ملاپ کو عشقِ مجازی کے ایک فرضی واقعہ کی صورت میں بیان کیا ہے) میں گرفتار پاکر بیعت کی ترغیب دی اور مولانا غوثی شیخ سراج الدین سے بیعت ہوگئے۔ دیکھا دیکھی ان کے ہم عمر اور دوست بھی بیعت ہوگئے۔ اور شیخ سراج دو تین روز ٹھہر کر وطن تشریف لے گئے مگر جس عشقِ مجازی کی مصیبت میں گرفتار تھے اس سے خلاصی مل نہیں رہی تھی۔

اس درمیان شیخ صدرالدین محمد شاکر بڑوڈوی حضرت غوث الاولیاء کے انتقال کے بعد ان کے جانشین شیخ عبداللہ سے مل کر براہ مالوہ گجرات کی طرف آئے جو ان کا خاص وطن تھا۔ جب منڈو (مانڈو) میں پہنچے تو مولانا غوثی کے ہاں فروکش ہوئے۔ مولانا غوثی نے اپنے سابقہ واقعات تحصیل علم کی کیفیت اسی کے برابر میں والد ماجد کی وصیت کے وقت کی خواہش اور اس تعمیل کے ضمن میں جو واقعات پیش آئے اور برداشت کرنے پڑے۔ عشق کی بلا میں مبتلا ہونے کا ماجرا۔ اس اثناء میں شیخ سراج الدین کے پہنچنے اور اپنے مرید ہونے کی کیفیت اور اس سلوک کے اندر جو کچھ عمل ہو سکا اس کا بیان :

غرض تمام حالات ایک ایک کر کے تفصیل وار دادا پیر سے عرض کئے۔ شیخ صدر الدین نے فرمایا مجھ سے ظاہری بعد تھا۔ تب تک شیخ سراج الدین کے ساتھ تمہاری ارادت شیخ سراج اور صدر الدین کے درمیان میں منقسم تھی۔ جب تقسیم کا سبب جو مکانی بعد ہے باقی نہیں رہا تو وہ نسبت بھی صدر الدین ہی کی طرف لوٹ آئی یعنی جس شخص کا شیخ زندہ ہو اس شخص کا مرید جب تک شیخ (دادا پیر) اسے دور ہے تب تک صدر الذکر شیخ (دادا پیر) کے ساتھ ارادت معنیً رکھتا ہے۔ اور جب وہ مرید شیخ (دادا پیر) کی صحبت میں پہنچ جاتا ہے تو ظاہری تصرف بھی اس شیخ (دادا پیر) کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اور وہ شخص (مرید کا پہلا اور اصلی پیر) اس معاملہ میں محض سفیر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد اتفاقی طور پر شیخ صدر الدین محمد شاکر بروڈدی منڈو میں سال بھر مقیم رہے اور اس قیام کے دوران مولانا غوثی نے شیخ گوالیاری کی جواہر خمسہ ان سے پڑھی۔ اور شیخ صدر الدین کو جب اچانک گجرات کا سفر پیش آگیا تو مولانا غوثی کی قریب التکمیل تربیت کے لئے شیخ ظہور الدین محمود جلال کو پیچھے منڈو میں چھوڑا۔

ان تمام کے باوجود مریضِ عشق کا حال جوں کا توں رہا اور بقول مولانا غوثی کے جواہر خمسہ کے اوراد، اذکار، اشغال، اور نیز تمام اعمال عمل میں لایا۔ لیکن جمعیت حاصل نہیں ہوئی۔ اور پریشانی میں معشوق کے پیچھے آگرہ کے سفر کا قصد کیا مگر بوڑھی والدہ کی تنہائی کے تصور نے باز رکھا۔ مگر بالآخر سفر کرکے ہی چھوڑا اور پانچ سال دام الفت میں گرفتار رہ کر جب آگرہ سے منڈو واپس آئے تو شیخ ظہور الدین محمود جلال کی برکت ہی سے بالآخر اس مصیبت سے نجات پائی۔ اور ایزدی معرفت کے حصول کا شوق بڑھنے لگا۔ اور شطاری مشرب کے اشغال و افکار کی مشق شروع کر دی۔ عشق مجازی

کی افتاد کو اشعار میں بیان کرنا ۔ آپ نے پہلے ہی شروع کردیا تھا جس کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ زیادہ تر غزل کی نساجی دوسروں کے بنے ہوئے ردیف وقافیہ کے تانے بانے سے نہیں کی ۔

آپ کی عمر جب ۲۲ رسال ہوئی تب آپ کے ہاں فرزند کا تولد ہوا ۔ نام عبدالاوّل رکھا ۔ دوسرے صاحبزادے حسن محمد کا تولد چھ سال بعد ہوا ۔ اس کے ایک سال بعد ۹۹۰ھ میں آپ بقیہ علوم کی تحصیل کی خاطر احمد آباد پہنچے ابھی دو سال ہوئے اور والد صاحب کی تحصیل علوم کی مقررہ مدت میں ایک سال رہ گیا تھا کہ گجرات میں جنگ شروع ہوئی ۔ سلطنتِ گجرات پر سلطان محمود کے بیٹے مظفر نے قبضہ کرلیا ۔ اور احمد آباد کے جاگیردار شہاب الدین خاں حسینی نیشاپوری دارالحکومت چھوڑ کر پٹن چلے گئے ۔ اکبر بادشاہ کی طرف سے مرزا خاں بن بیرم خاں خانخاں فوج لے کر پہنچے اور پٹن سے شہاب الدین خاں بھی واپس لوٹ آئے اور دریائے سابھرمتی (سابرمتی) کے کنارے پر جنگ ہوئی اور حکومت ہند کی باقاعدہ منظم دس ہزار فوج کے سامنے نوخیز حکومت کی تازہ ترتیب دادہ ساٹھ ہزار فوج نہ ٹک سکی اور سلطان مظفر کو شکست ہوئی ۔ عین جنگ کے دوران بھی والد ماجد کی وصیت کی باحسن وجوہ تکمیل میں مولانا غوثی برابر کوشاں تھے فرماتے ہیں کہ !

مذکور الصدر رسال میں اس رسمی داستان کا مجمل نویس ۔ اور سکندری واقعات کا مختصر نگار استادی شیخی وجیہ الملۃ احمد آبادی کی خانقاہ میں دینی علوم کی تحصیل اور حکمی فنون کی سماعت کے نور سے نادانستگی اور بے علمی کی تیرہ و تاریک رات کو صبح سعادت بنا رہا تھا ۔ اور جنگ احمد آباد کے تماشائیوں میں سے تھا ۔ والد مرحوم کی وصیت کو پورا کرکے اکیسویں سال کے آغاز میں آپ وطن

واپس ہوئے۔ [1]

گلزار ابرار گلزار ابرار فارسی زبان میں ہے ۱۰۱۴ھ اور ۱۰۲۲ھ کے درمیان یں یہ کتاب تصنیف ہوئی تھی۔ اس وقت میں جہانگیری سلطنت کا دور دورہ تھا۔ اولیاء اللہ کے حالات میں یہ کتاب عجیب و غریب ہے۔ اولیاء اللہ کے تذکرے اور بھی ہیں مگر اولیاء اللہ کے تذکروں میں سے ایسا شاید ہی کوئی اور تذکرہ اس پایہ کا ہو۔ اس کتاب میں ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر ۱۰۲۲ھ تک چارسو بائیس [۴۲۲] اولیاء اللہ کے حالات مذکور ہیں۔ چار چمن اور ایک ضمیمہ (خاتمہ) قائم کیا ہے۔ ہر ایک صدی کے حالات ایک ایک چمن میں اور بائیس برس کے حالات کچھ تو چوتھے چمن میں شامل کئے ہیں اور کچھ ضمیمہ میں مذکور ہیں۔ انہیں میں وہ ہستیاں بھی ہیں جو تصنیف کے وقت بقید حیات تھے۔ [2]

سید شاہ ہاشم حسن علوی

(م ۱۶۴۹ء - ۱۰۵۹ھ)

سید ہاشم حسن علوی (م۔ ۱۶۴۹ء/۱۰۵۹ھ) شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری کے ارادت مند، شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے بھتیجے تھے۔ شیخ وجیہ الدین کے ملفوظات "بحرالحقائق" کے نام سے ان کے مریدوں نے جمع کیے ہیں۔ ان ملفوظات کا انداز سوال وجواب یا مکالمہ کا ہے۔ سوالات فارسی میں ہیں اور ان کے جواب ہندی میں۔ ہندی اختیاری اور ہندی استعمالی کی یہ روایت شیخ وجیہ الدین کے خاندان میں بہت بعد تک چلتی رہی ہے۔ سید شاہ ہاشم حسن علوی کے ایک مرید شاہ

[1] گلزار ابرار ص۱، ص۶۱۳ [2] ایضاً ص۲۔

مراد ابن بدجلال نے ان کے تمام اقوال وملفوظات کو "مقصود المراد" کے نام سے ایک کتاب میں جمع کیا ہے اس میں شاہ ہاشم علوی کی کئی ہندی نظمیں اور منقولات بھی درج ہیں ۔ مثال کے طور پر سید ہاشم علوی نے ان پانچ اشغال کو جو میاں عبداللہ ابن شاہ وجیہہ الدین مرشد شاہ ہاشم علوی نے بتائے تھے اس طرح نظم کیا ہے ۔ ؎

ہنس ہنس سپنے کہیا نانہاں دیواں نجی سب جے منجہ ماہناں
پانچ شغل مکھ آکھیں سائیں جیودے کیوں ہو چلن تو آہنیں
شغل تکھینا کہیا پیو ؍ ؍ ؍ نہا بڑا ایک جانے جیو
جیہا لوڑے آپس توں تہیا لوڑے سارے نوں

اس طرح کے اور شعر بھی اس نظم میں ہیں جو لسانی مطالعہ کی خاص طور پر دعوت دیتے ہیں ۔

مذکورہ بالا اشعار میں کہیا، دیواں، لینا، سائیں، جیہا، تہیا، وغیرہ الفاظ وافعال پنجابی زبان میں آج بھی مستعمل ہیں ۔ مثال کے طور پر کہنا مصدر کا ماضی مطلق اردو کے مطابق کہا ہونا چاہیئے، لیکن یہاں کیتا ہے جو پنجابی کے صرفی اصول کے مطابق ہے ۔

سید ہاشم علوی کے کلام میں دوہوں کے علاوہ نکتے اور جکریاں بھی ہیں سید ہاشم حسن علوی نے ان میں ہندی اور فارسی آمیز ہندی ذرائع اظہار اختیار کیئے ہیں مثلاً؛

ہاشم جی چھولاں لہر ہیوں وحدت کے بحر
ہودیں منوا اے سحر دنی چوں قاتل زہر سلہ

سلہ تاریخ ادبیات صفحہ ۲۳۸/۴

شیخ حاجی حمید

۸۶۵ - ۹۶۷ ھ حضرت شیخ غوث گوالیاری کے مرشد

آپ شاہ قاذن رحمۃ قاضنؒ کے مرید تھے۔ جن کے پیر و مرشد شیخ عبداللہ شطاری تھے۔ آپ نے خوب سیاحت کی۔ اپنے ساتھ صراحی کے برابر ایک لوٹا رکھتے تھے۔ ہاتھ میں عصا، کندھے پر جانماز ڈال کر پھرتے تھے۔ اور جسمانی اعتبار سے بہت کمزور تھے۔ شیخ محمد جن کا لقب غوث تھا اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر آپ سے بیعت ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ محمد آپ سے بیعت ہونے کے لئے آئے تو آپ اُٹھ کر ان سے بغلگیر ہوئے اور فرمایا غوث! آجاؤ۔

حاضرین نے دریافت کیا کہ بغیر کسی کمال کے آپ نے ان کو غوث کیوں کہا آپ نے جواب میں فرمایا اس میں کیا حرج ہے باپ اپنے بیٹے کا نام شاہ عالم رکھتا ہے۔

آپ اگرچہ حقیقت میں شاہ قاذن (قاضن) کے خلیفہ تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا میری طرف رجحان ہے اور اس سے مرشد کے صاحبزادہ شیخ ابوالفتح کو تکلیف ہوتی ہے تو آپ شیخ ابوالفتح کے پاس پہنچ گئے اور ان سے مرید ہو کر خلافت حاصل کی۔ شیخ محمد اپنے شجرۂ ارادت میں شیخ ابوالفتح کا نام نہیں لکھتے تھے جس سے شیخ ابوالفتح کو سخت تکلیف ہوتی تھی انہوں (شیخ محمد غوث) نے برسوں تک کالنجر کے قلعہ میں ریاضت و مجاہدہ اور عبادت الٰہی کی اور کمال حاصل کیا نیز عزت و دولتِ دنیاوی کے بھی مالک ہوئے۔

نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ بھی شیخ حاجی حمید کا معتقد ہو گیا تھا۔ آپ نے ۹۶۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک گوالیار میں ہے۔ آپ کی کتاب معراج نامہ بہت مشہور ہے جس میں علمائے گجرات کے انکار کے قصے درج ہیں اور حقیقت

حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے ۔

شیخ محمد غوث کے بھائی شیخ بہلول سے بھی ہمایوں بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی اس لئے یہ بھی اعلیٰ مراتب وعزت وجاہ کے مالک ہوگئے تھے ۔ اور جو آخر میں مرزا ہندال کے ہاتھوں شہید ہوئے جن کی قبر قلعہ بیانہ کے دروازہ پر ہے ۔ [1]

جب بارہ سال کی عمر ہوئی تو طلبِ خدا میں سرگرداں پھرتے ہوئے جونپور تشریف لائے اور قاضی صدر جہاں کے مکان پر قیام کیا ۔ قیام کے دوران تحصیلِ علم میں مصروف رہے ۔ کافیہ وغیرہ تک عبور حاصل کیا ۔ پھر اسی کو کافی سمجھ کر علم باطنی کی تلاش میں مصروف ہوگئے ۔ شیخ ابو الفتح ہدایت اللہ سرمست کی خدمت میں فیض روحانی حاصل کیا ۔ پھر انہی کی ہدایت پر حاجی حمید الدین حضور کی خدمت میں گئے ۔ موصوف نے انہیں سلسلہ شطاریہ میں بیعت فرمایا ۔ آپ کے ساتھ آپ کے برادر بزرگ شیخ پھول (م ۹۴۵ھ) بھی تھے ۔ حاجی حمید الدین حضور نے دونوں بھائیوں کو اپنی فرزندی میں لیا اور تعلیم وتلقین کے بعد شیخ پھول کو اپنے ہمراہ لے کر صوبہ بہار کی طرف روانہ ہوگئے ۔ اور شیخ محمد غوث کو مزید فیضان کے لئے کوہستان چنار میں ریاضت کے لئے چھوڑ دیا ۔ شیخ محمد غوث تیرہ سال چند مہینے عبادت وریاضت میں مشغول رہے ۔ درختوں کے پتے کھا کر یادِ الہٰی کی اس کے بعد جب حاجی حمید الدین حضور واپس ہوئے تو مرید کو بامراد پایا ۔ اسی عرصہ میں اپنی مشہور تصنیف "جواہر خمسہ" لکھی ۔ حاجی حمید الدین حضور نے تمام منازل سلوک طے کرائے اور خرقہ خلافت عطا کیا ۔

مولانا محمد حسن غوثی نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوث روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے ۔ انہوں نے جس کو قبول کر لیا اس کے سر کی اور دل

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۵۱۴ ۔

کی آنکھوں کو مشاھدہ اور معائینہ کا نور حاصل ہو گیا۔ اور ان میں حقیقت بینی کی قوت آگئی۔ [1]

اصحابِ شطّاریہ

یہ تمام علائق دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اور انسانی صحبتوں سے جدا رہتے ہیں ان کا مطمح نظر سوائے درود، اشتیاقِ ذکر و شکر کے کچھ نہیں ہے۔ ان کے نقطۂ نظر سے کشف و کرامات مستحسن نہیں ہیں اور اپنے وقت کو موتوا قبل ان تموتوا کی استقامت میں صرف کرتے ہیں۔ یہ طریقہ پہلے دو طریقوں سے زائد جلد مقصد تک پہنچا دیتا ہے اس طریقہ میں کامیابی کے ذرائع دس ہیں۔

اوّل توبہ یعنی کوئی مطلوب سوائے خدا کے نہ ہو۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوجاتا ہے۔ دوسرے زہد یعنی دنیا و مافیہا سے کچھ تعلق نہ رکھے جیسا کہ موت کیوقت ہو جاتا ہے۔ تیسرے توکل یعنی اسباب ظاہری کو ترک کر دے جیسا کہ موت کے وقت کرتا ہے۔ چوتھے قناعت یعنی جیسا کہ موت کے وقت نفسانی اور شہوانی خواہشوں کو ترک کر دیتا ہے۔ پانچویں عزلت یعنی لوگوں سے کنارہ کشی اور انقطاع کرے جیسا کہ موت کے وقت کرتا ہے۔ چھٹے توجہ یعنی جس طرح موت کے وقت خدا ہی کی طرف توجہ اور اس کے اغراض متعلق ہوتے ہیں کرے۔ ساتویں صبر یعنی تمام نفسانی لذات کو چھوڑ دے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے آٹھویں رضا یعنی اپنے نفس کی رضامندی چھوڑ دے اور اللہ کی رضامندی پر رضامند رہے اور اس کے ازلی احکام کا پابند ہو جائے۔ جیسا کہ موت کیوقت ہو جاتا ہے۔ نویں ذکر یعنی اللہ کے ذکر کے سوا تمام اذکار کو ترک کر دے

---

[1] اذکار ابرار صـ ۲۸۹۔

جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے ۔ دسویں مراقبہ یعنی اپنی تمام قوت و اختیار کو چھوڑ دے ۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے پس ہر طالب کو چاہئے کہ پہلے اتباع شیخ سے تمام بداخلاقیوں سے کہ لوازم مادیت سے ہیں اپنے کو محفوظ رکھے اور اپنے کو کمالات و محاسن کا جامع بنائے اور دل میں سوائے خدا کے کسی کے خیال کو جگہ نہ دے۔

شیخ محمد غوث گوالیاری

م ۱۷ رمضان سنہ ۹۷۰ھ

شیخ محمد بن خطیر الدین بن عبد اللطیف بن معین الدین بن خطیر الدین بن ابو زید بن شیخ فرید الدین عطار شطاری گوالیاری مشہور بہ شیخ محمد غوث

آپ نے نہایت مجاہدہ کے ساتھ زندگی گذاری ہے ، ۱۲ ر برس تک چنار گڑھ کے غاروں میں بڑی ریاضتیں کیں ، اور درختوں کے پتے کھا کر ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ یہانتک کہ صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں آپ چودہ سلسلہائے تصوف کے مقتدا تھے شاہ محمد غوث گوالیاری نے اپنے شیخ طریقت حاجی حمید الدین حضور (متوفی ۹۳۰ھ مطابق ۱۵۲۳ء) سے مستقل قیام کے لئے استفسار کیا تو موصوف نے فرمایا کل جہاں تمہارا ہے جہاں مزاج چاہے رہو اس میں تم کو اختیار دیا گیا ہے ۔

زمانہ ریاضت ہی میں قلعہ گوالیار میں قیام کا اشارہ ہو گیا تھا ۔ بہر حال شاہ محمد غوث گوالیار تشریف لائے اور یہاں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا صاحب مناقب غوثیہ لکھتے ہیں ۔

الغرض جب حضرت غوث اللہ .. رخصت ہو کر گوالیار پہنچے اور وہاں اقامت

کی تو بانگ درویشی و صدائے عظمت ولایت موروثی عالم میں پھیلی، عالم و عالمیاں، ملوک وسلاطین وقت مطیع ومنقاد ہوئے مگر آپ کا یہ حال تھا کہ کوئی شخص مجلس عالی میں دنیا کا نام نہ لے سکتا تھا۔ گوالیار میں کچھ عرصہ قیام کیا تھا کہ مرض خیلرک میں مبتلا ہوگئے اور چھ مہینے تک صاحب فراش رہے۔ جب اس مرض سے صحت پائی تو قاضی رکن الدین اور قاضی خدا بخش کی وساطت سے اپنے شیخ طریقت حضرت حاجی حمید الدین حضور کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ادھر یہ حضرات پیام لے کر چلے اور ادھر حاجی حمید الدین نے شیخ سکندر سے فرمایا آج مجھ کو اطلاع ہوئی کہ اس عالم دون سفلیٰ سے عالم عقبیٰ میں آؤں اور دار فنا سے دار بقار کا سفر کروں۔

میں نے جواب دیا کہ چار روز کے بعد آؤنگا کیونکہ بندگی میاں غوث کے آدمی راستے میں ہیں جب وہ آجائیں گے تو صاحب مقام کو دستار عطار کرکے اس عالم سے اس عالم میں آؤنگا۔ [1]

اس لئے جب قاضی رکن الدین اور قاضی خدا بخش حاجی حمید الدین حضور کی خدمت میں پہنچے تو آپ بہت مسرور ہوئے اور اسی وقت جبہ و دستار طلب کرکے اپنے دست مبارک سے دونوں حضرات کے سپرد کیا اور اپنی جانب سے شاہ محمد غوث (متوفی ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء) کے نام ایک فرمان لکھوا کر دستخط فرما کر قاضی رکن الدین کے حوالے کیا۔ صاحب مناقب غوثیہ نے فرمان مذکور کا یہ مضمون لکھا ہے۔

صحیح فی الدنیا والآخرہ بندگی حضرت شیخ المشائخ میاں محمد غوث متع اللہ المسلمین

---

[1] مناقب غوثیہ اردو ص ۵۲۔

بطول بقائہ، از ظہور شمس النصاری المقدسی مطالعہ فرمانید۔ تمام احوال قابل شکر ہیں۔ قل الحمدللہ دائماً معلوم و روشن ہو کہ اس درویش کو بھی بیس۲۰ رمضان سے ران کا درد ہوا تھا۔ اور جو کچھ مال و احوال اور اقوال اس فقیر کا ظاہر و باطن تھا، آں فرزند کو سونپ کر اپنا قائم مقام کیا بلکہ قالب کا حکم بھی تم شیخ المشائخ کے ہاتھ میں دیا چنانچہ اپنی موجودگی میں صندوق تیار کرا کر حاضرانِ مجلس کو دتمہارے ، آدمیوں کی موجودگی میں نصیحت کر دی ہے کہ ہم کو امانت رکھو قالب کا اختیار بھی فرزندم میاں غوث کو دیا جس جگہ وہ قابل سمجھیں لیجائیں۔

دوسرے یہ کہ آں فرزند کو اپنا قائم مقام کرکے جملہ خلفاء و مریدین کو حوالہ کیا جس کو آں فرزند قبول کرے۔ مقبول۔ اور جس کو مردود کرے مردود۔ اور جبہ و دستار اپنے حضور تمہارے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ یقین کرلو کہ جو کچھ رنج و مشقت اس فقیر نے اٹھایا اور درگاہ حق میں توکل پر ثابت رہا وہ سب آں فرزند کے واسطے تھا۔ یہ فقیر درخت کے سایہ میں مرقد کریگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ اور جو اس فقیر کے سفر کے بعد ہوگا وہ شیخ سکندر کی کتابت سے معلوم ہوگا۔ [1]

حاجی حمیدالدین حضور کی وفات کے بعد شیخ سکندر نے جو مکتوب شاہ محمد غوث کے نام ارسال کیا تھا اور اس میں جو چشم دید واقعات بیان کئے تھے اس کو پڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ حاجی حمیدالدین نے اپنی وفات کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا۔ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا مکتوب مذکور کے آخر میں شیخ سکندر تحریر فرماتے ہیں اکیس۲۱ ذی الحجہ کو ایک پاس شب باقی تھی کہ یکایک فرمایا یارو اٹھو رحمت کا وقت ہے اس درویش کو پھر حکم ہوتا ہے کہ آج چوتھا روز ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء تمہاری ملاقات کے منتظر ہیں شتاب آؤ" اور اس وقت چوڈول پر سوار ہوکر باہر آئے اور اپنے حضور میں قبر درست کرائی۔ بعدہٗ اس چوڈول کو درخت

[1] مناقب غوثیہ اردو ص۵۲/۵۴۔

کے سایہ کے نیچے لائے، جو کوئی اپنا حال عرض کرتا فرماتے فرزندم میاں غوث کے حوالہ کیا۔ یہاں تک کہ صبح صادق چمکی اور آپ سر سے پا تک چادر اوڑھ کر شغل مع اللہ کے ساتھ دار الفناء سے دار البقاء کو رحلت فرما گئے۔

دیگر معروض کہ اس خاک روب آستانہ کو خاک روبی آستانہ کی خدمت پر نواز کر جامۂ خلافت عطا فرمایا ہے لیکن ثابت جب ہی ہو سکے گا جب آنحضرت قبول فرمائیں گے[1]

غرض حضرت حاجی حمید الدین حضور کی وفات کے بعد شاہ محمد غوث گوالیاری مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اور گوالیار میں قیام کرکے دور و نزدیک فیض رسانی کا سلسلہ شروع ہوا، شاہ محمد غوث گوالیاری کے زمانے میں گوالیار میں ایک اور بزرگ بھی قیام پذیر تھے جن کو خواجہ خانوں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

صاحب فیضان ولایت کی ایک تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ خانوں اور شاہ محمد غوث زندگی میں نہیں مل سکے۔ موصوف نے لکھا ہے۔

۹۴۰ھ میں مورخہ یکم جمادی الاول کو آپ نے اپنے بڑے فرزند حضرت خواجہ بندگی احمد قدس اللہ سرہم سے ارشاد فرمایا کہ میں اب تم سب سے رخصت ہوتا ہوں۔ بعد وفات میری تجہیز و تکفین حضرت محمد غوث گوالیاری کریں گے میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ملاقات ان کی ہماری اس وقت پر منحصر ہے۔

آخری جملہ سے ظاہر ہے کہ زندگی میں دونوں بزرگوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔ خواجہ خانوں کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شاہ محمد غوث گوالیاری تشریف لائے اور خواجہ مرحوم کے صاحبزادگان کے ساتھ غسل دیا، تجہیز و تکفین فرمائی اس کے بعد نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی۔ ۹۴۰ھ دوم جمادی الاول وقت چاشت تدفین سے فارغ ہوئے۔

---

[1] مناقب غوثیہ اردو ص ۵۵۔

آپ نے طریقۂ شطاریہ میں حاجی معمر حمید بن ظہیر شطاری کی خدمت میں برسوں باریابی سے تربیت حاصل کی اور منصب مشیخت پر فائز ہوئے ، بابر اور ہمایوں کو ان سے بہت اعتقاد تھا۔ شیر شاہ سوری نے تخت سنبھالنے کے بعد ہمایوں کے مصاحبوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ، ان میں شیخ محمد غوث بھی تھے ۔ شیخ غوث کو جب اس کا علم ہوا تو آپ گجرات روانہ ہوگئے اور احمدآباد پہنچ کر سارنگ پور نامی علاقہ میں رہنے لگے ۔ [۱]

شیخ کا گجرات میں اٹھارہ سال قیام رہا ، اس مدت میں کچھ وقت چانپانیر اور کچھ بھروچ میں بھی گذارا ۔

رسالۂ معراجیہ

گجرات آکر آپ نے ایک رسالہ 'معراجیہ' لکھا جس میں آپ نے اپنی معراج کا ذکر کیا جس کی بنیاد پر بہت سے علماء آپ کے مخالف ہوگئے جن میں شیخ علی متقی پیش پیش تھے ان علماء نے آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا ، یہ سلطان محمود گجراتی کا زمانہ تھا ، محمود نے گجرات کے بڑے عالم شیخ وجیہہ الدین علوی سے اس فتویٰ کے سلسلہ میں رائے معلوم کی ، شیخ وجیہہ الدین شیخ غوث الدین کی روحانیت سے پہلے ہی متأثر ہو چکے تھے اور ان کے مرید ہوگئے تھے چنانچہ جب سلطان محمود شیخ وجیہہ الدین کی خدمت میں شیخ علی متقی کے فتوے کو لے کر حاضر ہوئے تو شیخ وجیہہ الدین نے فتویٰ پڑھکر پھاڑ دیا اور فرمایا کہ !

معراج نامہ میں جتنے واقعات درج کئے گئے ہیں وہ تو عالم خواب کے واقعات ہیں اسلئے جو الزامات حضرت غوث پر لگائے گئے ہیں وہ لغو اور بے بنیاد ہیں عام لوگ ان کا درجہ کیا جانیں ۔ وہ ایسے بڑے درویش ہیں کہ ان تک رسائی مشکل ہے وہ صاحب نسبت اور صاحب کشف وکرامات ہیں ان کا شمار اہل حال اور اہل قال میں ہے ۔ [۲]

شیخ وجیہہ الدین نے نہ صرف آپ کے خلاف فتوے کی مخالفت کی بلکہ ایک رسالہ

---

[۱] تاریخ صوفیائے گجرات [۲] تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم ۔

لکھکر فقہی کتابوں سے مسئلہ تکفیر پر روشنی ڈالی پھر صوفیائے کرام کے احوال سے بحث کی۔ کہ حالت سکر میں جو کچھ کہہ جاتے ہیں وہ قابل مواخذہ نہیں۔ شیخ وجیہہ الدین فرماتے تھے کہ کسی شخص کی سو باتوں میں سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مومن سمجھو اور کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہو۔

محققین کی رائے

لیکن اب بھی محققین کی رائے یہ ہے کہ شیخ محمد غوث گوالیاری کے افکار و معتقدات میں اور خصوصاً روحانی مجاہدات میں ان کا واسطہ جوگیوں سے پڑا۔ ان کی کتاب جواہر خمسہ کے متعلق مولانا ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ!

> اس (جواہر خمسہ) کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس میں نماز احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث وسنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔
>
> جوہر دوم، میں اسماء اکبریہ خاص شیخ کے جمع کئے ہوئے ہیں جن میں فرشتوں کے عبرانی و سریانی نام ہیں اور حرف ندا سے ان کو خطاب کیا گیا ہے جس سے استعانت لغیر اللہ کا شبہ ہوتا ہے۔ ایک دعائے شیخ بھی آتی ہے جس میں عبرانی وسریانی اسماء حرف ندا کے ساتھ ہیں۔ ساری کتاب کی بنیاد دعوت اسماء پر ہے ان اسماء کے موکل مانے گئے ہیں جو اس کی اصل ماہیت سے واقف ہیں۔ حروف تہجی اور ان کے موکلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔[1]

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم۔

راقم السطور کو شروع سے جواہر خمسہ کی شیخ محمد غوث گوالیاری کی طرف نسبت میں تردد تھا۔ جب شیخ کے حالات کتابت کے لئے بھیج دیئے گئے اس کے بعد حسب ذیل سطور جواہر خمسہ نظر میں سے گذریں۔

اور یہ جو کچھ خواص اور فضائل اس عاجز نے لکھے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح سے لکھے ہیں اور انہوں نے اکثر مشائخ کرام کے مکاشفے اور سماع سے تحریر فرمائے ہیں۔ اور بعض خاصیتیں شاہ عبدالرحمن چشتی کی شرح سے اور بعض مولانا احمد الدیرلی شافعی اور بعض مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور بعض مولانا محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمہم اللہ کے فوائد سے اور بعض دیگر کتب معتبرہ سے بھی اخذ کر کے نہایت احتیاط کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علامت حرف (ح) اور شاہ عبدالرحمن چشتی کی علامت حرف (ع) اور باقی بزرگوں کے نام لکھ دیئے گئے ہیں۔ اور جگہ کتاب کا حوالہ بھی ہے۔

ان سطور کے پڑھنے کے بعد کسی کے لئے اب قطعاً اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ جواہر خمسہ جو آج کل دستیاب ہے اس کی نسبت شیخ محمد غوث گوالیاری کی طرف غلط ہے اس لئے کہ سطور بالا میں جن دہلوی مشائخ کا ذکر ہے ان میں اور شیخ محمد غوث میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔

مریدین | شیخ محمد غوث کے سلسلہ شطاریہ میں منسلک ہونے والوں میں علامہ وجیہہ الدین کے علاوہ شیخ صدرالدین ذاکر۔ شیخ لشکر محمد، شیخ ولی محمد، شیخ علی شیر اور شیخ صبغۃ اللہ بھروچی جیسی عظیم شخصیات بھی ہیں جنہوں نے گجرات اور دکن میں اس سلسلہ کو خوب پھیلایا بلکہ شیخ صبغۃ اللہ تو اس سلسلہ کو

لے کر مدینہ منورہ پہونچے اور بڑے بڑے مشائخ مدینہ نے ان سے اس کو حاصل کیا[۱]
شطاری سلسلہ حضرت شیخ بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے۔ شطاری سلسلہ کی
وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سلوک و تصوف میں وہ دوسرے سلسلوں کے بزرگوں سے زیادہ
تیز اور سرگرم (شطار) ہوتے ہیں۔ یہ حضرات جنگلوں میں رہ کر سخت ریاضتیں کرتے تھے ان
کی طرف غیر معمولی افعال و تصرفات منسوب کئے جاتے تھے۔[۲]

۹۶۳ھ میں شیخ محمد غوث گوالیار تشریف لے گئے۔ یہاں کچھ مدت قیام کے بعد
اکبر کے زمانے میں آپ آگرہ آئے۔ مگر یہاں بھی علماء نے آپ کی مخالفت کی آخر آزردہ
دل ہو کر واپس گوالیار تشریف لے گئے۔

آپ کا قول تھا کہ مرشد کامل وہی ہے جس کی صحبت میں مرید
کا دل دنیا کی طلب سے متنفر ہو جائے اور فانی لذتیں
اور جلد ختم ہو جانے والی راحتیں اس کو تلخ معلوم ہوں۔ اور ذکر حق سے مانوس
ہو جائے اور حُبّ دنیا اور آخرت کے نقوش اس کی لوح دل سے مٹ جائیں۔

آپکی کرامت: ایکمرتبہ یہ نقل آپنے بیان فرمائی کہ حضرت شیخ الاسلام شیخ غوث
گوالیاری رضی اللہ عنہ غار چنار میں ایک چشمہ پر وضو فرما رہے تھے یکایک ایک
بڑا سانپ آنکلا اور شیخ کو ڈس لیا۔ آپ کو تو کوئی گزند نہ پہنچا۔ البتہ وہ سانپ
اسی وقت مر گیا۔ اسی غار میں ایک جوگی بھی گوشہ نشین تھا جب اس نے یہ
کیفیت دیکھی دوڑا آیا۔ اور قدمبوس ہو کر شیخ سے کہا کہ آپ "سدہ" ہو گئے ہیں یعنی
کامل ہو گئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تم نے کیسے جانا۔ اس نے کہا ہم لوگوں کی ریاضت
کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس انسان کو ایسی حالت میسر آجائے وہ کامل ہوتا ہے۔

---

[۱] تاریخ گجرات، تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ سفینۃ الاولیاء [۲] رود کوثر ص ۳۱۸، نزہۃ الخواطر اردو ص ۱۴۴

تصانیف رسالہ معراجیہ کے علاوہ جواہر خمسہ، کلید مخازن، ضمائر و بصائر، کنز الوحدہ بحر الحیٰوۃ یادگار ہیں۔ کنز الوحدہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اہل ذوق کے نزدیک ایمان کی پانچ قسمیں ہیں۔ اوّل تکلیفی یہ سب قسموں سے عام ہے اور کافر و مومن سب کو شامل ہے۔ دوم تقلیدی جو عام ہے اور ہر مومن میں پائی جائے گی چاہے وہ مقلد ہو یا محقق ہو۔ سوم۔ استدلالی یہ قسم خاص ہے جو علمائے مومنین میں پائی جائے گی۔ چہارم حقیقی، یہ اخص ہے اور یہ صرف اولیاء میں پائی جاتی ہے۔ پنجم عینی، یہ قسم اس شخص میں پائی جاتی ہے جو ولایت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہو اور اپنی آنکھوں سے احدیت مطلقہ کو دیکھتا ہو۔

وفات آپ کی وفات ۱۷ رمضان ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء میں آگرہ میں ہوئی۔ جہاں سے آپ کا جسد خاکی گوالیار لے جا کر دفنایا گیا۔

شیخ گوالیاری کے مغلیہ دربار سے بھی گہرے تعلقات رہے۔ تزک بابری کے ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۹ء کے واقعات میں لکھا ہے کہ:

محرم کی تیسری کو گوالیار سے شہاب الدین خسرو کے ساتھ شیخ محمد معظم گوالیری رحیم داد کی سفارش کرنے آئے۔

شیخ ممدوح ایک درویش و معظم آدمی ہیں۔ ان کے فرمانے سے رحیم داد کی خطار معاف کر دی گئی۔ اکبر بھی شیخ غوث گوالیری کا معتقد تھا اور اپنے والد نصیر الدین محمد ہمایوں اور دادا ظہیر الدین محمد بابر کی طرح جلال الدین محمد اکبر بھی شاہ محمد غوث سے ربط خاطر رکھتا تھا۔ چنانچہ جب شاہ محمد غوث اکبر آباد تشریف لائے اور بیرم خاں و شیخ گدائی کے ناروا سلوک سے خاطر برداشتہ ہو کر واپس گوالیار گئے تو

---

[1] ظہیر الدین محمد بابر مسلمان و ہندو مؤرخین کی نظر میں صفحہ ۳۹۴۔

اکبر بادشاہ بیرم خاں سے آزردہ ہوگیا۔ اس ربط خاص کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بیرم خاں کی شہادت کے بعد آپ پھر اکبرآباد تشریف لے آئے اور یہیں انتقال فرمایا اور گوالیار میں دفن کیے گئے۔

نورالدین جہانگیر بادشاہ بھی شاہ محمد غوث گوالیاری کے علوِ مرتبت کا قائل تھے۔ بارہویں جشن نوروز کے ذیل میں جو حالات لکھے ہیں اس میں شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی (متوفی ۹۹۷ھ مطابق ۱۵۸۹ء) کے روضہ کی زیارت کے تاثرات کا بیان ہے اسی ضمن میں شاہ محمد غوث گوالیاری کا بھی ذکر آگیا ہے لکھتے ہیں۔

شیخ وجیہہ الدین، شیخ محمد غوث کے ایسے بلند مرتبہ خلیفہ تھے جن پر خود مرشد کو فخر ہوتا ہے۔ شیخ محمد غوث سے شیخ وجیہہ الدین کی ارادت و عقیدت سے خود شیخ محمد غوث کے بزرگ و برتر مرتبے کا پتہ چلتا ہے۔

شیخ غوث کے بہلول نامی ایک بھائی صاحب ارشاد و کرامت بزرگ تھے۔ ہمایوں کو ان سے عقیدت تھی مگر مرزا ہنڈال نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

آپ کی وفات ۱۵ رمضان ۹۷۰ھ میں واقع ہوئی تھی مزار پرانوار گوالیار میں ہے۔

غوث سید قطب عالم — چو در وصل خدا گردید موصول

بتاریخ وصالش گفت سرور — محمد متقی سلطان مقبول [1]

۹۷۰ھ

شیخ میاں غوث گوالیاری پانی پاک رکھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ پانی کے برتن نہایت ہی صاف رکھتے تھے۔ ایسی احتیاط کرتے کسی اور

---

[1] معارف ۳ ج ۹۰ ص ۱۱۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۳۱۸۔

کو نہیں دیکھا گیا میاں غوث کو غصہ بہت آتا تھا۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم شیخ حسین کے ہمراہ میاں غوث سے ملنے گئے۔ شیخ حسین نے ان کے ٹھلیے سے ایک آبخورے میں پانی لے کر پیا اور وہ آبخورہ زمین پر رکھدیا۔ یہ دیکھ کر میاں غوث کو سخت غصہ آیا اور بلند آواز سے کہا ہائے ہائے تم نے آبخورہ نجس کر دیا۔ ان کا اتنا کہنا ہی تھا کہ شیخ حسین نے آبخورہ زمین پر دے مارا اور کہا کہ اگر آبخورہ ناپاک ہوگیا ہے تو اس کو توڑ دینا ہی اچھا ہے یہ سنکر میاں غوث مسکراتے ہوئے شیخ حسین کی طرف بڑھے اور ان کو گلے لگالیا۔ اس پر حاضرین میں سے کسی کو یہ خیال آیا کہ شیخ حسین نے آبخورہ توڑ کر اسراف کیا ہے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے شیخ حسین نے فرمایا امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جو مٹی کا برتن ناپاک ہو جائے اس کا پاک کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس کو توڑ دینے کے سوائے اور کوئی علاج نہیں ہے۔ شیخ حسین شیخ عبدالوہاب کے دوستوں میں سے تھے آپ کو راہ تصوف میں ایک خاص رفتار حاصل تھی اور بے قیدی، بے تکلفی، اور ہمت فرمائی میں ایک خاص طریقہ رکھتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ یہ شیخ حسین ہمارے رشتہ داروں میں سے تھے اور یہ عجیب حالت اور بلند ہمت کے مالک تھے معمولی چیزیں خریدتے وقت ان کے پاس جو کچھ ہوتا وہ سب بیچنے والے کو دیدیتے۔ خواہ وہ مظفری ہوتا یا روپیہ اور کبھی نہ سودا چکاتے اور نہ اس کی قیمت کا حساب کرتے۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم دریائے نربدا کو عبور کرنا چاہتے تھے لیکن دریائے نربدا کے کنارے پر بہت سے لوگ اس لئے جمع تھے کہ نربدا کے بیچ میں ایک شیر اپنی کچھار میں بیٹھ گیا تھا جس کے باعث لوگ دریا میں آنے جانے سے مجبور ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر شیخ حسین اپنے ایک ہاتھ میں

چاقو لے کر اور دوسرے ہاتھ پر ایک چادر لپیٹ کر کچھار کے اندر گھس گئے۔ اور شیر کو وہاں ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوٹ آئے اور لوگوں کے آنے جانے کا راستہ کھول دیا۔

ایک مرتبہ ایک آدمی اونچی جگہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا۔ نیت نماز میں اسے وسوسہ آنے لگا۔ اور اس نے نیت کے الفاظ اتنی بار دہرائے کہ مقتدی کچھ پریشان سے ہو گئے جس پر ان شیخ حسین نے اس زور سے اس امام کے سینہ پر ہاتھ مارا کہ وہ برابر کے پانی میں گر پڑا۔ اور پھر اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہیں رہا۔ ایک مرتبہ شیخ حسین سے ایک طالب علم احیاء العلوم پڑھ رہا تھا۔ جس کی زبان میں سخت لکنت تھی۔ عبارت پڑھتے وقت وہ عاجز اور مضطرب ہوتا تھا۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ دل میں آیا کہ اس طالب علم کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو شیخ حسین نے اس امام کے دلی وساوس دور کرنے کے لئے کیا تھا لیکن میں اس وجہ سے خاموش رہا کہ شاید اس کی ہمت رفتہ رفتہ شیخ حسین کے اثرات قبول کرے گی۔[1]

غوثیہ کتب خانہ حضرت محمد غوث گوالیاری کی اولاد احمد آباد میں آکر آباد ہوئی تو اپنے ساتھ بزرگوں کے بہت سے تبرکات بھی لائی جن میں کتابیں بھی تھیں۔ ان میں ایک بزرگ فضل علی عرف بارک اللہ بڑے صاحب ذوق تھے ان کے پاس ایک اچھا کتب خانہ بھی تھا۔ جب تک اس خاندان میں علمی ذوق رہا کتب خانہ بھی تھا۔ اس کے بعد برباد ہو گیا۔[2]

---

[1] اخبار الاخیار صـ۲۶۲ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ صـ۲۴۹۔

حضرت شاہ محمد غوث گوالیری کے خلفاء کرام

۱۔ شیخ عبداللہ بن محمد غوث گوالیری	گوالیار
۲۔ شیخ مبارک	〃 〃
۳۔ شیخ بدیع الزماں سمرقندی	〃 〃
۴۔ شیخ نورالدین ضیاء اللہ بن شاہ محمد غوث	اکبرآباد
۵۔ شیخ عبداللہ صوفی	〃 〃
۶۔ شیخ اکمل الدین برہان	برہانپور
۷۔ شیخ لشکر محمد عارف	〃 〃
۸۔ شیخ سراج محمد بنبانی	〃 〃
۹۔ شیخ صدرالدین	بڑودہ
۱۰۔ شیخ شمس ذاکر	〃 〃
۱۱۔ شیخ حبیب شطاری	〃 〃
۱۲۔ شیخ محمد اویس بن شاہ محمد غوث گوالیری	احمدآباد
۱۳۔ شیخ اسماعیل 〃 〃 〃 〃	〃 〃
۱۴۔ شیخ محمد عاشق	سنبھل
۱۵۔ مولانا عبدالفتاح ناگوری	اجمیر
۱۶۔ شیخ محمد جمالی	سرہند
۱۷۔ شیخ جلال واصل	کالپی
۱۸۔ شیخ جیوہ عبدالحیٔ	بدولی
۱۹۔ شیخ شمس الدین شیرازی	بیجاپور

۲۰۔ شیخ احمد متوکل — اجین (مالوہ)
۲۱۔ شیخ عالم — ״
۲۲ شیخ منجھن — سارنگ پور
۲۳۔ شیخ عمر — ״
۲۴۔ شیخ وجیہ الدین علوی
۲۵۔ اور شیخ علی شیر بنگالی } اعاظم خلفاء میں سے تھے۔ [1]

مرزا شیخ بہلول

شیخ محمد غوث گوالیاری کے بھائی مرزا شیخ بہلول کے متعلق جہانگیر نے توزک میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ؛

جہانگیر اہل محل کے ساتھ بیانہ کا قلعہ دیکھنے گئے۔ شہنشاہ ہمایوں کے بخشی محمد نے جو ان کے عہد حکومت میں اس قلعے کے قلعدار تھے۔ وہاں صحرا کے رخ پر ایک عمارت تعمیر کی ہے جو نہایت بلند اور ہوا دار ہے۔ شیخ بہلول کا مزار بھی اس کے متصل ہے۔ اور یہ مزار فیض و برکت سے خالی نہیں ہے۔ شیخ بہلول شیخ محمد غوث کے بڑے بھائی تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے مختلف ناموں کے مختلف اثرات کے علم میں مہارت حاصل تھی۔ شہنشاہ ہمایوں ان سے نہایت درجے کا ربط خاطر اور انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔

جس زمانے میں ہمایوں نے بنگال کو فتح کر کے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا تھا۔ اور ہندال مرزا (شاہی حکم کے مطابق آگرے میں مقیم تھا) نے بغاوت کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ جس کی اطلاع مختلف

[1] گلزار ابرار۔ معارف فروری ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۱۳۔

لوگوں کی عرض داشتوں کے ذریعے ان دشہنشاہ ہمایوں) کو ملی۔ انہوں نے اسے سمجھانے بجھانے اور نصیحت کرنے کے لئے شیخ بہلول کو بھیجا تاکہ وہ اس کے باطل ارادے کو دور کرکے اُسے خلوص و اتفاق کی شاہراہ پر لے آئیں چونکہ بدخواہ فسادیوں نے مرزا پر سلطنت کا افسوں پڑھ کر پھونکا تھا۔ اس لئے وہ اپنے باطل ارادوں سے دست بردار ہونے پر راضی اور دوبارہ اطاعت اختیار کرنے کی طرف راغب نہ ہوا۔ بلکہ فسادیوں کی انگیخت پر شیخ بہلول کو چار باغ میں (جو فردوس مکانی ،شہنشاہ بابر،) نے دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کروایا ہے) انہیں تہ تیغ کر دیا

محمد بخشی کو چونکہ شیخ سے عقیدت و ارادت تھی اس لئے ان کی میت کو قلعہ بیانہ میں لاکر دفن کر دیا۔ [۱]

شیخ نورالدین ضیاءاللہ

۳ر رمضان سنہ ۱۰۰۶ھ ۔ ۹ر اپریل سنہ ۱۵۹۸ء !

شیخ غوث گوالیاری کے صاحبزادے ہیں۔ طریقت کے بیان میں آپ کی تقریر دلنواز تقریر تھی اور اسرار حقیقت کی شراب کی مستی سے مدہوش تھے۔ آپ صاف عبارت میں رموز حقیقت بیان فرماتے۔ آپ کی نظر سنگ دلوں کو موم کر دیتی تھی اور شکستہ دلوں کے حق میں مومیائی کا حکم رکھتی تھی آپ فقراء کے ساتھ طالبانہ پیش آتے تھے۔

آپ نے نوافل، خیرات اور عبادات جس قدر اپنے اوپر لازم فرما لی تھیں ان میں فروگذاشت کبھی نہیں ہونے دیا۔ سنہ ۹۷۰ھ میں پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد

---

[۱] توزک جہانگیری ص ۵۲۵ ۔

آپ گوالیار آئے۔ یہاں پر چند روز رہ کر آگرہ چلے گئے اور اس جگہ خانقاہ تعمیر کرائی کم وبیش پینتیس سال حجرہ میں چلہ نشین رہے۔ علم حدیث میں نہروالہ شہر میں کامل دس سال تک شیخ محمد طاہر محدث نہروالہ کی شاگردی کرکے اور نیز شیخ وجیہہ الدین علوی احمد آبادی کے درس سے تمام فنون کی تحصیل کرکے کل علوم میں استاد وقت ہوئے۔ ؛الولد سر لابیہ، کا فروغ آپ کی پیشانی سے درخشاں تھا۔ جس زمانہ میں آپ نہروالہ میں احادیث کی تصحیح کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں احمد آباد سے غوث الاولیاء نے شیخ نور محمد کو خرقہ خلافت اور اجازت نامہ دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اور اجازت عطا فرمائی تھی۔

آپ کی رحلت اس طرح پر ہے کہ جن ایام میں اکبر شاہ لاہور میں تشریف رکھتے تھے ان ایام میں ایک روز ہرنوں کی لڑائی کے ہنگامہ میں ایک ہرن کے سینگ کا ایک کاری زخم شہنشاہ کی ران میں آیا تھا۔ شہنشاہ نے چند روز بعد کہا کہ اس واقعہ کے اندر دور و نزدیک کے جمیع اکابر ادرامراء کے آنے سے ہم نے شیخ ضیاء اللہ کو یاد کیا لیکن شیخ نے ہمیں یاد نہیں کیا۔ شیخ ابوالفضل مبارک نے اس تقریر کی نقل لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجی جب یہ اطلاع آپ کو پہنچی تو آپ لاہور پہنچے اور شہنشاہ نے بھی آپ کی تشریف آوری سے اپنی عافیت اور تن درستی کی فال لی۔ چند روز بعد شہنشاہ نے کہا کہ شاہزادہ دانیال کی ایک حرم امیدوار ہے بادشاہ کو منظور یہ ہے کہ حرم مذکور شیخ ضیاء اللہ کے مکان میں رہے تاکہ وضع حمل اسی جگہ ہو۔ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں دو تین مرتبہ عذر کیا مگر قبول نہیں ہوا اور حرم مذکور نے آپ کے مکان میں آکر وضع حمل کیا۔ چونکہ شیخ اس واقعہ کی اصلیت سے بالکل محترز تھے لہذا اپنی زندگانی سے ہی تنگ دل ہوگئے۔ ایک ہفتہ بعد مرض الموت پیش آیا اور ۳ رمضان المبارک ۱۰۰۵ھ؁ میں واصل بحق ہوئے۔[1]

---

[1] گلزار ابرار ص ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳ -

گلزار ابرار میں آپ کے حالات اس طرح لکھے ہیں :
مشہور محدث شیخ ضیاء اللہ بن محمد غوث گوالیری ۔ شیخ فریدالدین عطار رح کی اولاد میں سے ہیں ۔ آپ نے صغر سنی میں گجرات کی طرف سفر فرمایا ۔ شیخ وجیہ الدین علوی سے پڑھا ۔ اور بالخصوص حدیث محمد بن طاہر بن علی پٹنی رح سے پڑھی ۔ اور دس سال انکی خدمت میں رہے ۔

طالب علمی ہی کے زمانے میں آپ کے والد محترم نے آپ کے لئے خرقہ خلافت بھیجا ۔ اسی لئے اپنے والد کی وفات کے بعد ۹۷۰ھ میں جب آپ گوالیار واپس لوٹ کر گئے ہیں تو وہاں جتنا عرصہ قیام رہا ۔ عوام طریقت میں آپ کی طرف رجوع کرتے رہے ۔ اس کے بعد آپ گوالیار سے اکبر آباد تشریف لے گئے اور وہاں سکونت پذیر ہوئے ۔ تقریباً ۲۵ سال کے طویل عرصہ تک وہاں علم وفضل کے دریا بہاتے رہے ۔

آپ کی شخصیت بہت باوقار تھی ۔ تصوف ، وتفسیر اور حدیث کے دقائق اور حکمتوں کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ سننے والے حیران ہوتے تھے ۔ آپ کا کلام بڑا شیریں ہوتا تھا ۔ تمام علوم میں آپ دسترس رکھتے تھے اسی وجہ سے جتنی آپ کی مقبولیت عوام میں تھی اتنی بلکہ اس سے زیادہ امراء کے یہاں تھی ۔

اکبر آپ کا اس قدر دلدادہ ہوا کہ متعدد دفعہ آپ کو بلوا کر آپ کے فیض و صحبت سے مستفید ہوا ۔ البتہ بدایونی جب آپ سے ملے ہیں تو آپکے سوال وجواب سے وہ زیادہ خوش نہیں ہوئے ۔

؛ صاحب مآثر الامراء ، نے آپ کا سن وفات ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۶ء رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو بیان کیا ہے ۔ [1]

---

[1] مآثر الامراء ، نزہۃ الخواطر ۲۹۷ صفحہ ۱۸۶/۵ ۔

شیخ عبداللہ گوالیری

۱۸ محرم سنہ ۱۰۲۱ھ / ۲۰ مارچ سنہ ۱۶۱۲ء

شیخ عبداللہ بن محمد غوث بن خطیرالدین عطاری شطاری گوالیری مشہور صوفیاء میں سے ہیں۔ آپ کا مولد و منشاء گوالیار ہے۔ آپ نے شیخ مبارک گوالیری سے علم حاصل کیا۔ نیز علامہ وجیہہ الدین علوی سے بھی آپ نے پڑھا۔ اور ایک طویل زمانہ تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر اپنے والد مکرم کی جگہ ارشاد و تلقین میں مصروف ہوئے اور ایک عرصہ تک طریقت کی خدمت سرانجام دیتے رہے اکبر نے آپ کو اپنے مقربین میں سے بنایا۔ اور بعض منصب آپ کے سپرد کئے گئے۔ مگر ۱۰۱۴ھ میں جہانگیر کے دور حکومت میں آپ ان مناصب سے مستعفی ہو کر گوالیار واپس تشریف لے آئے۔ اور وہاں کی مسند مشیخت پر متمکن ہوئے اور ۱۸ محرم ۱۰۲۱ھ / ۲۰ مارچ ۱۶۱۲ء کو آپ نے گوالیار میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے [۱]

شیخ صالح بن محمد

شیخ صالح بن محمد بن تاج چانپانیری۔ ان علماء میں سے تھے۔ جو علم و فضل اور صلاح و تقویٰ میں مشہور تھے۔ آپ کا مولد و منشا چانپانیر ہے۔ قرآن کریم اور مختصرات کو آپ نے حفظ کیا۔ پھر آگرہ کا سفر کیا اور شیخ ضیاء اللہ بن محمد غوث شطاری گوالیری سے پندرہ سال تک انکی صحبت میں رہ کر ان سے استفادہ کیا۔ جب شیخ ضیاء اللہ کا انتقال ہو گیا تو منڈو چلے آئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں نکاح کیا۔ اور شیخ محمود بن جلال گجراتی سے استفادہ کیا

---

[۱] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۶۳ ۔

اور انہیں شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی کی طرف سے بھی اجازت حاصل ہے۔ اور آپ صاحبِ وجد و حال تھے۔

۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء تک آپ زندہ تھے۔ [1]

شیخ محمد بن اویس گوالیاری

آپ کا نسب ماں کی طرف سے شاہ میر شیرازی ثم الگجراتی تک پہنچتا ہے آپ اپنے زمانے کے مشہور علماء میں سے تھے۔ آپ کا مولد و منشا بھی گجرات ہے۔ اپنے زمانہ کے مشہور اساتذہ سے آپ نے علم پڑھا اور اپنے والد کے حجرۂ خاص میں ایک زمانہ تک خلوت گزیں رہے۔ شیخ محمد حسن مندوی ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء میں آپ سے احمدآباد میں ملے ہیں۔ [2]

شیخ علی شیر بنگالی

م سنہ ۹۷۰ھ / سنہ ۱۵۶۳ء کے بعد

عالم کبیر شیخ علی شیر حنفی بنگالی ثم گجراتی از نسل شیخ نور الہدیٰ ابو البرکات (جو شیخ جلال الدین چشتی کی اولاد سے تھے)۔ مولد و منشا سرزمین بنگال ہے علم کے لئے اودھ کا سفر کیا۔ برسوں وہاں رہے پھر دہلی چلے آئے۔ شیخ محمد غوث گوالیاری مصنف "الجواہر الخمسہ" کی خدمت میں برسوں باریاب رہے ان سے طریقت میں درس لیا ان کی مشایعت میں گجرات آئے اور احمدآباد کی مسجد عماد الملک میں سکونت پذیر رہے۔ نزھۃ الارواح کے نام سے آپ کی ایک تصنیف ہے۔ اس کے شروع میں آپ نے اپنے حالات اس طرح تحریر فرمائے ہیں۔

---

[1] گلزار ابرار، نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۷۹۔ [2] ایضاً ج ۵ ص ۹۹ ع ۱۱۸۔

یہ درویش جب سن آغاز شباب کو پہنچا تو خدا طلبی، حق پرستی اور خدا شناسی کے درد نے دل کا گریبان ہاتھ سے پکڑ کر ایسے دانا کی جستجو میں وطن سے آوارہ کیا جو اپنی رہنمائی کے ذریعہ راستہ دکھائے اور درد دل کے امراض کا علاج کرے۔ اتفاق سے ایسا ہوا کہ جس شناسا کے سامنے اندرونی درد بیان کیا۔ اس کی تلقین نے کوئی درستی دل کی نہیں کی القصہ ایک رات قصبہ اودھ میں اسی اندیشہ کے اندر غنودگی آگئی اور غوث الاولیا قدس سرہٗ کی مثالی۔۔ صورت مشاہدہ کی۔ اس مشاہدہ نے مجھ کو فریفتہ کر دیا۔

اب آرزوؤں کا ہجوم ہوا کہ بیداری میں دولت، ملازمت حاصل کی جاوے۔ اسی اثناء میں خبر ملی کہ غوث الاولیاء آسودگانِ دہلی کی زیارت کے واسطے تشریف لائے ہیں۔ میں بے تامل دہلی کی طرف روانہ ہوا جب موضع کیلوکہری میں پہنچا تو یہاں پر عالم بیداری میں وہی صورت نظر آئی جو میں عالم مثال میں دیکھ چکا تھا۔ پھر آپ سے بیعت ہوا اور آپ کی خدمت میں چند سال گذار کر بہت کچھ فیض حاصل کیا۔ اتنے میں پیر بزرگوار نے افغانان سور کی بدباطنی دیکھکر گجرات کی طرف ہجرت فرمائی۔ درویش بھی آپ کے ہم رکاب بھروچ تک گیا تھا۔ چند روز بعد احمد آباد رہنے کی اجازت ہوئی۔ چنانچہ میں اس شہر اسلام پہنچا اور ملک عماد الملک رومی کی مسجد میں ایک گوشہ اختیار کیا۔ چونکہ عالم باطن سے سفر حجاز کا اجازت نامہ نہیں ملا تھا لہذا چند روز بعد پیر بزرگوار بھی بھروچ سے واپس ہو کر احمد آباد میں تشریف لے آئے یہاں پر بعض کوتاہ اندیش عالم اور چھوٹی نظر والے خرقہ پوش آپ کے ساتھ دشمنی کا بہانہ ڈھونڈنے لگے اور نادانستہ و نافہمیدہ باتیں آپ

کی نسبت کہکر آپ کے صاف اور شفاف دل کو اور زیادہ روشن کیا
اس جگہ کا رہنا آپ کو ناگوار رہا۔ ایک بارگی آسمان سے خوشخبری آئی
کہ ہجرت کا جو سبب تھا وہ دور ہوا اور معاودت کا باعث پیدا ہو گیا۔
یہ سنکر آپنے گوالیار کی طرف کوچ فرمایا مگر درویش کو اُسی جگہ چھوڑا
اور آپ کے ارشاد کے بموجب شرح نزہۃ کا تتمہ قلم تصنیف سے مرتب کیا
گیا۔ سلہ

شیخ علی شیر نزہۃ الارواح۔ جام جہانان، اور سوانح غزالی کی شروح کے مصنف
ہیں۔ ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ء کے بعد رحلت فرمائی۔ خوابگاہ احمد آباد میں ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

شیخ لشکر محمد عارف قدس سرہٗ

م ۲ر شوال ۹۹۳ھ بمطابق ۲۵ر ستمبر ۱۵۸۵ء

آپ ملک راجن ابن ملک پیر ابن ملک رکن قریشی کے فرزند ہیں۔ یکتائے زمانہ
اور علم الٰہی میں اپنی نظیر آپ تھے۔

مضافات گجرات میں ایک قصبہ مہلاسہ ہے اس قصبہ میں دسویں صدی کے آغاز
میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کی والدہ نے تیرہ روز بعد اور والد نے چھ برس بعد
رحلت فرمائی۔ اور آپ یتیم ہو گئے، لہٰذا آپ کی پرورش کی نوبت آپ کے دادا کو پہنچی
آپ کے آبائے کرام سپاہی شعار تھے۔ آپ ابتدائے زمانہ ہوش میں قاضی محمود بیرپوری
کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے۔ ایک روز آپ نے فرمایا، قاضی محمود کو پیٹ
کی بیماری تھی۔ ایک میدان میں پردہ کی ضرورت پیش آئی، اسی اثنا میں میرے دادا
کا اونٹ آپہنچا میں نے اسکو بیٹھایا اور اسباب میں سے خیمہ نکال کر کھڑا کر دیا میرے

سلہ نزہۃ الخواطر اردو ۲۷۴۔ گلزار ابرار ص ۳۰۸۔ نزہۃ الخواطر عربی ۲۸۰ ص ۲۴۴/۴

اس عمل سے پیر بہت خوش ہوئے اور ان کی خوشی سے میرے حالات بہت کچھ درست ہوئے۔ سپاہ گری آباؤ و اجداد کا طریقہ تھا اس کو میں نے سولہ برس کی عمر میں ترک کر دیا اور حقیقی رہنمائی کی تلاش کرنے لگا۔ طلب حق نے مجھ کو بحر المعارف شیخ قطب جہاں ذاکر نہر والہ کی خدمت میں پہنچایا۔ شیخ نے اوّلاً مجھ کو ذکر کا شغل تلقین فرمایا وہ ذکر اس طرح میرے دل پر غالب ہوا کہ دو سال تک میرے دل پر تمام اشیاء کی آمد و رفت کا سلسلہ ہی بند رہا۔ میں رسالہ منہاج العابدین پڑھا کرتا تھا۔ جب تک پڑھے ہوئے سبق کے مفہوم کے ساتھ متصف نہیں ہو جاتا تھا سبق آگے نہیں پڑھتا تھا۔ اس کے بعد ۹۵۱ھ میں احمدآباد گجرات میں غوث الاولیاء قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا۔ گوالیار واپسی پر میں نے رفاقت کا عزم ظاہر کیا تو ارشاد ہوا عارف! ہم تم کو اپنی جگہ طالبانِ معرفت کی ہدایت کے واسطے اسی صوبہ میں چھوڑتے ہیں، چنانچہ بتعمیل حکم مرشد کم و بیش تیس سال تک احمدآباد میں رہے اور ۹۸۲ھ میں برہانپور خاندیس کی طرف روانہ ہو گئے۔

۹۹۳ھ تک طالبانِ خدا کی راہنمائی فرماتے رہے یہاں تک کہ پیام اجل آگیا۔ اور ۲ر شوال ۹۹۳ھ مطابق ۱۵ر دسمبر ۱۵۸۵ء کو رحلت فرما گئے۔ تاریخ وفات۔ "لشکر محمد عارف" آپ کے نام سے نکلتی ہے۔

آپ فرماتے تھے، خدا کو پہنچنا آسان ہے لیکن حضور خاتم النبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا دشوار بلکہ سخت دشوار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ تمام اشیاء پر جداگانہ خاص خاص طریقوں کے ساتھ متجلی ہیں اور اپنے اپنے خاص طریقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف ہر ایک کا راستہ لگا ہوا ہے۔ پس اس خاص طریقہ کے ساتھ وجود مطلق کے تعین اور تشخص کا ادراک یہی خدا کا پالینا ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت جمیع الہٰی اور امکانی کمالات کی جامع ہے، اس حقیقت کی

شناخت تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کے ساتھ متصف ہونے پر موقوف ہے۔ متفرق تعینات کے ساتھ جو طریقے منصوص ہیں جب تک ان تمام طریقوں کے ساتھ وجود کی معرفت اجمالاً اور تفصیلاً حاصل نہ ہو تب تک طالب ذات بابرکات احمدی علیہ السلام کا عارف نہیں ہوسکتا ہے۔ سیّد عبدالغفور سندھی نے جب آپؒ کے حضور میں رسم بیعت ادا کی تو آپ نے فرمایا، عیسیٰ! شیخ ابوالعباس قصاب کہتے تھے میرے والد مجھ کو بزکشی کے سوا دوسرا کام سکھاتے ہی نہ تھے اور استعداد کی تعلیم نے ولایت کے اس عالی مرتبہ کو پہنچایا۔ اور خود میرے آبار و اجداد کا شعار مردم کشی (سپاہیانہ نوکری) تھا۔ دیکھو استعداد نے مجھے کہاں سے کہاں لاکر اکابر اور سادات کی راہنمائی کے واسطے مامور کیا ہے، نیز آپ فرمایا کرتے تھے، اپنی قطبیت کا خطاب میں بہت دنوں تک پوشیدہ رکھتا رہا۔

خانخاناں، شیخ ابوالخیر مبارک، مولانا صالح سندھی، قاضی عبدالعزیز عیسیٰ قادری، اجینی اور قاضی نصیر ابن شیخ سراج محمد بنبانی کے ساتھ آپ کی مجلس رہتی تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا، بایزیدی مقام پر مجھ کو لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا احسان ہے کہ میری زبان سبحانی کہنے سے محفوظ رہی، اور فرمایا، عیسیٰ! سبحان ربی الاعلیٰ بہتر ہے۔ یا سبحانی الاعلیٰ؟ اور سبحانہ کہنا اچھا ہے یا سبحانی کہنا، میں نے عرض کیا نہیں سبحانہ کہنا ہی اچھا ہے۔ اور فرمایا۔

ولاریب فیہ خصوصًا لمن کان	اس میں کچھ شک نہیں ہے بالخصوص
لہ قلب او القی السمع وھو شہید	اس شخص کے واسطے جو صاحب دل ہے
لان القائل بقولہ سبحانہ	یا کان لگا کر حضور قلب سے بات کو سنتا
متصف بالکون بعد الاتصاف	ہے کیونکہ سبحانہ کہنے والا الوہیت کے
بالالوھیۃ کما اتصف الحق بہ	ساتھ متصف ہونے کے بعد امکان کے

بعد ما کان واجبًا والقائل بکلمۃ
سبحانی ھو المتصف بالوجوب
بلا اعتبار اتصافہ بالکون
فالاول محقق والثانی مجذوب
ومقام التحقیق اسنی من
مقام الجذبۃ ۔

ساتھ متصف ہے جیسے کہ حق بعد اس کے
کہ واجب تھا اب امکان کے ساتھ
متصف ہوگیا اور کلمہ سبحانی کہنے والا
وجوب کے ساتھ متصف ہوتا ہے جس
کے اندر امکان کے ساتھ متصف ہونے
کے اعتبار کو دخل نہیں پس سبحانہ کہنے والا
محقق ہے اور سبحانی کہنے والا مجذوب ہے
اور مقام تحقیق مقام جذبہ سے روشن تر
ہوتا ہے ۔

اس لئے کہ جب سلطان العارفین ابویزید بسطامی نے مقام سبحانی سے ترقی فرمائی
تو بول اٹھے ۔

ان قلت یومًا سبحانی
ما اعظم شانی فانا مجوسی
وانا کافر واقطع زناری واقول اشھد
ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ

اگر میں نے کسی روز سبحانی ما اعظم شانی کہا
تو میں مجوسی اور کافر ہوگیا ۔ اور اب میں
زنار قطع کرکے کہتا ہوں اشہدان لآ الہ
الآ اللہ واشہدان محمد رسول اللہ ۔

انوار الاسرار کے دیباچہ میں جہاں اقسام تفسیر لکھے ہیں، لکھتے ہیں ۔

قولہ ومن فسرہ واولہ علی
الباطن ولم یلتفت الی ظاھرہ
اصلاً کما ذھب الی فرعون
انہ طغی یراد بھا ان موسٰی
روحہ وفرعون نفسہ من

مسیح الاولیاء کا بیان ہے ۔ جس شخص
نے قرآن کریم کی تفسیر کی اور صرف باطن
کی طرف تاویل کرکے کھینچ لے گیا اور ظاہر
کی طرف قطعی ملتفت نہیں ہوا جیسے اِذْھَبْ
اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہ طَغٰی سے ارادہ کیا کہ موسیٰ

غیر ملاحظۃ معنی الاصلی الذی نزل لاجلہ فھو باطنی نبطونہ فی احد معانیہ ومن فسرہ علی الظاھر الصرف من غیر ایمان واقرار بالاشارات والنکت التی ھی عین البلاغۃ الی ربہ ومحض الفصاحۃ من نفسہ فھو حشوی خارجی ما رای من جلال قرأتہ الامن اوقات عزتہ ولم یظفر بدخولہ فی مجلس وقوفہ علی جبالہ المندرج فیہ و المندمج تحتہ ومن جمع بینھما فھو العارف الکامل الواقف بالکتاب وبمراد نزولہ

اس کی روح ہے اور فرعون اس کا نفس ہے بغیر ان اصلی معنیٰ کے لحاظ کے جن کے واسطے خاص کر قرآن کریم نازل ہوا ہے وہ شخص باطنی ہے کیونکہ قرآن کریم کے دونوں معانی میں سے ایک کو چھوڑ کر ایک کے اندر گھس گیا اور جس شخص نے قرآن کریم کی تفسیر صرف ظاہر پر کی اور جو اشارات اور نکات اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی نسبت کر کے عین بلاغت ہیں۔ اور تفسیر کنندہ کی نسبت کر کے محض فصاحت ہیں ان اشارات اور نکات کا یہ مفسر نہ ایمان رکھتا ہے اور نہ اقرار کرتا ہے وہ شخص حشوی خارجی ہے جس کو جلال قرآۃ میں سے بیرونی پردہائی عزت کے سوا کچھ نہیں نظر آیا اور اس کو محل قیام میں داخل ہو کر اس جمال کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا جو اس کے اندر مندرج اور پوشیدہ ہے اور جس شخص نے ظاہری اور باطنی دونوں معانی کو جمع کیا وہ شخص عارف کامل ہے اور کتاب سے اور مراد نزول سے واقف ہے۔ [۱]

---

[۱] گلزار ابرار ص۳۶۱ تا ۳۶۹

شیخ طاہر محمد سندھی

وفات ۱۰۰۴ھ بمطابق ۱۵۹۵ء

شیخ طاہر محمد بن شیخ یوسف بن رکن الدین سندھی ۔ آپ کا وطن پاتری سندھ ہے جو آپ کے آباؤ اجداد کا آباد کیا ہوا ہے ۔ آپ کی ولادت کے وقت قصبہ پاتری دینداراور نیک طینت لوگوں کیوجہ سے گہوارۂ علوم بنا ہوا تھا ۔

تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے کہ آغاز ہوش میں آپ حصولِ علم کے شوق میں سفر کرکے حضرت شیخ شہاب الدین سندھی کی خدمت میں پہنچے اور منطق کی کتاب شرح شمسیہ پڑھنے کی خواہش کی ۔ شیخ نے یہ درس اپنے مناسب حال نہ دیکھ کر امام غزالی رح کی منہاج العابدین پڑھنے کی ترغیب دی ۔ اس سفر میں آپ کے بڑے بھائی شیخ طیب اور والد محترم بھی ساتھ تھے چونکہ مذکورہ کتاب نہ تھی لہذا ان تینوں شیدایانِ علم نے مل کر دو ہفتہ میں کتاب کی نقل کی اور سبق شروع کر دیا ۔ [۱]

نوجوانی میں یہ علم کا شوق اور پھر والد ماجد کی سرپرستی نے آپ کو عالم شباب ہی میں علوم سے معمور کر دیا تھا ۔ پھر اپنے دو چچا زاد بھائیوں شیخ معروف اور شیخ عثمان سے مرصاد العباد کا درس لیا اور انکی صحبت میں رہ کر علوم تصوف سے بھی وافر حصہ حاصل کیا ۔ یہ دونوں بزرگ اپنے زمانے کے مشہور صوفیاء میں سے تھے ۔

خاندان کی ذمہ داری

والد ماجد اور بڑے بھائی کی وفات کے بعد شیخ طاہر محمد اپنے خاندان کے کفیل بنے ۔ اسی دوران اپنے چھوٹے بھائی شیخ قاسم کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا ۔ ان ساری ذمہ داریوں کے باوجود اپنے علمی مشاغل کو برابر جاری رکھا بلکہ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی حصول علم کی طرف

[۱] تذکرہ اولیائے سندھ ۔

مشہور گنبد مقبرہ دریا خان، شاہی باغ، احمد آباد
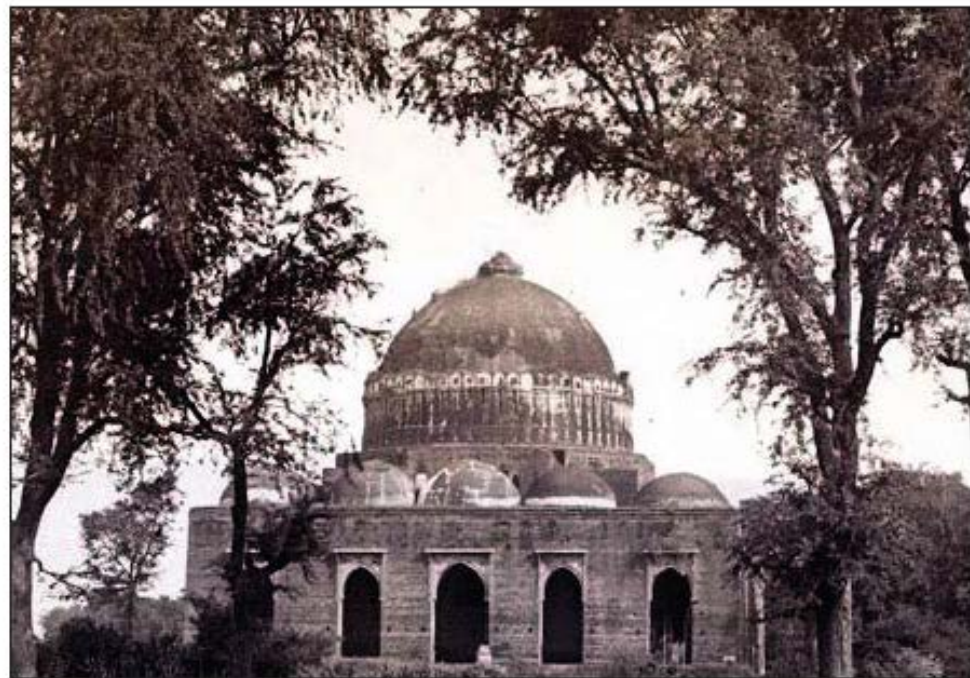
مقبرہ، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد

مقبرہ، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد
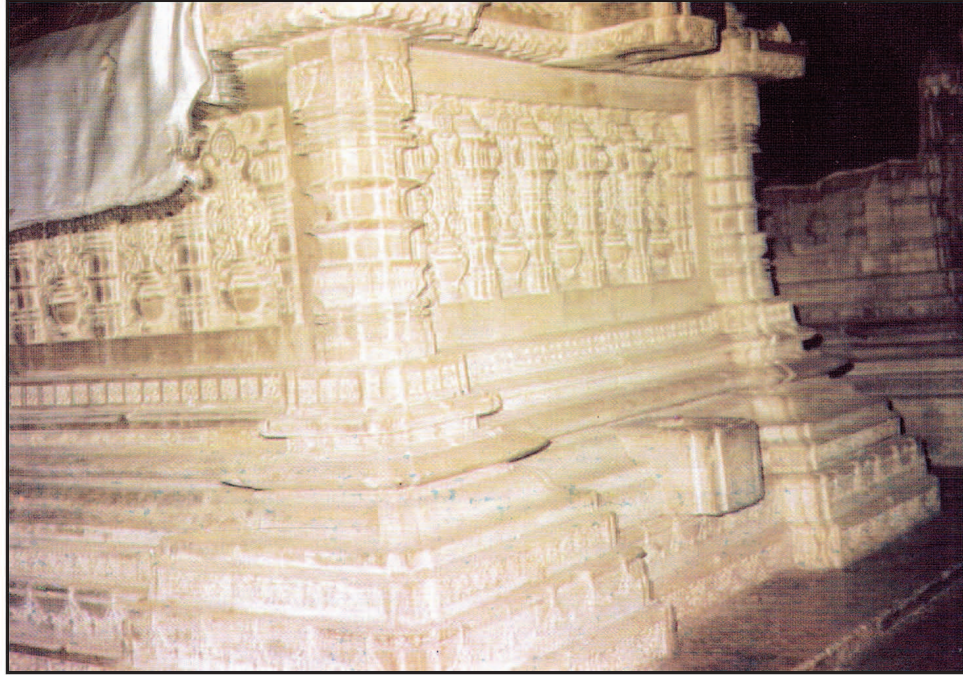
قبر محمود بیگڑہ، سرخیز، احمد آباد

مزار حضرت شیر علی شاہ صاحبؒ، سرخیز، احمد آباد
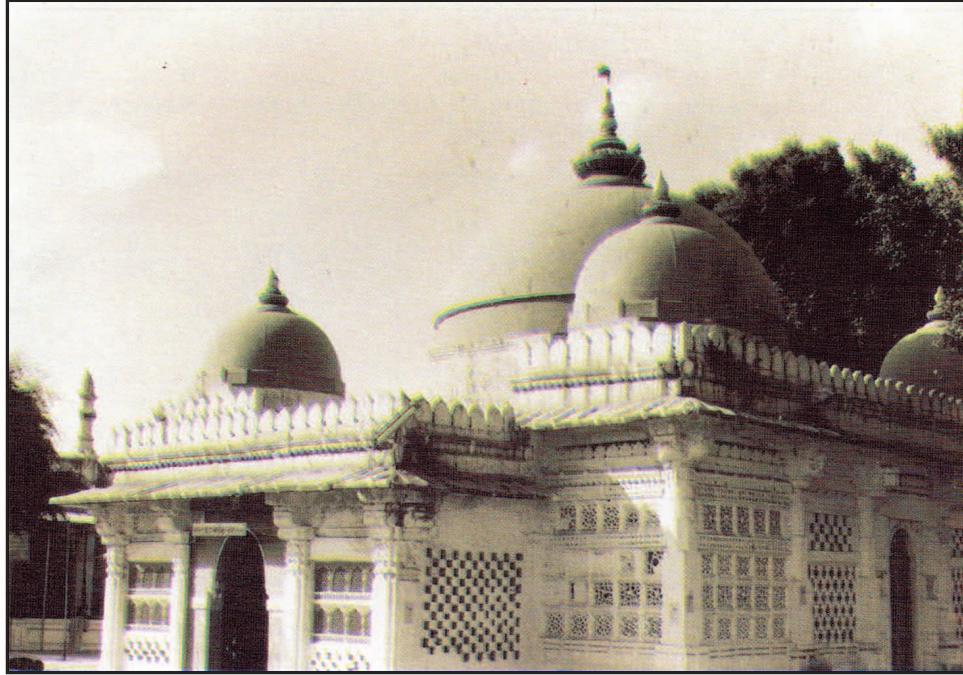
مقبرہ حضرت شیخ علی شاہ صاحبؒ، سرخیز، احمد آباد

مقبرہ رانی سپری (صبری) استوریا دروازہ، احمد آباد

مزار حضرت جمن شاہؒ، نورنگپورہ، آشرم روڈ، احمد آباد

مقبرہ سیدی بشیر، سارنگ پور، احمد آباد

مقبرہ ملک شعبان صاحبؒ، باپونگر، احمد آباد

مقبرہ حضرت اعظم معظم صاحبان، سرخیز روڈ، احمد آباد

صدر دروازہ، مقبرہ سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد

بیرونی منظر، مقبرہ حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

مزار حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد
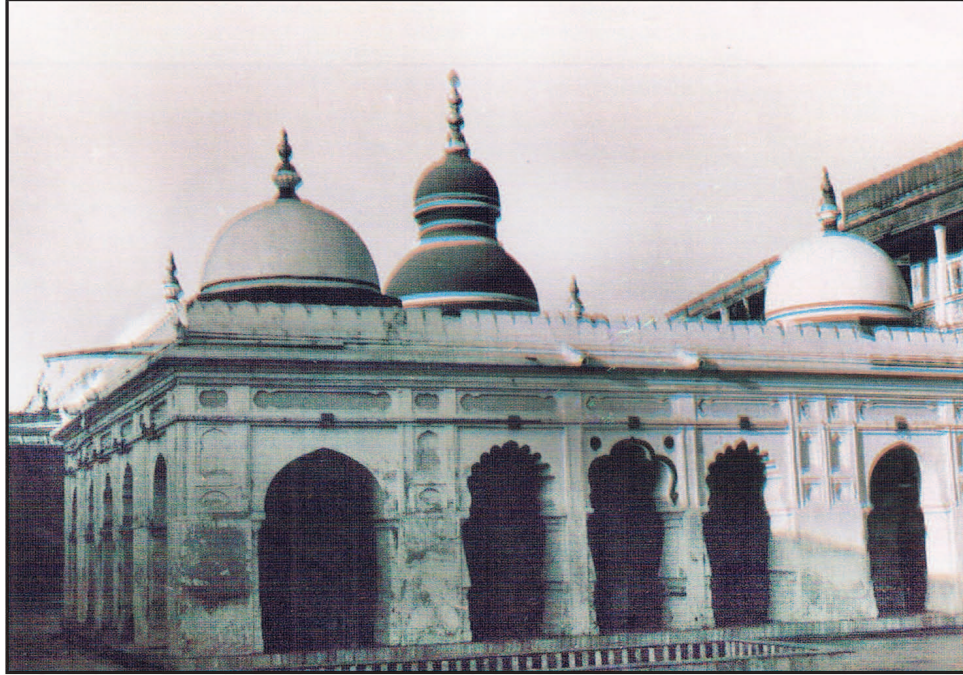
ایک اور منظر، مقبرہ حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

دروازہ مزار حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد
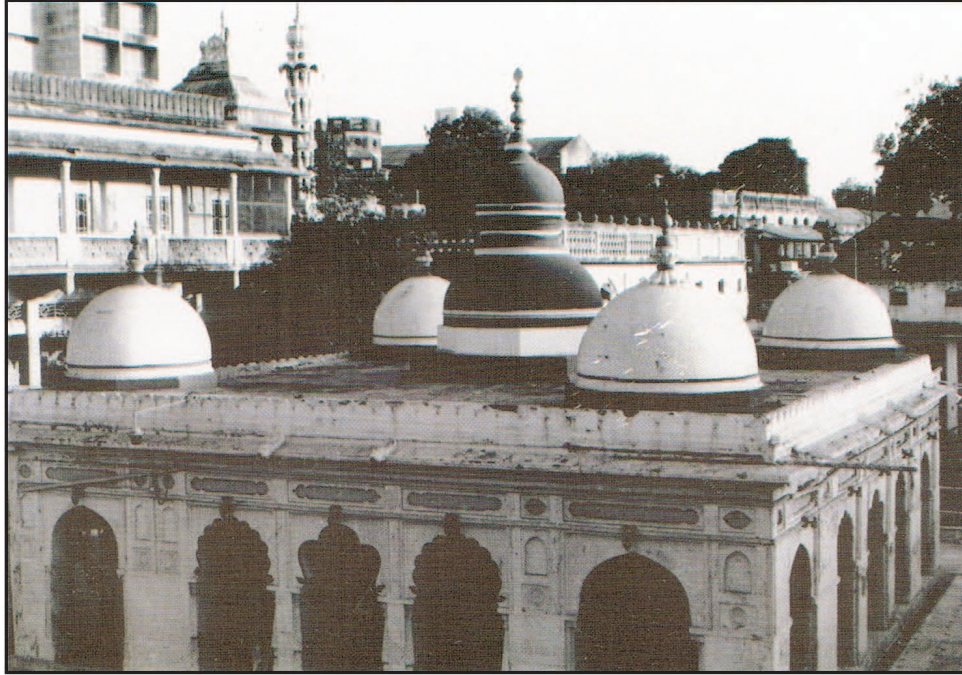
مقبرہ حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

تالاب وشاہی گھاٹ، سرخیز احمد آباد

توجہ دلاکرانکی اس میدان میں خوب مدد کرتے رہے چنانچہ شیخ قاسم نے بھی جوانی ہی میں عالم و فاضل ہونے کا شرف حاصل کر لیا۔

احمد آباد میں آمد

ایک خیال یہ ہے کہ جب سندھ میں ہمایوں کی آمد ہوئی اور حالات خراب ہونے لگے تو شیخ طاہر اپنے خاندان کو لے کر ۹۵۰ھ میں احمد آباد پہنچے [۱]

صاحب تذکرہ اولیاء سندھ کے خیال میں شیخ طاہر کے اپنے وطن ترک کرنے کی مذکورہ وجہ صحیح نہیں کیونکہ ۹۵۰ھ میں سندھ اور آپ کا وطن ہر اعتبار سے مامون تھا۔ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شیخ طاہر محمد کو سندھ کے حالات خراب ہونے کا علم بذریعہ کشف پہلے ہی ہو چکا تھا اور حالات کے ابتر ہونے سے پہلے آپ اپنے خاندان سمیت وطن چھوڑ کر احمد آباد تشریف لائے [۲]

حضرت غوث گوالیاری سے ارادت

احمد آباد میں ان دنوں حضرت غوث گوالیاری کا شہرہ تھا چنانچہ آپ اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ ان کی خدمت میں پہنچے یہاں مریدوں کا ایک بہت بڑا مجمع لگا ہوا تھا۔ تذکرۂ اولیائے سندھ میں بحوالہ کشف الحقائق مذکور ہے کہ شیخ محمد غوث نے نظر محبت سے شیخ طاہر محمد کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ان کا شیشہ نہایت صاف ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس میں شراب بھر دی جائے۔

شیخ طاہر اس وقت اس بات کو نہ سمجھ پائے اور اپنے علم و تقویٰ کے پیش نظر اس جملہ کو خلاف شرع سمجھ کر مجلس سے چلے آئے بلکہ آپ کی طبیعت اتنی مکدر ہوئی کہ آپنے سفر کی تیاری شروع کر دی اس لیے کہ ان کا ارادہ برار کی طرف جانے کا تھا۔ [۳]

دوسرے روز صبح باوجود بارش کے آثار ہونے کے رخت سفر باندھ کر عازم سفر ہوگئے

---

[۱] تذکرہ قاریان ہند [۲] تذکرہ اولیائے سندھ۔ [۳] تذکرہ اولیاء سندھ

اور پھر بارش بھی شروع ہوگئی۔ لیکن یہ قافلہ رواں دواں ہوگیا۔ درمیانِ راہ ایک نالہ پڑ گذر رہوا یہ نالہ اکثر بارش کیوجہ سے چڑھ آتا تھا اور ناقابلِ عبور رہو جاتا تھا لیکن بارش کے موقوف ہوتے ہی اُتر جایا کرتا تھا۔ شیخ طاہر محمد کا قافلہ بھی اس کے اُترنے کے انتظار میں ٹھہر گیا یہاں تک کہ شام ہوگئی چنانچہ نے قافلہ نے قریب ہی کے ایک گاؤں میں پڑاؤ ڈالا، گاؤں والوں کو بھی نالہ کی اس طغیانی پر سخت تعجب تھا۔ دوسرے دن بھی نالہ ایسا ہی ناقابل عبور تھا اور اسی طرح چھ دن گذر گئے اور اب قافلہ والوں کا گاؤں میں مزید قیام ناممکن تھا لہذا یہ طے ہوا کہ واپس احمد آباد لوٹ جائیں۔ [1]

شیخ طاہر محمد کا خیال پھر شیخ محمد غوث گوالیاری کی خدمت میں جانے کا ہوا۔ چنانچہ حاضر خدمت ہوئے اور شیخ محمد غوث سے ملاقات ہوئی۔ شیخ محمد غوث نے مسکرا کر فرمایا کہ آپ تو بھاگ کھڑے ہوئے تھے مگر ہم نے جانے نہیں دیا۔ [2]

شیخ طاہر محمد صاحب اب سمجھے کہ نالہ کی خلافِ معمول طغیانی حضرت شیخ محمد غوث صاحب کا روحانی اثر تھا۔ چنانچہ اسی وقت شیخ طاہر محمد نے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی شیخ محمد غوث نے انہیں اپنے خانوادہ میں قبول فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ [3]

برار میں آمد موسم کے ٹھیک ہونے پر اپنے مرشد سے اجازت لے کر برار کی طرف روانہ ہوئے۔ برار کا نظم و نسق ان دنوں تفاول خاں کے ہاتھ میں تھا۔ تفاول خاں نے شیخ طاہر محمد صاحب اور ان کے رفقاء کی خوب خاطر و مدارت کی۔ اس کے خلوص اور عقیدت کے سبب شیخ طاہر محمد سندھی برار کے پایۂ تخت ایلچپور میں مقیم ہوگئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ تقریباً ۲۲ رسال ایلچپور میں رہ کر ظاہری اور باطنی علوم کی اشاعت کرتے رہے۔ [4]

---

[1] تذکرہ اولیاء سندھ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً۔

برہان پور کا قیام جب سلطنت برار کا شیرازہ درہم برہم ہوا تو آپ ۹۸۲ھ میں اپنے خاندان سمیت برہانپور آگئے۔ یہاں محمد شاہ فاروقی نے بڑی آؤ بھگت کی آپ کے متعلقین کو شاندار محلات نذر کیے برہانپور میں بھی آپ نے علمی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں پر آپ سے مولانا سید جمال نے صحیح بخاری اول سے آخر درساً پڑھی۔ شیخ طاہر محمد سے پڑھنے کے لئے موصوف روزانہ ایک میل کا فاصلہ طے کرکے آتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی حضرات نے برہانپور میں آپ سے تعلیم حاصل کی۔ [1]

تصانیف:۔ آپ نے تصنیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیکر آٹھ معرکۃ الآرا کتابیں یادگار چھوڑیں۔ (۱) تفسیر مجمع البحار۔ (۲) مختصر قوت القلوب۔ (۳) منتخب مواہب لدنیہ۔ (۴) ملتقط جمیع الجوامع للسیوطی۔ (۵) موجز قسطلانی۔

صاحب گلزار کا خیال ہے کہ موجز سے بڑی کوئی شرح بخاری پر نہیں ہے بڑے بڑے بارہ دفتر دولاکھ بیت میں مختصر کئے ہیں۔ (۶) تفسیر مدارک۔ (۷) اسماء الرجال کرمانی کے انداز پر ہے۔ (۸) ریاض الصالحین۔ اس کتاب کی ترتیب تین روضوں پر ہے۔ روضۂ اول احادیث صحیحہ کے بیان میں۔ روضۂ ثانی مشائخ عظام کے نصائح کے بیان میں۔ روضۂ ثالث عبارات اہل عرفان و وجدان پر مشتمل ہے۔ [2]

شیخ طاہر محمد سندھی کو علم و فضل حیرت انگیز ذہانت، درس و تدریس اور بلند پایہ تصانیف کے اعتبار سے اپنے زمانہ کا مایۂ ناز عالم باعمل تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ کا علم حدیث کے اشتغال کا یہ عالم تھا کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں کامل پچاس سال تک طالبانِ حق کی رہنمائی کرتے رہے۔ اس زمانہ کے علماء و صوفیاء آپ کی صحبت و درس میں شرکت کو باعث سعادت سمجھتے تھے۔ [3]

---

[1] تذکرہ اولیائے سندھ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

تفسیر مجمع البحار

مولانا غوثی نے تفسیر کا مختصر نمونہ بھی گلزار میں نقل کیا ہے۔ مصنف رح کی خدمت میں انہیں نیاز حاصل تھا۔ اور وہ آپ کی فیض رساں مجلسوں میں باریابی کا شرف حاصل کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے تفسیر مجمع البحار کے متعلق لکھا ہے کہ:

فرماں روائے صوبہ (خاندیس) علی عادل شاہ فاروقی نے مولانا حسین شیرازی کو جو حکمت کے فنون اور عقلی علوم میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اور ندیم خاص جلال خاں براری کو جن کو رسمی علوم میں دستگاہ تھی۔ مصنف (شیخ طاہر سندھی) کی خدمت میں بھیجا تھا اور التماس کی تھی کہ اگر اس پاسبانِ خلائق کا عہد اس کتاب میں درج کر دیا جائے تو غایت درجہ عنایت ہوگی۔ آپ نے یہ التماس قبول فرمائی، اس وجہ سے کتاب ہذا کا خطبہ دو طرح پر واقع ہوا ہے۔ سے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر کا نمونہ یہاں نقل کر دیا جائے۔ فی تفسیر قولہ تعالیٰ فی قلوبھم مرض، لخ المرض حقیقۃ فی مایعرض للبدن فیخرجہ عن الاعتدال الخاص و یوجب الخلل فی افعالہ ومجاز فی الاعراض النفسانیۃ التی یخل بکمالہا کالجھل وسوء العقیدۃ والزبیۃ و سب المعاصی لانہا مانعۃ عن نیل الفضائل المؤدیۃ الی زوال الحیوٰۃ الحقیقۃ الابدیۃ والآیۃ تحتملہا فان قلوبھم کانت متالمۃ تحزنا علی ما فات عنھم من الریاسۃ وحسدًا علی مایرون من ثبات امر الرسول واستعلاء شانہ یومًا فیومًا فزاد اللہ عنھم مما زاد فی اعلاء امرہ واسادۃ ذکرہ و نفوسھم کانت ماؤفۃ بالکفر وسوء اعتقاد ومعاداۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحوھا فزاد اللہ ذلک بالطبع او بازدیاد التکالیف وتکریرالوحی وتضاعیف النصر

وفی الرحمانی فی قلوبهم مرض هو تفریطهم فی القوة الحلمیة
وافراطهم فی الشهویة ۔

فی الاحیاء اعلم ان جندی الغضب والشهوة قد ینقادان للقلب انقیادًا تامًا فیحینانه علی طریقه الذی یسلکه وقد یستعصیان علیه استعصاء بغی وتمرد حتی یملکاه ویستعبداه و فیه هلاکه وانقطاعه عن سفره الذی به وصوله الی سعادة الابد و للقلب جند اٰخر وهو العلم والحکمة والتفکر وحقه ان یستعین بهذا الجند فانه حزب الله تعالی علی الجندین الاٰخرین فانهما قد یلحقان بحزب الشیطان فان من ترك الاستعانة وتسلط علی نفسه جندی الغضب والشهوة هلك هلاكًا یقینًا وخسر خسرانًا مبینًا وذلك حال اکثر الخلق فان عقولهم صارت مسخرة لشهواتهم فی استنباط الحیل لقضاء الشهوة وکان ینبغی ان یکون الشهوة مسخرة لعقولهم ۔

وَفات: ۔ آپ کا انتقال ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء میں ہوا اور اپنے حجرۂ عبادت میں دفن ہوئے ۔ آپ کا مزار برہان پور میں ہے ۔

شیخ سراج محمد بنبانی

متوفی سنہ [illegible]ھ / سنہ ۱۶۰۱ء ۔

شیخ سراج محمد حضرت غوث الاولیاء کے مرید تھے ۔ غوث الاولیاء نے آپکو خرقہ خلافت پہنایا ۔ ظاہری و باطنی دونوں قسم کے علوم سے بہرہ یاب تھے ۔
سنہ ۹۸۲ھ میں احمدآباد سے خاندیس آکر زین آباد میں قیام اختیار فرمایا تقریبًا ۳۰ سال

تک درس وتدریس اور ارشاد وتلقین میں مشغول رہے ۔

صاحب گلزار ابرار لکھتے ہیں کہ میں آپ کے مرض الموت میں عیادت کے لئے خدمت میں حاضر ہوا ۔ اثنائے گفتگو آپ نے دریافت فرمایا کہ ! اللہ معبود کا تصور بہتر ہے یا اللہ موجود کا ۔ میں نے کہا اللہ موجود کا تصور کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے معنی میں احاطہ اور شمول زیادہ ہے ۔ اس جواب کو آپ نے پسند فرمایا ۔

سنہ ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوئے ۔ [۱]

شیخ برہان الدین

م سنہ ۹۸۵ھ / سنہ ۱۵۷۷ء

شیخ عالم صالح برہان الدین حنفی صوفی ۔ مولد ومنشاء احمد آباد فرقہ شطاریہ کے مشائخ میں سے تھے ۔ احمد آباد میں وہاں کے اساتذہ سے پڑھا طریقت میں شیخ صدر الدین محمد بڑودی کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ سنہ ۹۸۲ھ میں اپنے شیخ کے ہمراہ گوالیار تشریف لے گئے اور انکی معیت میں منڈو (مالوہ) آئے ۔ اس دوران میں شیخ محمد غوث گوالیاری کے صاحبزادے ضیاء اللہ وہاں تشریف لائے تو شیخ برہان الدین ان کے ہمرکاب سنہ ۹۸۵ھ/۱۵۷۷ء میں اجمیر پہنچے اور وہیں رحلت فرمائی ۔ نوراللہ مرقدہٗ [۲]

سید حسین بن سید محمد ترمذی

م سنہ ۹۹۲ھ - سنہ ۱۵۸۴ء

حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری رح کے چہیتے خدام میں سے تھے ۔ اور آپ ہی سے خرقہ خلافت بھی پایا ہے ۔ طریقت ومعرفت کے بلند وبالا مدارج کو چھو چکے تھے ۔ اتنا زیادہ کہ اس عروج کے بعد نزول بھی مشکل سے ہوتا تھا ۔ یہاں تک کہ سالکین آپ کو مجذوب کہتے تھے ۔

---

[۱] گلزار ابرار [۲] ایضاً ص ۳۴۲ نزہۃ الخواطر اردو ج ۴ ص ۱۰۲ ایضاً عربی ج ۴ ص ۱۰۲ صفحہ ۵۵/۴

شیخ غوث گوالیاری شیر شاہ سوری کے ہنگامہ کے درمیان جب گجرات تشریف لائے۔ اس وقت آپ بھی ساتھ تھے۔ پھر تا دم واپسی گجرات ہی میں رہے۔ اور یہیں رحلت فرمائی۔ بلکہ غلطی سے کسی نے آپ کو قتل کر دیا اور شہادت پائی۔
سن شہادت ۹۹۲ھ/۱۵۸۴ء احمدآباد سے دس میل دور محمود آباد میں آسودۂ لحد ہوئے[1]

شیخ ودود اللہ مالوی

م ۹۹۳ھ — ۱۵۸۵ء

شیخ ودود اللہ بن معروف صدیقی مالوی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضؓ کی نسل میں سے تھے طریقت میں شیخ محمد غوث گوالیری کے مرید تھے۔ جن کی خدمت میں بارہ سال باریاب رہے۔ اُن کی تصنیف "الجواہر الخمسہ" اُن سے پڑھی اور جب شیخ ممدوح گجرات تشریف لے گئے تو آپ مالوہ کی بستی آشٹہ میں منتقل ہو گئے۔ ان دنوں یہ قریہ بھوپال میں شامل تھا۔ یہاں حضرت نے ۹۷۴ھ/۱۵۶۶ء تک قیام فرمایا۔ اور پھر برہان پور سے ملحقہ بستی جامود میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔[2]

شیخ داؤد بن محمد منڈوی

شیخ داؤد بن محمد شطاری منڈوی۔ علم و طریقت کے مجمع البحرین تھے آپ نے شیخ محمود بن جلال سے استفادہ کیا اور تین سال آپکی صحبت میں رہے اور انکی وفات کے بعد طویل زمانہ تک مسند ارشاد کو زینت بخشی۔
پھر گوالیار تشریف لے گئے اور شیخ محمد غوث گوالیری کے صاحبزادوں شیخ عبداللہ اور شیخ ضیاء اللہ کے ساتھ کئی سال گذارے۔ پھر دہلی اور دوسرے

---

[1] اخبار ۔۔۔ ۵۹۹۔ اذکار ابرار ص ۲۵۳۔ [2] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۶۷۔

علاقوں کی طرف نکل گئے۔ مگر ۱۰۱۹ھ میں پھر مندو واپس لوٹ آئے۔ اور وہاں مقیم ہو گئے۔ وہاں سے پھر آپ نے گوالیار کی طرف سفر فرمایا اور ایک سال تک مقیم رہے۔ اور ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء میں واپس مندو تشریف لائے۔ [1]

شیخ عزیز اللہ متوکل

(م ۹۱۲ھ / ۱۵۰۶ء)

آپ شیخ علی متقی کے دادا پیر تھے یعنی شیخ باجن کے مرشد تھے نہایت فقیرانہ زندگی تھی۔ توکل حد درجہ کا تھا۔ سونے سے قبل گھر میں ضرورت سے زیادہ جو چیزیں بھی ہوتیں وہ سب تقسیم کر دیتے اہل دنیا کو منہ نہ لگاتے۔

ایک مرتبہ کسی امیر نے آپ کے صاحبزادے کے واسطے سے شوقِ زیارت کا اظہار کیا۔ صاحبزادے نے کہا کہ شوق سے لیکن فقراء کے ساتھ بلا کسی امتیاز کے بیٹھنا ہوگا۔ چنانچہ بعد مغرب آپ کے دولتکدہ پر پہنچا دیکھا کہ گھر میں اندھیرا پڑا ہے۔ یعنی چراغ جلانے کے لئے تیل تک نہ تھا۔ امیر نے صاحبزادے سے کہا کہ میں تیل بھیجواتا ہوں جب ختم ہو جائے مطلع کر دیں اور بھیجدونگا۔ دوسرے دن شیخ نے گھر میں خوب روشنی پائی۔ سارا قصہ معلوم ہونے پر آپ بہت خفا ہوئے اس امیر کو پیغام پہونچا دیا کہ آئندہ تیل نہ بھیجیں اور جتنا تیل گھر میں موجود تھا وہ سب تقسیم کر دیا۔

آپ کا قیام برہانپور میں تھا لیکن آپ کی اکثر اولاد نے احمد آباد کو وطن بنالیا تھا وفات ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء میں ہوئی۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۴۵، ۲۲۶ [2] اخبار الاخیار۔

خاتمہ مرأت احمدی میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ :

مخدوم شیخ عزیز اللہ جو متوکل علی اللہ کے لقب سے مشہور تھے ۔ صاحب کشف وکرامات تھے آپ کے اکثر فرزند بھی علم ظاہر و باطن سے آراستہ تھے آپ کی قبر معدل پور میں ہے ۔ آپ کی وفات ۲۳ر صفر کو ہوئی ۔ [1]

محدث شیخ علی متقی صاحب کنز العمال

(م ، ۹۷۵ھ ۔ ۱۵۶۷ء)

علی متقی بن حسام الدین بن قاضی عبدالملک بن قاضی خان قریشی ۔ علی بن حسام الدین نام ۔ آبائی وطن جونپور تھا ۔ آپ کی پیدائش ۸۸۵ھ یا ۸۸۸ھ میں برہانپور میں ہوئی والد نے سات آٹھ سال کی عمر میں آپ کو شاہ باجن چشتی برہانپوری کے ہاتھوں بیعت کرادی چند دنوں کے بعد باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور کوئی سرپرست نہ ہونے کے سبب بچپن بلا مربی کے گزرا ۔ جوانی کے قریب پہنچے تو کسی بادشاہ کی معیت میں شہر مندو (مانڈو ۔ مالوہ) آئے اور کچھ دنیا ہاتھ لگ گئی مگر اچانک ایک غیبی کشش سے ان کا دل دنیا سے سرد ہوگیا اس لئے دنیا کو لات مار کر شاہ باجن کے لڑکے اور جانشین شیخ عبدالحکیم کی صحبت اختیار کی اور ان کے ہاتھ سے مشائخ چشت کا خرقہ خلافت آپ کو عطا ہوا چونکہ عزیمت وتقوی ان کے خمیر میں تھا اس لئے ملتان پہونچکر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں ورع و تقوی کی منزلیں طے کیں ساتھ ہی دو سال میں تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا مطالعہ بھی ان کی خدمت میں رہ کر کیا ۔ اس کے بعد حجاز پہونچے ۔ حجاز میں شیخ ابوالحسن بکری جو بالاجماع اپنے زمانہ کے اولیاء میں تھے کی خدمت اور شاگردی اختیار کی ۔ ان کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی استفادہ کیا چنانچہ شیخ محمد بن محمد بن محمد سخاوی

---

[1] خاتمہ مرات احمدی ص۹۳ ۔

سے سلسلہ قادریہ کا خرقہ حاصل کیا ۔ قطب زماں شیخ نورالدین ابوالحسن شاذلی سے سلسلہ شاذلیہ کا اور شیخ ابو مدین مغربی سے سلسلہ مدنیہ کا خرقہ حاصل کیا ۔ شیخ علی متقی نے مستقل طور پر مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کر لی اور بقول محدث دہلوی اپنے عبادت و مجاہدہ کے انوار سے عالم کو منور کیا اور آپ کے ظاہری و باطنی فیوض سے ساری دنیا مستفید ہوئی ۔ طلبہ کی تعلیم، مریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف کی راہ سے دین کی عظیم الشان خدمتیں انجام دیں ۔ جن کی تعداد صاحب النور السافر نے تقریباً ایک سو بیان کی ہے ۔

کنز العمّال

کنز العمال ان کا اتنا بڑا علمی کارنامہ ہے کہ ان کے استاذ شیخ ابوالحسن بکری فرمایا کرتے تھے کہ سیوطی کا احسان سارے عالم پر ہے ۔ مگر سیوطی پر متقی کا احسان ہے کہ ان کی کتاب کو مرتب کر کے استفادہ آسان کر دیا ۔

آپ نے سیوطی کی جمع الجوامع کی احادیث کو حروف تہجی کے تحت جمع کر کے تمام اقوال و افعال حضور اللہ علیہ وسلم کو مسائل فقہیہ کے طریقہ پر باب وار لکھا ہے ۔ شیخ ابن حجر مکی بھی آپ کے استاذ تھے اور اپنے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے عالم و فقیہہ تھے وہ باوجود استاذ ہونے کے شیخ علی متقی کی حدیث فہمی و جودت استنباط کے اس درجہ قائل تھے کہ کسی حدیث کی مراد سمجھنے میں ان کو دقت ہوتی تو آدمی بھیج کر علی متقی سے دریافت کراتے تھے کہ اس حدیث کو آپ نے کنز العمال کے کس باب میں رکھا ہے ۔ پھر اس قرینہ سے حدیث کی مراد سمجھنے کی کوشش کرتے تھے ۔

ابن حجر اور علی متقی

شیخ ابن حجر سے ابتداءً شیخ علی متقی نے پڑھا تھا ۔ مگر بعد میں شیخ ابن حجر علی الاعلان اپنے کو ان کا حقیقی شاگرد کہتے تھے بایں آخر میں ان کے مرید ہو کر ان کے ہاتھ سے خرقہ خلافت بھی پہنا مکہ کے دوسرے علماء

کبار بھی حدیث دانی میں ان کی نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کے قائل تھے۔ مشائخ وقت ان کے کمال ولایت کے معترف تھے اور خواص وعوام تعظیم وتکریم سے انکا نام لیتے تھے۔

شیخ علی متقی گجرات میں

شیخ علی متقی کے تلمیذ رشید اور خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی کا بیان ہے کہ شیخ جب ملتان سے روانہ ہو کر گجرات پہنچے تو اس وقت گجرات میں سلطان بہادر شاہ گجراتی کی حکومت تھی۔ سلطان آپ کے اوصاف وکمالات سنکر خواہش مند ہوا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو آپ نے اس کو منظور نہیں فرمایا (شیخ رحمت اللہ سندھی اور قاضی عبداللہ سندھی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی متقی کا یہ قیام گجرات احمدآباد میں رہا ہے)

آپ کا اس وقت یہ حال تھا کہ جدھر جاتے تھے لوگ پروانہ وار آپ پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور آپ حجرہ کا دروازہ بند کرکے یاد حق میں مشغول رہتے کسی کو آنے نہیں دیتے تھے۔ اتفاق سے اس وقت قاضی عبداللہ سندھی جو بڑے پرہیز گار اور نامور عالم تھے سندھ سے ہجرت کرکے مدینہ جارہے تھے راستہ میں کچھ دنوں کے لئے گجرات میں ٹھہر گئے تھے۔

قاضی صاحب شیخ علی متقی سے محبت وعقیدت کا نہایت قوی رابطہ رکھتے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ سلطان بہادر کو حد سے زیادہ شوق ملاقات ہے اور اس کی طلب صادق ہے تو شیخ سے عرض کیا کہ سلطان کی درخواست کو منظور فرماکر ایکبار ملنے کی اجازت دیجائے آپ چاہیں تو اس سے بات بھی نہ کریں۔ ہم اس کو باتوں میں لگائے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نامشروع لباس پہنکر اور غیر شرعی وضع قطع میں آئے اور میں اس کو اس طرح دیکھکر خاموش رہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں۔

قاضی صاحب نے کہا کہ حضرت جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ سلطان کو تو صرف اس کی تمنا ہے کہ ایک مرتبہ خدمت اقدس میں حاضری کا شرف اس کو حاصل ہو جائے۔ اس کے

بعد آپ راضی ہوئے اور سلطان بہادر آیا ۔ شیخ نے جو نصیحتیں مناسب سمجھیں کیں دوسرے دن سلطان نے اسّی ہزار روپیہ سے زائد نذرانہ بھجوایا ۔ شیخ نے وہ سب اٹھا کر قاضی عبداللہؒ کو دے دیا اور فرمایا کہ چونکہ اس رقم کے حصول کا واسطہ آپ بنے ہیں اس لئے اس کا تعلق آپ سے ہے ۔

دعوت وزیر پر شرائط

شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مکہ کے ایک وزیر نے آپ کی دعوت کے لیئے بڑا اصرار کیا اور کہا کہ بندہ کے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں تا کہ برکت ہو ۔ فرمایا مجھے معذور تصور کریں ۔ میں یہیں سے دعا کرونگا خدا برکت دیگا مگر وہ نہیں مانا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تین شرطوں کے ساتھ منظور رہے ۔ پہلی شرط یہ ہے کہ میری جہاں خواہش ہوگی وہاں بیٹھونگا یہ اصرار نہ ہو کہ صدر مقام پر تشریف رکھیئے ۔ دوسری یہ بات کہ مجھ کو جو اچھا لگے وہ کھاؤنگا یہ اصرار نہ ہو کہ یہ نہیں وہ کھائیے ۔ تیسری شرط یہ کہ جب ہمارا جی چاہے گا اٹھ کر چلے آئیں گے ۔

دوسرے دن شیخ نے اپنے تھیلے میں جس کو وہ ہر وقت گلے میں لٹکائے رکھتے تھے روٹی کے کچھ ٹکڑے رکھے اور تن تنہا وزیر کے گھر روانہ ہوگئے ۔ وہاں پہنچکر دیکھا تو اس نے ایک شاہانہ مجلس سجائی تھی ۔ آپ اس مجلس میں دروازہ کے قریب بیٹھ گئے ۔ اس نے کہا یہاں تشریف رکھئے ۔ فرمایا یہ خلاف شرط ہے ۔ وہ چپ ہوگیا پھر فرمایا کہ جلدی کرو وقت تنگ ہے ۔ اس نے جلدی دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ۔ آپ نے تھیلے سے روٹی نکالی اور اسی کو کھایا ۔ وہ بولا ذرا اس کھانے کو چکھ لیجئے ۔ فرمایا ہم نے تو پہلے ہی شرط کر لی ہے کہ جو مزاج میں آئے گا وہ کھائیں گے ۔ اس کے خلاف اصرار نہ ہو ۔ اس کے بعد اٹھے اور سلام کرکے روانہ ہوگئے ۔

ذوقِ علم

شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ آپ کا اکثر وقت علم دین کی خدمت

اور اس کے نشر و اشاعت اور اہل علم کی امداد و اعانت میں
صرف ہوتا ۔ آپ اپنے ہاتھ سے سیاہی تیار کرکے کتابیں نقل کرنے کے لئے طالب
علموں کو دیا کرتے ۔ اور جو کم یاب و مفید کتابیں عرب میں دستیاب ہوتیں ان کی کئی
نقلیں کراکے لوگوں کو دیا کرتے اور دوسرے ملکوں میں جہاں وہ ناپید تھیں بھجوایا
کرتے ۔ کھانا برائے نام کھاتے تھوڑا سا شور با جس کی مقدار چند تولوں سے زیادہ
نہیں ہوتی تھی ۔ اس کے چند چمچے آپ لیتے تھے اور باقی لوگوں کو تقسیم کر دیتے ۔
فاکھی فرماتے ہیں کہ آپ انتہائی کم مقدار نوش فرماتے تھے جتنے پر اکتفا انسانوں کیلئے مستبعد
ہے اور اس پر انہوں نے ریاضتوں کے بعد قدرت پائی تھی اسی طرح بہت ہی کم گو اور
قلیل المنام اور عزلۃ عن الانام کو ترجیح دینے والے تھے انہی اوصاف کی بنا پر
سلطان سلیمان جیسے آپ کے ہاتھ دھلواتے اور سلطان الھند ملک محمود جیسے عظیم الشان
بادشاہ آپ کے پیر دھوتے تھے ۔
ابتدا میں جب قوت تھی کتابت ذریعہ معاش تھا ۔ بعد میں بیواؤں سے قرض لے کر
کام چلاتے ۔ اور جب کہیں سے فتوح حاصل ہوتی تو قرض ادا کر دیتے ۔

گجرات میں دوسری آمد

شیخ علی متقی سلطان محمود گجراتی صغیر کے عہد سلطنت میں دوبارہ مکہ سے گجرات تشریف
لائے ۔ بادشاہ اکثر و بیشتر آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا مگر چونکہ نامشروع لباس اس
کے جسم پر ہوتا تھا اس لئے آپ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے تا آنکہ ایک دن وہ
صلحاء کا لباس پہنکر آیا اس روز آپ نے شفقت کی نگاہ سے اس کو دیکھا اس نے موقع
مناسب سمجھ کر درخواست کی کہ آج فقیر کے گھر پر تشریف لے چلیں ۔ آپ نے منظور
فرمالیا ۔ سلطان محمود نے شیخ کے چوڈول کو خود کاندھا دیا اور گھر لایا ۔

بشارتِ نبوی

حضرمی نے النور السافر میں لکھا ہے کہ آپ کی اعلیٰ ترین منقبت

یہ ہے کہ آپ ۲۷ رمضان المبارک شب جمعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت سے مشرف ہوئے آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ اس وقت سب سے افضل کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہو۔ انہوں نے پوچھا پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد بن طاہر صندیں۔ اسی رات آپ کے شاگرد و مرید شیخ عبدالوہاب متقی نے اسی طرح کا خواب دیکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس وقت سب سے افضل کون ہے۔؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے شیخ (شیخ علی متقی) پھر محمد بن طاہر۔ صبح شیخ عبدالوہاب اپنے مرشد شیخ علی متقی کی خدمت میں خواب بیان کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو شیخ نے پہلے ہی فرما دیا کہ میں نے بھی تمہاری طرح خواب دیکھا ہے۔ [1]

اسی طرح حضرت شیخ علی متقی کے ایک مکی شاگرد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کسی کام کا حکم فرمائیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تابع الشیخ علی متقی فیما فعل افعلہ شیخ علی متقی کا اتباع کرو وہ جس کام کا حکم دیں وہ کرو۔

علی متقیؒ علمائے کبار کی نظر میں

شیخ علی متقی کے اجمالی حالات میں ان کے شاگرد رشید شیخ عبدالوہاب متقی نے ایک رسالہ "اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی متقی" کے نام سے لکھا ہے۔ نیز علامہ عبدالقادر بن احمد فاکھی نے بھی ایک رسالہ بنام "القول النقی فی مناقب المتقی" لکھا ہے۔

فاکہی لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ علی متقی سے جو بھی ملا ہے مثلاً شیخ ابوالحسن بکری

---

[1] النور السافر۔

شیخ وجیہہ الدین عمودی، امام الحرمین ابن حجر مکی، فقیہہ مصر شیخ شمس الدین رملی، شیخ شمس الدین بکری۔ ہرایک نے آپ کی بے حد تعریف کی ہے۔ [۱]

علامہ شعرانی شیخ علی متقی کی خانقاہ میں

شیخ عبدالوہاب شعرانی جب ۹۴۷ھ میں حج کے لئے گئے ہیں تو انہوں نے شیخ علی متقی کی ملاقات کا شرف حاصل کیا اور طبقات شعرانی میں ان کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

وہ زاہد و متقی عالم تھے۔ فاقوں کی وجہ سے جسم اس قدر نحیف و کمزور ہوگیا تھا کہ چند اوقیہ گوشت بھی جسم پر موجود نہ تھا۔ اکثر خاموش اور گوشہ نشین رہتے۔ صرف نماز جمعہ کے لئے حرم میں حاضر ہوتے اور ایک طرف کو نماز پڑھ کے جلدی سے لوٹ جاتے۔

میں ان کے یہاں گیا تو فقراء صادقین اور درویشوں کی ایک جماعت کو پایا جن میں سے بعض متوجہ الی اللہ تھے بعض ذکر میں مصروف تھے بعض تلاوت قرآن میں مشغول تھے بعض مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور بعض علم کے مطالعہ میں لگے ہوئے تھے مکہ مکرمہ میں ان سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت میں نے نہیں پائی شیخ متقی نے مجھے چاندی کے سکے مرحمت فرمائے۔ ان سکوں کی برکت خدا نے مصارف حج میں بڑی کشائش اور برکات سے نوازا۔ حتیٰ کہ میں نے مکہ مکرمہ میں اتنا زیادہ مال خرچ کیا جس کا مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا۔ [۲]

اور اپنے دست مبارک کا تحریر فرمودہ مصحف مجھے دکھایا جس کی ایک سطر میں ایک ہی ورق میں پانچ پارہ لکھا ہوا تھا۔

---

[۱] النور السافر۔ [۲] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج۲ ص۱۶۷۔

محدّث عبدالحق دہلوی کی استدعار

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبارالاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد میں آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی کے ہاں قیام پذیر تھا۔ ایک دن میں آپ کے مزار پُر انوار کی زیارت کو گیا اور عرض کیا کہ حضور میں آپ کے خلیفہ کے پاس رہ رہا ہوں آپ انہیں توجہ دلائیں کہ وہ میرے احوال و افکار پر زیادہ نظر رکھیں رات خواب میں دیکھا کہ حنفی مصلی کے ساتھ شیخ ایک تخت پر جلوہ افروز ہیں اور میں مؤدب سامنے کھڑا ہوں اور وہی بات دہرائی جو مزار پر عرض کی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ آپ کا مطلب پورا ہوگا۔ آپ مطمئن رہیں۔

تحمل مزاجی

شیخ علی متقی کے گھر پر ایک ملازم کمال نامی تھا جو بڑا بداخلاق اور بے ڈھنگا تھا۔ وہ ہمیشہ بکواس کیا کرتا اس کے باوجود آپ اس کو عزیز رکھتے اور اس کی بداخلاقی کو برداشت کرتے ایک دن وہ آپ کے لئے شوربا پکا کر لایا اس میں بہت زیادہ نمک تھا۔ آپ نے حسب معمول وہ شوربا چکھا اور یہ کہنے کے بجائے کہ تم نے اتنا نمک کیوں ڈالدیا صرف اتنا کہا بابا کمال ادھر آؤ اور پھر اس کو اپنے پاس بٹھا کر شوربے کا ایک چمچہ بھر کر دیا اور فرمایا یہ دیکھو کیسا پکا ہے۔ کمال نے وہ شوربا چکھ کر منہ بناتے ہوئے سخت لہجہ میں کہا ہاں کچھ نمکین ہوگیا ہے لیکن بڑے مزے کا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں۔ آپ کھائیے جس پر آپ نے فرمایا بہت خوب پھر آپ نے پانی منگوا کر اس میں ڈالا اور وہی تھوڑا سا نوش فرمایا۔

کثرتِ عبادت

شیخ علی متقی کے شاگردِ خاص اور خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی آپ کے کمالات و آثار کی سب سے بڑی نشانی ہیں مشائخین کے نزدیک شیخ عبدالوہاب متفقہ طور پر یمن سے شام تک کے علاقہ کے زبردست ولی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ پیر و مرشد کے بڑھاپے کے زمانہ میں اس فقیر نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ

اس ضعیفی میں کتنے نفل پڑھتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا جوانی میں تو بہت زیادہ نفل پڑھا کرتا تھا اب دن کے وقت ذکر خفی و شغل الٰہی کے ساتھ تصنیف کتب میں مشغول رہتا ہوں اور رات کو جبکہ بڑھاپے کیوجہ سے زیادتی پیشاب کی شکایت ہوگئی ہے دس بارہ مرتبہ پیشاب کرنے اٹھتا ہوں اور ہر مرتبہ وضو کرکے حسب توفیق دو دو چار چار نفل ادا کرتا ہوں ۔

شیخ علی کی کرامت

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبکہ پیر و مرشد مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے دو باپ بیٹے مغرب سے مکہ مکرمہ آئے جو نہایت درجہ کے عبادت گذار تھے ۔ بیٹا دس پندرہ دن کے بعد اور باپ پانچ دن کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے ۔ پیر و مرشد ان دونوں کی تعریف سنکر ان سے ملنے کے لئے تیار ہوئے لیکن کمزوری کیوجہ سے پیدل نہ چل سکتے تھے چنانچہ آپ کے فرمانے پر ایک تندرست اور قوی آدمی آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کرکے ان دونوں مغربی کے پاس لے گیا ۔ خادم بھی ساتھ تھا اور کتاب "حکم کبیر" بھی ساتھ لے لی ۔ جب ان دونوں مغربی کو معلوم ہوا کہ شہر کے مشہور اور معزز آدمی ملاقات کرنے آرہے ہیں جن کی وجہ سے ہماری شہرت ہوجائے گی اور ہماری عبادت میں خلل پیدا ہوگا تو ان دونوں نے ہماری آمد پر بے التفاتی کا سلوک کیا چنانچہ پیر و مرشد نے مجھ خادم سے کہا دیکھو یہ کتنی بے رخی سے پیش آرہے ہیں اور اپنے سر کا بوجھ سمجھ کر ہم کو اپنے پاس سے نکالنا چاہتے ہیں اس کے باوجود بھی پیر و مرشد نے ان دونوں بزرگوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا ۔ ہم نے مشائخین کے چند اقوال جمع کئے ہیں وہ سنئے اور میں نے وہ اقوال سنانے شروع کئے کہ اچانک ان دونوں مغربی میں گرمی کے آثار پیدا ہوئے اور ان پر ذوق و وجد کی حالت طاری ہوگئی ۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے یہ دونوں شیخ کی خدمت میں رہ پڑے ۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ پیر و مرشد ارشاد فرماتے تھے کہ حلال مال کبھی برباد نہیں ہوتا اور اگر گم ہوجائے تو [illegible] جاتا ہے ۔ اپنا ایک واقعہ مثال کے طور پر ذکر

کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ سمندر میں کشتی پر سوار تھے کہ اچانک ایک سخت طوفان آیا جس کی وجہ سے ہماری کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہم میں سے کئی لوگ ایک ایک تختہ سہارے ساحل پر پہونچے ۔ ہمارے ساتھ جو کتابیں تھیں بالکل بھیگ گئی اور چونکہ ہم پیدل سفر کرنے والے تھے اس لئے ہم نے ان کتابوں کو وہیں سرزمین عرب میں دفن کرکے ان پر ایک علامت رکھدی اور ہم لوگ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے ۔ راستہ میں ہمیں سخت پیاس لگی جیسا کہ مشہور ہے کہ سرزمین عرب میں پانی کا قحط ہے اب وہ منظر ہمارے سامنے آگیا ۔ ساتھیوں نے کہا اب دعا کا وقت ہے میں نے کہا میں دعا کرتا ہوں آپ لوگ آمین کہیں چنانچہ دعا کی برکت سے اتنی بارش ہوئی کہ ہم لوگ خوب سیراب ہوئے اور اپنے اپنے مشکیزے بھر لئے چند دنوں کے بعد مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور عمرہ ادا کیا ۔ اسی اثنا میں چند دیہاتی عربوں نے ہمارے پاس آکر کہا ہمارے پاس چند کتابیں ہیں اگر آپ چاہیں تو مول لے سکتے ہیں ۔ چنانچہ ہم نے دیکھا وہ ہماری ہی کتابیں تھیں جو ہم دفن کرکے آئے تھے ۔ غرضکہ ہم نے منہ مانگے دام دیکر وہ کتابیں خرید لیں بھیگ کر سوکھنے کیوجہ سے ان کتابوں کے اوراق باہم چپک گئے تھے ۔ ہم نے ان کو پھر بھگو کر ایک ایک ورق اس طرح الگ کیا کہ ان میں کا کوئی حرف تک ضائع نہیں ہوا اور پھر وہ سب قابل استفادہ ہوگئیں ۔

شیخ حاجی نظر بدخشانی جو اپنے زمانے کے کامل بزرگوں میں تھے جنہوں نے ماوراءالنہر شام اور مصر کے علماء سے تحصیل علوم کے بعد وہاں کے مشائخ سے ریاضات و مجاہدہ کی تلقین حاصل کی تھی اور مکہ مکرمہ میں بڑے بڑے کام کرنے کے بعد ایک بڑی شخصیت کے مالک تھے ۔ اہل اللہ میں سے تھے ۔ شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں موصوف بھی میرے پیر مرشد شیخ علی متقی کی محبت میں غرق تھے ۔ اکثر و بیشتر آپ کے پاس خاص طور سے آیا کرتے تھے ۔

وسوسہ کا علاج

کہتے ہیں کہ سلطان محمود گجراتی کو پانی کے سلسلہ میں بہت وسوسہ آتا تھا اور کسی طرح بھی یہ کیفیت اس کے دل سے نہ نکلتی تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ متقی نے ایک طشت منگوا کر اس میں تین مرتبہ اپنی ٹوپی دھوئی اور ہر دفعہ پانی پھینک دیا چوتھی مرتبہ اس طشت میں پانی بھر کر فرمایا کہ بابا محمود! یہ پانی بلحاظ شریعت اسلامی بالکل پاک و صاف ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا وسوسہ ہے اور وسوسہ شیطانی کام ہے اب یہ پانی پی لو اور کوئی وسوسہ دل میں نہ لاؤ۔

چنانچہ شیخ کے حکم پر سلطان محمود گجراتی نے وہ پانی پی لیا جس کے پیتے ہی سلطان کے دل سے وسوسہ اور شک بالکل دور ہو گیا اور پھر یہ مرض کبھی عود نہ کر سکا۔ شیخ عبدالوہاب نے اپنی کتاب "اتحاف النقی" میں لکھا ہے کہ پیر و مرشد شیخ علی کے انتقال سے پہلے یعنی ۹۷۴ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کے انتقال کی خبر پھیلی تو مکہ مکرمہ کے تمام بڑے بڑے عالم و فاضل اور شیوخ جوق در جوق آپ کے دولتکدہ پر آئے۔

لیکن یہاں آکر دیکھا کہ آپ بڑے خوش و خرم اور تندرست ہیں بڑے حیران ہوئے شیخ نے تبسم فرماتے ہوئے سب کو تکرار توبہ کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے جیسے ایک شخص پر موت طاری ہوئی اور بعد الموت کے حالات دیکھ کر اس نے دربار الٰہی میں عرض کیا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجد یجئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا میں لوٹا دیا اب امید ہے کہ وہ کبھی موت کے خوف سے غافل نہیں رہے گا۔

شدائد سکرات

حضرت شیخ مرض موت میں ارشاد فرماتے تھے کہ میں قطب ہوں اور سکرات موت کی شدتیں مقام قطبیت کے لئے ضروری ہیں اور یہ رفع درجات کا ایک ذریعہ ہے۔ تم مجھ پر سکرات کے شدائد دیکھکر اپنے اعتقاد میں کمی نہ کرنا۔ اس کے بعد اس فقیر (عبدالوہاب) سے فرمایا کہ میرے دفن کے

بعد میری روح ایک مقام پر پہونچ جائے گی ۔ اور میری صورت مفقود ہو جائے گی ۔ لیکن مایوس نہ ہونا اور میری صورت کا تصور پیش نظر رکھنا اور میری قبر کے پاس دعا و ذکر اور تلاوت قرآن کریم جاری رکھنا تاکہ ایک خاص نسبت وہاں سے حاصل کر سکو ۔ اس کے بعد تم جہاں جی چاہے چلے جانا اور خوش و خرم رہنا ۔

جنّات کی آمد و رفت

شیخ کی وفات سے دو ماہ قبل جناتوں کے دو گروہ آپ کے پاس آمد و رفت کرنے لگے ایک گروہ بطریق اعتقاد و محبت ۔ ارادت و الفت آپ کی خدمت میں حاضری دیتا ۔ دوسرا گروہ اُن جناتوں کا تھا جو آپ سے بغض و عداوت رکھتا تھا، یہ لوگ کبھی عیسائیوں ، فاسقوں اور بدکار لوگوں کی صورتوں میں آتے اور گفتگو نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ پیر و مرشد ان کے نام خط لکھ کر ان کو دیدیا کرتے تھے ۔ ان خطوط میں سے دو خط اس فقیر (عبدالوہاب) کے پاس موجود ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا خط

حمد و ثناء کے بعد منجانب کمترین خلقِ خدا علی بن حسام الدین متقی بنام بزرگ جن سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی ۔ تم عرصہ سے ہمارے پاس آرہے ہو ۔ لیکن کچھ گفتگو نہیں کرتے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمہارا مقصد کیا ہے ۔ میرے س' تھیوں میں سے ایک شخص عبدالوہاب ہے ۔ اگر چاہو تو اس کے پاس جاکر اپنا مطلب بیان کرو تاکہ ہم تمہاری امداد کر سکیں ۔ اے اللہ ہم پر حق واضح کر اور حق کی پیروی کی قوت دے اور باطل کو باطل کی صورت میں دکھا اور اس سے محفوظ رہنے کی قوت عطاء فرما ۔ یہ خط تمہاری جماعت کے اراکین کے نام ہے ۔

دوسرا خط

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے انسانوں اور جناتوں کو صرف اپنی عبادت یعنی اپنے عرفان کے لئے پیدا کیا ۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمتیں نازل کرے ۔ اس بات کو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے عرفان کیلئے

پیدا فرمایا ہے۔ اور تمام علمار وعقلار اور عارفوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معرفت الٰہی صرف علم وعقل اور حکمت کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ جو کوئی خدا تعالیٰ کے بندوں سے سلسلۂ گفتگو بند کر لیتا ہے یا عقل کے ذریعہ نیکی وبدی، شرارت ونفع کا علم نہیں رکھتا تو اس کو اللہ کے عرفان کی دولت نہیں ملتی اس لئے لوگوں سے میل جول میں اپنی گفتگو کے ذریعہ بھی اللہ کی معرفت کے طریقہ حاصل کرو اور ہادی ورہنما شخصیتوں کی فہرست میں اپنے نام درج کراؤ۔ مجھ پر اللہ کا جو حق تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا اور میں اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو گیا۔ میری اس نصیحت پر جس کا جی چاہے عمل کرے۔

قبل از وفات

شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ شیخ علی پر وفات سے پہلے ایک جذبہ طاری ہو گیا تھا ان کے تمام حرکات وسکنات میں انقلاب رونما تھا۔ انہوں نے اپنی وفات سے تقریباً تین چار ماہ قبل ایک رات مجھ فقیر سے فرمایا کہ فلانے شاعر کا شعر پڑھو میں نے اپنی فراست کے ذریعہ یہ شعر پڑھا۔ ؎

ہرگز نیا ید در نظر نقشے ز روہت خوبتر ‏ ‏ شمسے ندانم یا قمر حورے ندانم یا پری

یہ شعر سنتے ہی ان کی کچھ عجیب حالت ہو گئی اور بآواز بلند فرمایا پڑھے جاؤ۔ چنانچہ خادم نے یہ شعر کئی مرتبہ دھرایا اس اثنار میں انہوں نے بہت سی محبت آمیز باتیں کیں اور شورانگیز نعرے لگاتے رہے۔ اسی حالت میں ان کا ملازم آیا اور کہا کھانا حاضر ہے آپ کا دستور تھا کہ آپ کھانے کو اتنا باریک پسواتے کہ اس کے سب ذرّے ایک ذات ہو جاتے اور یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ اس غذا میں کون کونسی چیزیں موجود ہیں۔ چنانچہ آپ نے ملازم سے کہا اس کو پیس کر اتنا باریک کر دو کہ اس کی تمام چیزیں ایک ذات ہو جائیں اور اس میں دوئی نہ رہے۔

غرضیکہ آپ پر ساری رات عجیب حالت طاری تھی۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ساری

رات جاگتے رہے اور آپ رات بھر محبت آمیز و عشق انگیز کلمات فرماتے رہے ۔

ذکر بالجہر
شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مجھ فقیر سے شیخ عبدالوہاب کہتے تھے کہ اسی زمانہ قبل از وفات میں پیر و مرشد شیخ علی ذکر جہر کثرت سے کرتے تھے ۔ اور شیخ کی حالت جسمانی یہ تھی کہ نشست و برخاست کی سکت نہ تھی ۔ ذکر کے وقت حضرت شیخ کی حالت یہ ہوتی کہ گویا کسی چیز کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ۔ کبھی اس کو بھگاتے بھی تھے ۔ اسی حالت میں فرمایا کہ مصلٰی میں قبر بنوا لینا چاہئے تاکہ رخصت ہونے سے پہلے منزل مقرر ہو جائے ۔ اس کے بعد فرمایا بس اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک زندہ رہیں گے ۔ نیز شیخ ان دنوں مقام قطبیت کے خاص لباس سے آراستہ تھے وفات سے قبل حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ جب تک میری انگشت شہادت متحرک رہے اس وقت تک یقین رکھنا کہ میں زندہ ہوں اور جس وقت میری انگشت شہادت حرکت نہ کرے تو سمجھ لینا کہ میری موت واقع ہو چکی ہے ۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ آپ کے انتقال کے بعد جبکہ آپ کے جسم میں کسی قسم کی گرمی تک باقی نہ رہی تھی آپ کی انگشت شہادت برابر حرکت کر رہی تھی ۔ اور آپ کا وصال اس طرح ہوا کہ آپ کا سر مبارک مجھ فقیر (عبدالوہاب) کے زانو پر تھا اور آپ کے لبوں پر ذکر الٰہی جاری تھا ۔

تصانیف
شیخ علی متقی نے تصنیفات کے میدان میں بھی زبردست کام کیا ہے ۔ سو سے زیادہ کتابیں لکھیں ۔ آپ کا طبعی لگاؤ علم حدیث اور تصوف سے تھا ۔ چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ۔

تفسیر :۔ شئون المنزلات ۔ دہلی ۔ ۲ ۵ ۔ انڈیا آفس ۔ ۱۱۵۲ ۔ [1]

حدیث :۔ (۱) منہج العمال ۔ بانکی پور ، ۵ ۲ م ۔ عاطف ، ۲۴۶ ۔ عاشر ، ۲۷۰ ۔

---

[1] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۶۳ ۔

ولی الدین، ۸۵۶۔ نور عثمانی ۱۲۷۵۔ علی گڑھ، ۱۰۲۔ آصفیہ ۱/۷۸۔۶۔

(۲) کنز العمال، مخطوطات، بانکی، ۲۲۴۷۔ نور عثمانی، ۱۲۰۳۔ ۱۱۹۹۔ آصفیہ ۱/۶۶۰ (اجزاء)

(۳) الاکمال المنہج العمال۔ کوبریلی، ۲۹۴۔ نور عثمانی، ۶۷۴، ولارزادہ، ۲۴۱، ایام صوفیہ، ۴۵۸۔

(۴) منتخب کنز العمال، مطبوعہ قاہرہ، برحاشیہ مسند امام حنبل۔ مخطوطات، بانکی پور ۴۲۸۔ نور عثمانی، ۱۲۷۲۔

(۵) الفصول شرح جامع الاصول۔ بانکی پور، ۲۲۵۔

(۶) شمائل النبوی۔ پشاور، ۴۳۹۔ علی گڑھ، ۹۹۔

(۷) البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان۔ دہلی، ۱۲۱۔ بوتھ، ۲: ۱۰۳۱۔ برلن ۲۷۲۶/۳۰۔ البحر، ۸۵۷۔ آصفیہ، ۳: ۲۶۰۔ ۴: ۲۳۸۔

بعض کتب میں اس کا نام تلخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزماں بھی لکھا گیا ہے۔

تصوف اور اخلاقیات:۔

(۱) العنوان فی سلوک النسوان۔ قاہرہ، ۲/۹۶۔

(۲) البرہان الجلی فی معرفۃ الولی۔ برلن، ۳۳۶۸۔

(۳) المواہب العلیہ فی الجمع بین الحکم القرآنیۃ والحدیثۃ۔ اسد آباد، ۱۷۶۹۔ قاہرہ، ۸/۳۴۷۔

(۴) جوامع الکلم فی المواعظ والحکم۔ پیرس، ۱۳۵۳۔ برلن، ۸۷۰۳۔ بوتھ، ۶۔ ۷۶۵۔ قاہرہ، ۷/۳۴۸۔ بنگال ای ۳۴۔ رام پور، ۳۳۴۔ بانکی پور ۱۲/۹۲۶۔ علی گڑھ۔ ص ۱۱۵۔

اس کتاب کے مصنف علی متقی برہانپوری ہیں جن کا ذکر پہلے کئی جگہ کیا جا چکا ہے مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب میں تین ہزار کے قریب نصائح جمع کئے گئے ہیں جن میں پانچ سو ایسے اقتباسات ہیں جو قرآن پاک سے لئے گئے ہیں، پانچ سو تضمینات ہیں جو احادیث سے ماخوذ ہیں۔ اور ان کے اختصار کے پیش نظر ان کے ساتھ بطور تمہید ہم معنی تشریحی فقرے بھی لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ تین سو اقوال ابو عطار اسکندری کے (۷۰۹ھ/۱۳۳۹ء) اور ایک سو اقوال ان کے شاگرد کے ہیں اور باقی ماندہ حصہ متقدمین کے اقوال پر مشتمل ہے۔

یہ تمام مواد مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق کوئی اسّی ابواب کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً باب فی الایمان اور باب فی الاحسان وغیرہ وغیرہ نوعیت کے اعتبار سے یہ کتاب صرف ان لوگوں کے لئے دلچسپی رکھتی ہے جو حافظ، مفسر یا محدث ہیں اور تصوف سے بھی شغف رکھتے ہیں۔[1]

مزید کتب درج ذیل ہیں۔ ۱۔ رسالہ تبیین الطریق۔ ۲۔ حکم کبیر ۳۔ زاد الطالبین، ۴۔ اسرار العارفین، ۵۔ نعم المعیار والمقیاس لمعرفۃ مراتب الناس۔ ۶۔ فتح الجواد، ۷۔ نجم الدرر۔

صاحب کواکب السیارہ فرماتے ہیں کہ

تلخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزمان:۔ اس مجموعہ کے مرتب علی متقی ہیں جنکا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ان احادیث کا مجموعہ ہے جو مہدی منتظر کے بارے میں ہیں۔ یہ کتاب سید محمد جونپوری (متوفی ۹۱۰ھ۔۱۵۰۴ء) کے معتقدین کی ہدایت کے خیال سے لکھی گئی تھی کیونکہ محمد جونپوری نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اور مرتب نے یہ بیان کیا ہے کہ سیوطی ؒ کی عرف الورد،

[1] عربی ادبیات ص۳۱۲

باقاعدہ مرتب اور ابواب میں تقسیم نہیں کی گئی تھی اس لئے انہوں نے اس کو دوبارہ مرتب کیا ہے اور اس میں نئی چیزیں بھی شامل کر دی ہیں جو دوسری کتابوں سے جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تیرہ ابواب پر مشتمل ہے مقدمہ میں مرتب نے یہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ سید محمد جونپوری مہدی نہیں تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی متقی، سید محمد جونپوری کو ولی تو مانتے تھے مگر ساتھ ہی انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کر دیا ہے کہ بعض اوقات ولی بھی فاش غلطی کر جاتے ہیں اور صرف انبیاء خطا سے مبرا ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ میں احادیث مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت مرتب کی گئی ہیں ۔

۱۔ مہدی کی کرامات ۔
۲۔ ان کا سلسلۂ نسب ۔
۳۔ ان کا حلیہ ۔
۴۔ ظہور مہدی سے قبل کے حالات ۔
۵۔ علامات ۔
۶۔ مہدی کی بیعت کس طرح کی جائے ۔
۷۔ مہدی کے مددگار ۔
۸۔ ان کی فتوحات ۔
۹۔ حضرت عیسیٰ سے مہدی کی ملاقات
۱۰۔ مہدی کے قیام کی مدت
۱۱۔ ان کی وفات ۔
۱۲۔ مہدویت کا دعویٰ کرنے والوں کا تذکرہ ۔
۱۳۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء کا فتویٰ ۔

شیخ علی متقی کی کئی تصانیف ہیں جنمیں سے ابن الاثیر کی النہایہ کا اختصار بھی ہے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں آپ کی قیام گاہ کے محل وقوع کی بھی نشاندہی کی ہے

۔ کہ سلطان مکہ شریف برکات کے گھر کے قریب ایک حوش[۲] میں آپ کا قیام تھا۔ جس میں آپ کے تمام خدام کے لیئے الگ الگ حجرے بنوائے ہوئے تھے۔ جن میں وہ عبادات میں مصروف رہتے اور حرم میں نماز کے لئے آنے کی شیخ کی طرف سے ان کو اجازت تھی مگر شیخ کی اجازت کے بغیر کسی سے اختلاط کی انہیں اجازت نہ تھی۔ انہوں نے شیخ عبدالوہاب شعرانی سے نقل کیا ہے کہ جب وہ دوسری مرتبہ ۹۵۲ھ میں حج کیلئے حاضر ہوئے تو شیخ علی متقی ہندوستان جا چکے تھے۔ [۱]

شیخ علی متقی نے معاصرین کی بے اعتدالیوں پر بھی بڑی توجہ فرمائی۔ شیخ غوث گوالیاری کے رسالہ معراجیہ کی مخالفت کے علاوہ آپ نے مہدی جونپوری کے خیالات کی بڑی مخالفت کی اور نہ صرف اس مقصد کے لیے حکام وقت کی اعانت حاصل کی بلکہ مہدویت کی تردید میں دو مبسوط رسائل لکھے اور ظہور مہدی کے تفصیلات اور علمائے مکہ کے فتاوی درج کرکے مہدی جونپوری کے دعاوی کی تردید کی۔ یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گجرات میں جو مہدویت کا مرکز بن گیا تھا یہ تحریک بالآخر وہاں پر دم توڑ گئی۔

مہدوی تحریک

مہدوی تحریک کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۱۴۹۵ء میں محمد جونپوری نے مکہ مکرمہ میں مہدویت کا اعلان کیا۔ سید محمد جونپوری بڑی خوبیوں کے مالک تھے اسی لئے معاصرین نے ان کو اسد العلماء

---

[۱] الکواکب السیارۃ ص ۲۲۲/۲۔ [۲] گھر کا اندرونی کھلا صحن۔

کا خطاب دیا تھا۔

جب انہوں نے مہدویت کا اعلان کیا اس وقت انکی عمر تقریباً ۵۲/سال تھی۔ مکہ مکرمہ سے وہ گجرات کی طرف متوجہ ہوئے اور احمدآباد میں اپنی تحریک کا مرکز قائم کیا وہاں علماء نے شدید مخالفت کی لیکن جتنی وہ مخالفت کرتے اتنی ہی ان کی تحریک ترقی کرتی تھی۔ شیخ علائی اور شیخ عبداللہ نیازی نے مہدی تحریک کی نشر و اشاعت میں بہت کام کیا۔ سید محمد جونپوری کی مہدوی تحریک دراصل احیاء سنت اور اماتت بدعت کے لئے وجود میں آئی تھی۔ لیکن یہ اپنے اصلی رنگ میں زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکی۔ مہدویت کا تصور اسلام کے ایک بنیادی اصول یعنی ختم نبوت سے متصادم ہوگیا۔ علمائے اسلام نے اور خاص طور سے شیخ علی متقی نے اس کی زبردست مخالفت کی۔ زیادہ تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حالات میں دیکھ لیجائے۔

طریقت کے چند اصول

بہرحال شیخ علی متقی نے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ ممالک مغربیہ کے مشہور شیخ احمد بر زرق کی کتاب اصول طریقت کی شیخ علی نے تشریح کی ہے۔ چنانچہ اسمیں شیخ علی لکھتے ہیں کہ ہمارے اصول طریقت پانچ ہیں۔ پوشیدہ و اعلانیہ اللہ کا خوف و تقوی۔ تمام اقوال و افعال میں سنت نبوی کی پیروی۔ ذلت و عزت دونوں حالتوں میں مخلوق خدا سے علیحدہ رہنا۔ کثرت و قلت اور افلاس و دولت مندی کے زمانے میں رضا برضاء الہی رہنا۔ اعلانیہ اور خفیہ اللہ تعالی کی طرف رجوع کئے رہنا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ رجوع الی اللہ و استقامت کی بدولت تقوی حاصل ہوتا ہے۔ اس شخص کو ساتھی بنانا جو احکام الہی پر خود گامزن ہو اور دوسروں کو بھی آگاہ کرتا ہو۔

شیخ کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مرید میں پانچ چیزیں پیدا کرے۔ علم صحیح، ذوق صریح، بلند ہمتی۔ ہر حالت میں خوش رہنا اور بصیرت نافذہ۔

مرید کو اپنے بھائیوں اور اپنے شیخ کے ساتھ حسب ذیل پانچ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تعمیل احکام بموجب اسلام، ممنوعات اسلامیہ سے پرہیز کرنا، حاضر اور غائب کی عزت کرنا، ادائیگی حقوق کی فکر کرنا اور ہر معاملہ میں نصیحت پر عمل کرنا۔

شیخ علی اور صحبت شیوخ

شیخ علی متقی نے اپنے انتقال کے دن اپنے ابتدائی حالات اپنے ایک خط میں تحریر کئے تھے جو یہ ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین ۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ فقیر خدا علی بن حسام الدین عرف متقی اس دن جبکہ دنیا سے رخصت ہو کر آخرت کی طرف جا رہا ہے ۔ عرض گذار ہے کہ میرے والد بزرگوار نے مجھے بچپن میں شیخ باجن کا مرید بنایا ۔

شیخ باجن قوالیاں سنتے اور وجد و حال میں رہتے تھے ۔ میں نے دوسرے پیر و مرشد کو اختیار کیا بمقابلے اس قول کے کہ جب بالغ ہو جاتا ہے تو اس کو اختیار ہے ۔ کہ اپنے سابق پیر کو برقرار رکھے یا نہ رکھے چنانچہ شیخ باجن کی وفات کے بعد شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن سے ذکر کو سیکھا ۔ شروع میں کتابت ذریعہ معاش تھا ۔ اسی سے میں نے سفر کیا ۔ جب ملتان پہنچا تو شیخ حسام الدین ملتانی کی صحبت میں رہا اور ان سے فیض حاصل کیا پھر جب مکہ مکرمہ پہنچا تو شیخ ابوالحسن بکری صدیقی کی صحبت اختیار کی ۔ ان کے تعلیم و تعلم کا اپنا ایک طریقہ تھا ۔ انکی صحبت میں رہ کر ذکر سیکھا ۔ آخرالذکر دونوں حضرات سے میں نے بہت کچھ علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے ۔ چنانچہ ان ہی کی صحبت اور توجہات سے بہت سی کتابیں اور

۱ور رسالے تصنیف کئے سب سے پہلا رسالہ
"تبیین الطرق الی اللہ تعالیٰ" کے نام سے لکھا اور سب سے
آخری بنام "غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال" تصنیف کیا۔ [1]

شیخ محمد بن طاہر پٹنی

شیخ علی متقی کے ممتاز شاگردوں میں شیخ عبدالوہاب کے علاوہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی تھے۔ جنہوں نے اپنے استاذ کی متابعت میں مخالفتِ بدعت کے لیئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ اور بالآخر اسی کوشش میں شہید ہوئے۔ جنکے مفصل حالات اسی کتاب میں اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔

انتقال کے چودہ سال بعد

شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ پیرومرشد کی ایک کرامت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بارہ چودہ سال بعد آپ کے بھتیجے کے ایک بیٹے سید احمد کا انتقال ہوا چنانچہ مکہ معظمہ کے رسم و رواج کے مطابق لوگوں نے کہا کہ سید احمد کو کسی ولی اور مشہور بزرگ کی قبر میں اس طرح رکھا جائے جس طرح امام عبداللہ یافعی کو حضرت فضیل بن عیاض کی قبر میں رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ان کی میت کو شیخ علی کی قبر میں رکھنے کی تجویز ہوئی جب شیخ علی کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ آپ کا جسم کفن میں جوں کا توں اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ حالانکہ حجاز کی زمین میں تین چار ماہ میں میت مٹی ہو جاتی ہے۔

وفات

شیخ علی متقی ۸۸۵ھ یا ۸۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور بوقت سحر منگل رات کو ۹۷۵ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اور جنۃ المعلیٰ میں حضرت فضیل بن عیاض رح کی قبر کے محاذاۃ میں (دونوں قبروں میں صرف پگڈنڈی حائل تھی) دفن ہوئے [2]

آپ کی تاریخ وفات "قطبی نجبہ" ہے [3]

---

[1] النور السافر۔ [2] ایضاً [3] ابجد العلوم۔

اور بعض نے شیخ کہ اور بعض نے متابعت نبی نکال ہے۔ [۱]

شیخ علی متقی کا ذکر النور السافر میں مفصل مذکور ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت برہانپور میں ۸۸۸ھ میں ہے۔ بعضوں نے ۸۸۵ھ بھی لکھی ہے۔ ایک سَو کے قریب آپ کے مؤلفات ہیں۔ آپ کے محاسن اور آپ کے تذکرے میں علامہ عبدالقادر بن احمد فاکہی مکی نے ایک مستقل تصنیف فرمائی جس کا نام "القول النقی فی مناقب المتقی" ہے۔ جس میں آپ کے محامد آپ کی ریاضت اور مجاہدے کو ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ کا نام متقی آپ پر صحیح معنوں میں صادق آتا ہے۔ کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ جتنے علماء اور مشائخ سے شیخ علی متقی ملے سب نے آپ کی بہت زیادہ تعریف کی۔

شیخ ابوالحسن بکری، شیخ الوجیہہ عمودی، امام الحرمین شیخ شہاب ابن حجر شافعی فقیہ مصر، شمس الدین انصاری، شیخ شمس بکری۔ ان سب نے شیخ علی متقی کی کرامت اور استقامت کی مدح سرائی کی ہے۔ اس لئے صرف مکہ مکرمہ نہیں بلکہ اطراف عالم میں دور دور تک آپ کی شہرت پھیل گئی۔ اور وفود آپ کی زیارت، ملاقات اور صحبت کے لیے پہنچنے لگے۔ یہاں تک کہ سلطان سلیمان تک آپ کی شہرت پہنچی جبکہ اس سے پہلے سلطان الہند سلطان محمود آپ کو وضو کراتے اور آپ کے پیر مبارک دھوتے۔

شیخ عبدالقادر حضرمی لکھتے ہیں کہ! آپ کی شہرت جتنی مکہ مکرمہ میں ہے اس سے کئی گنا ہندوستان میں ہے۔ آپ کے مناقب میں سے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے شاگرد نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب

---

[۱] حیات شیخ عبدالحق۔ خزینۃ الاصفیاء۔ تذکرہ قاریان، اعیان الحجاج۔ اخبار الاخیار ص۲۱۔ بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص۲۰۲۔

میں زیارت کی۔ شیخ علی متقی کی حیات میں مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بماذا تامرنی حتیٰ فالہ مجھے کسی کام کا حکم فرمائیے جس کو میں انجام دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیخ علی متقی کا اتباع کرو جیسا وہ کرتے ہیں ایسا کیا کرو۔

«صاحب النور السافر» فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ علی متقی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سے کامل حصہ عطا ہوا تھا اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے افعال میں آپکی متابعت کا خواب دیکھنے والے کو حکم فرمایا اسی طرح اس میں شیخ فرماکر ان کے شیخ ہونے کی طرف اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے «شیخ» نام دیئے جانے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جیساکہ شیخ ابو شیرازی ایک خواب پر فخر کیا کرتے تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں انھیں شیخ فرمایا

«صاحب النور السافر» فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ کی املا کردہ بعض تعلیقات میں دیکھا ہے جس سے آپ کے بعض حالات معلوم ہوتے ہیں۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ و السلام علیٰ سیدنا محمد و الہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد فقیر علی بن حسام الدین۔ جو علی متقی سے مشہور ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں خدشہ گذرا خیال آیا کہ میں دوستوں کے سامنے اپنا شروع سے لے کر اخیر تک حال بیان کردوں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے کہ فقیر کی عمر جب آٹھ سال ہوئی میرے والد کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے شیخ باجن قدس سرہٗ کا مرید بنائیں۔ انہوں نے مجھے ان کا مرید بنا دیا۔ لیکن ان کا طریقہ سماع کا طریق تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ با ذوق و با صفا لوگوں میں سے تھے۔

انہوں نے مجھے مشائخ صوفیہ کے طریقہ میں بیعت کیا۔ اس وقت میری عمر آٹھ برس تھی۔ اس کے بعد شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن قدس سرہٗ نے مجھے ذکر کی تلقین کی۔ میرے شروع دور میں، میں کتابت کے ذریعے اپنے لئے اور اہل و عیال کیلئے روزی کماتا۔ اور شہروں کا سفر کرتا۔ اسی دوران میں ملتان پہنچا اور شیخ حسام الدین کی صحبت میں رہا۔ ان کا طریقہ متقیوں کا طریقہ تھا۔ جتنا اللہ نے چاہا میں انکی صحبت میں رہا۔ پھر جب مکہ مکرمہ پہنچا۔ شیخ ابوالحسن بکری صدیقی قدس سرہٗ کی صحبت میسّر ہوئی۔ تو ان کا طریقہ تعلیم و تعلم تھا۔ وہ بڑے زبردست شیخ کامل عارف کامل تھے۔ فقہ و تصوف دونوں میں ماہر تھے تو میں جتنا اللہ نے چاہا انکی صحبت میں رہا۔ انہوں نے بھی مجھے ذکر کی تلقین کی۔ اور ان دونوں مشائخ سے مجھے زبردست علمی، ذوقی فوائد حاصل ہوئے جو علوم صوفیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
اس کے بعد میں نے کتابیں تالیف کیں، رسالے تالیف کئے۔ سب سے پہلا رسالہ جو میں نے طریق الی اللہ میں تصنیف کیا اس کا نام تبیین الطریق الی اللہ رکھا۔ اور اس سلسلے میں سب سے آخری رسالہ جو میں نے لکھا اس کا نام ؛ غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال، رکھا۔

طلباء میں سے جو بھی ان رسالے کو پائیں تو ضروری ہے کہ دوسرے رسالے کو بھی تلاش کریں۔ تاکہ اعتدال والی راہ پر گامزن رہ سکیں۔

صاحب النورالسافر نے آپ کو من حسنات الدھر اور خاتمہ اہل ورع اور مفاخرالہند کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ [1]

ظفرالوالہ میں آپ کے مفصل حالات اس طرح ہیں کہ!

آپ مکہ مکرمہ سے سلطان محمود کے پاس زیارت کے لئے آئے تھے۔

---

[1] النورالسافر صـ ۲۸۳

سلطان نے ان کے جی کی ہر حاجت اور آرزو کو پورا کیا۔ ایک دفعہ نماز کا وقت ہوا سلطان شیخ کی خدمت میں تھے۔ شیخ نے سلطان کو دیکھا کہ وضو کر رہے ہیں اور فارغ نہیں ہوئے بہت دیر لگتی ہے۔ اور اتنا پانی خرچ کرتے ہیں کہ جس سے ان کے علاوہ اگر کوئی غسل کرے تو پھر بھی پانی بچ جائے تو شیخ ان کی بیماری سمجھ گئے مگر اس وقت خاموش رہے یہاں تک کہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے پوچھا تو سلطان نے وسوسے کی شکایت کی تو شیخ نے فرمایا کہ انشاء اللہ زائل ہو جائے گا۔ پھر شیخ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت آیا پھر جب شیخ وضو کے لئے کھڑے ہوئے تو شیخ نے لوٹا لیا اور ان کو مسنون وضو کرایا۔ اگرچہ سلطان کے لئے تھوڑے پانی سے طہارت حاصل کرنا مشکل ہوا مگر شیخ کے ادب کی وجہ سے انہوں نے صبر کیا اور امتثالِ امر کیا۔ شیخ نے ان سے فرمایا کہ اگر آپ سنت کو ترجیح دیتے ہیں تو آپ کا وضو اسی طرح ہونا چاہیئے۔ اور اس کی پابندی کیجیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے خلاف مُوسوِس پر آپ کی مدد فرمائیں گے اور اسی طرح ہوا کہ شیخ ان کے وضو اور غسل کے وقت موجود رہتے اور کئی دن اسی طرح کیا تو شیخ کی برکت شاملِ حال ہوئی اور انہیں قوت پہنچی اور وسوسہ دور ہو گیا۔ یہاں تک کہ اتنے پانی سے غسل کر لیتے تھے جو پہلے ان کے وضو کے لئے کافی نہیں ہوتا تھا۔

پھر موسم حج میں شیخ مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے اور شیخ یہاں سے فراخی دل کے ساتھ لوٹے۔ اسی وجہ سے وہاں مکہ مکرمہ پہنچ کر اپنی رباط کے قریب سوق اللیل میں شیخ نے اپنے رہنے کے لئے ایک گھر بنایا جس کا ایک وسیع حوش[1] تھا اور کئی کمرے تھے۔ جو ان مریدین و متبعین کیلئے بنائے گئے تھے جو آپ کی — — — — — . خدمت میں رہتے اِسی لئے کہ شیخ بہت سوں کی کفالت

[1] مکان کا اندرونی کھلا صحن

کرتے تھے اور جو بھی سائل آتا اس کی وقت پر مدد فرماتے اور سلطان کے وقف میں سے جو ہر سال مال جاتا تھا وہ ساری زندگی کل رقم شیخ کے اختیار میں ہوتی کہ جس کو چاہیں جتنا چاہیں عطا فرمادیں۔ اور اس کے علاوہ بھی ان کو برابر بھیجا جاتا رہا۔

شیخ کی مکہ مکرمہ میں بڑی شہرت ہوگئی یہاں تک کہ سلطان روم تک شیخ علی متقی کی اطلاع پہنچی، اس زمانہ میں سلطان روم سلیمان خاں بن سلیم خاں ابن بایزید بن محمد بن مراد بن محمد بن مراد اور خان بن عثمان تھے۔ تو سلطان سلیمان رومی نے آپ کے پاس دعا کی درخواست کے لئے خط لکھا اور ان سے بھی ساری زندگی تعلق رہا۔

پھر شیخ دوسری مرتبہ ہندوستان تشریف لائے اور سلطان سے ملاقات ہوئی۔ سلطان ان کے آنے کی وجہ سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ کچھ روز کے بعد سلطان کی مجلس میں ان کو مخاطب کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا: آپ کو معلوم ہے کہ میں کس وجہ سے آیا ہوں؟ سلطان نے عرض کیا مجھے معلوم نہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے خیال ہوا کہ میں آپ کے احکام کو میزانِ شریعت کے ترازو میں تولوں۔ پھر جو احکام شریعت کے موافق ہوں وہی رہنے چاہئیں۔ سلطان نے انکی اس کوشش وسعی کو مشکور قرار دیا اور اس کو مان لیا اور وزراء کو حکم دیا کہ تمام امور میں شیخ سے مراجعت کریں۔ شیخ نے ایک زمانے تک تمام امور اور تمام حالات کو خود اپنی نظر سے دیکھا اور احکام کے بارے میں خود اجتہاد کیا جو مطابق شرع تھے ان کو جاری رکھا اور جو مطابق شرع نہیں تھے ان کو موقوف کر دیا لیکن بہت سے قانونی اعمال میں بھی خلل پذیر ہوئے ساتھ ساتھ اس سے سیاست بھی معطل و بے کار ہو گئی اور جو رسوم اور بدعات وغیرہ تھیں وہ سب ختم ہوگئیں وزراء مصرف کے لئے خزانے کے محتاج ہو گئے۔ شیخ نے شیخین رضی اللہ عنہما کی سیرت کا انتظام کیا ایسے دور میں جو انکے دور کی طرح نہیں تھا اور ایسی رعیت میں

جو شیخین کی رعیت کی طرح نہیں تھی۔ تھوڑے ہی دن نہ گذرے۔ یہاں تک کہ شیخ کی وصیت سے شیخ کا وہ مرید بھی نکل گیا جسکو اپنی طرف سے شیخ نے عارضی امور کی تحقیق کے لئے مقرر کیا تھا اور شیخ ان کو دنیا میں زاہد اور عفیف سمجھ رہے تھے اور بہت زیادہ متورع سمجھ رہے تھے۔

شیخ نے جس کا التزام کیا تھا اس سے اپنا ہاتھ جھاڑ دیا۔ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی مجلس میں دوبارہ واپس نہیں لوٹے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب شیخ نے میزان شریعت کو لازم پکڑا تو آپ نے اس کو بُرا سمجھا عمال دنیا آپ کے ساتھ مجالست کریں اور آپ کا وقت ان سے مراجعت کرنے میں خرچ ہو اور مراجعت کے لئے ان سے گھل مل کر رہنا پڑے۔ آپ کے پاس آپ کے تلامذہ میں سے جن پر اعتماد تھا اور آپ کے اصحاب میں جو سب سے بڑے سمجھے جاتے تھے۔ جن کی دیانتداری پر شیخ کو اعتماد و اعتقاد تھا اور شیخ ان کو دیکھ رہے تھے کہ وہ شبہات سے بھی اپنے آپ کو بچاتے ہیں جن کا نام شیخ چیلا تھا۔ شیخ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عمال کے ساتھ بیٹھیں اور ان کی باتیں سنیں اور شیخ کو تحقیق کے بعد خبر دیں کہ حقیقت حال کیا ہے۔ تو وہ ان کے ساتھ بیٹھتے، سنتے اور حقیقت کی تحقیق کرنے کے بعد شیخ کو خبر دیتے پھر شیخ کا جواب ان کے پاس لے کر واپس آتے۔ مگر ضرب المثل ہے کہ صحبت اثر انداز ہوتی ہے۔ بس وزراء کی دسیسہ کاریاں شروع ہو گئیں کہ اسے رشوت دے کر وہ راضی کرنے لگے پہلے وہ چاندی کے برتن سے پانی پینے کو مکروہ قرار دیتے تھے بعد میں مباح قرار دینے لگے بلکہ چاندی کا برتن پاتے تو اُسے چرا لیتے۔

پھر کسی معاملے میں وزیر کے اشارے سے ایک عورت اس کے پاس پہنچی

اس کے ساتھ ایک مرصع ہار تھے جو اس کو رشوت کے طور پر دیا پھر اس عورت نے وہ ہار شیخ کے خادم کی بیوی کو خادم کی موجودگی میں رشوت کے طور پر دیا اور اس عورت نے آکر وزیر سے اس کی شکایت کی ، وزیر سلطان کے پاس پہنچے اور سلطان سے کہا کہ تمام قانونی اور رسمی معاملات معطل ہو گئے اور شریعت بھی رشوت کی تدسیس سے خالی نہیں رہی ۔ شیخ اگرچہ رجالِ برکت میں سے ہیں مگر رجالِ حکومت میں سے نہیں ہیں ، یہاں ایک عورت ہے جس نے شیخ کے وکیل کو اس طرح رشوت دی ، سلطان تکئے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ۔ جب یہ سنا تو ٹھیک سے بیٹھ گئے ۔ پوچھا کہ وہ عورت کہاں ہے ؟ عورت کو حاضر کیا گیا اس سے پوچھا تو اس نے جو رشوت دی تھی اس کی خبر دی ۔ تو سلطان نے شیخ کے خادم کو بلایا اور اسے اس کے متعلق پوچھا تو پہلے اس نے انکار کیا پھر سلطان نے اس عورت سے اس کا آمنا سامنا کروایا تو اس عورت نے وزیر سے کہا کہ اس سے پوچھ پھر وہ عورت کہنے لگی کہ میں ابھی وہ ہار تیرے پاس سے کر آتی ہوں اور اس نے لاکر دکھایا ۔ سلطان بہت متاثر ہوا اور اس نے حکومت کے معاملات دوبارہ اسی طریقے پر وزیر کے سپرد کر دیئے جس طرح گذشتہ زمانے میں پہلے سے چلے آرہے تھے ۔ شیخ کو اس کی اطلاع پہنچی تو سلطان کے پاس پہنچے سلطان کو اپنی عادت کے موافق موجود نہیں پایا تو سلطان کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ وہاں سے اپنے گھر واپس نہیں لوٹے بلکہ مکہ مکرمہ سفر کی نیت کر لی اور اسی وقت سرکھیج کے لئے روانہ ہو گئے سلطان کو جب معلوم ہوا تو کئی مرتبہ بلانے کے لئے آدمی بھیجا اور ان کو واپس تشریف لانے کی درخواست کی مگر شیخ نے قبول نہیں کیا پھر بڑے بڑے امراء سلطان کی طرف سے شیخ کی تسلی کے لئے حاضر ہوئے مگر شیخ نے ان کے سامنے دنیا کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو بیان کرنا

شروع کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، اس درمیان میں کہ آپ امراء کو نصیحت فرما رہے تھے۔ امراء آپ کے پاس موجود تھے کہ سلطان خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ کے یہاں مقیم رہنے میں ہمارے لئے ملک میں بہت بڑی برکت ہے اور آپ کی صحبت میں رہ کر دنیا میں اپنی آخرت کے لئے یہاں والے بہت کچھ کما سکیں گے۔ شیخ نے جواب دیا کہ مکہ مکرمہ میں قبولیت اور دعا کی بہت سی جگہیں ہیں وہاں رہ کر تمہارے لئے دعا کرنا یہ حال کے بھی زیادہ موافق ہے مآل کے اعتبار سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ پہلے سے یہ کہا گیا ہے کہ دنیا اور دین سوکنیں ہیں دونوں اکٹھی نہیں رہ سکتیں تو میرے دل میں اس کا ممکن ہونا کھٹکتا رہتا تھا تو میں نے چاہا کہ میں تجربہ کرکے اس کو آزما کر دیکھ لوں۔ یہی چیز مجھے مکہ مکرمہ سے تمہاری طرف سفر کرکے اٹھا کر لائی تھی کہ میں نے تمہاری طرف سے موافقت دیکھی تھی لیکن میں جب تمہارے ساتھ رہا اور تمہاری موافقت اور ترکِ نصرت، عدم موافقت دونوں کو دیکھ کر میں نے تجربے سے معلوم کر لیا کہ دین اور دنیا دونوں سوکنیں ہیں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں جس کی وجہ سے میں آیا تھا وہ الحمدللہ حاصل ہو گیا۔ اب میرے لئے اس وقت بیت اللہ کی طرف توجہ کرنے میں وقت کو صرف کرنا لازم ہے اور بقیہ وقت حرم کے جوار میں گزارنا ہی میرے لئے بہتر ہے۔ اور یہاں میری طرف سے حاضری کے لئے میاں عبدالصمد نائب رہیں گے اور انمیں دعا کی بھی اہلیت ہے پس تم ان سے درخواست کرتے رہنا اور میں نے ان کو اجازت دی ہے اور اجازت کا قبولیت میں بڑا اثر ہوتا ہے اور میں تمہیں انابت الی اللہ کی تمام احوال میں وصیت کرتا ہوں اور شریعت کے حکم کو جاری رکھنے اور جاری کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور شریعت والوں اور علماء کی عزت اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کہ فَاِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَن

اَحَبَّ ۔ اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا ۔
اور خاص طور پر فقر کے شعار کی تعظیم کرتے رہنا۔ اس لئے کہ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَا یُعْبَأُ بِہٖ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ ۔ کہ بہت سے پراگندہ بال، غبار آلود جن کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی وہ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ انکی قسم کو پورا فرمائے۔ اور فقراء کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتے رہنا اس لئے کہ انہیں کل کو حکومت ملنے والی ہے۔ حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "انفق یا بلال ولا تخشی من ذی العرش اقلالا" ۔ اور صحیحین میں ہے کہ فقراء مہاجرین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مال والے بلند درجات اور دائمی نعمت لیگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیسے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ نماز پڑھتے جس طرح کے ہم پڑھتے ہیں وہ روزے رکھتے ہیں جس طرح کہ ہم رکھتے ہیں۔ وہ صدقہ کرتے ہیں ہم نہیں کرسکتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کرسکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے تم ان لوگوں کو پکڑ لو جو تم سے آگے بڑھ چکے ہیں اور تم اپنے بعد والوں سے اور پیچھے والوں سے سابق ہی اور آگے ہی رہو اور تم سے کوئی افضل اور بہتر نہ ہوسکے مگر جب وہ تمہارے جیسا عمل کرے۔ ، تو انہوں نے عرض کیا ضرور بتایئے یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہتے رہو۔

اس کے رواۃ میں سے ایک ابو صالح کہتے ہیں کہ فقراء مہاجرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے ان بھائیوں نے بھی جو مال والے ہیں انہوں نے بھی سن لیا ہے جو ہم کرتے

ہیں انہوں نے بھی اس کی مانند کرنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ جس کو اللہ نے نعمت کے طور پر سلطنت دی ہو اس کا شکریہ انفاق اور خرچ کرنا ہے۔ واللہ یقول الحق و هو یهدی السبیل۔

پھر سلطان کو اللہ کے سپرد کیا اور بندر کھوکھ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور وہاں سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ [1]

مرأۃ احمدی کے خاتمہ میں آپ کا مفصل حال لکھا ہے آپکا اسم شیخ علی متقی کبیر (م ۹۷۵ھ)

آپ کا اسم گرامی شیخ علی ابن حسام الدین عبدالمالک المتقی، قادری شاذلی، مدنی چشتی ہے۔ آپ کے آبار کرام جونپور کے تھے۔ آپ کی ولادت بھی جونپور میں ہوئی آپ کے والد سات یا آٹھ سال کی عمر میں آپ کو شیخ باجن چشتی کی خدمت میں لے گئے جو برہانپور میں تھے اور ان کا مرید بنایا اور اس کے بعد آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد آپ باقتضاء بشری کچھ عرصہ مندو کے ایک بادشاہ کی ملازمت میں رہے اور جوانی کے ایام میں کچھ دن ان کے یہاں ملازمت کی اور اس طرح کچھ متاعِ دنیا ہاتھ لگ گئی۔ اس دوران جذبۂ عنایت الہیٰ نے کھینچا اور دنیا نظر میں حقیر معلوم ہونے لگی۔ شیخ عبدالحکیم بن شاہ باجن کی خدمت میں پہنچے۔ ان سے اکتسابِ فیوض کے بعد خرقۂ خلافت پایا۔ اور پھر ملتان کے علاقہ کا سفر کیا اور شیخ حسام الدین متقی کی صحبت ملی۔ ان کی صحبت سے ورع و تقویٰ اور طریقِ سلوک کی تعلیم حاصل کی نیز ظاہری علوم بھی پڑھے تفسیر بیضاوی اور عین العلم دو سال میں پڑھی۔ اس کے بعد حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ شیخ ابوالحسن بکری کی صحبت میں رہے۔ ان کی شاگردی اختیار کی ان

---

[1] ظفر الوالہ ص ۳۱۵ ج ۱

کے علاوہ دیگر علماء و مشائخ کی خدمت میں رہے ان سے استفادہ کیا نیز شیخ محمد بن محمد بن محمد السخاوی سے بھی آپ کو قادریہ، شاذلیہ، مدنیہ، مغربیہ سلسلہ کی خلافت ملی اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے، کتابوں کی تصنیف شروع کی اور متعدد رسائل وکتب، علم حدیث و تصوف میں تحریر فرمائے۔ سیوطی کی کتاب جمع الجوامع میں جو حروف تہجی کی ترتیب پر انہوں نے احادیث مرتب کی تھی۔ اس کو آپ نے فقہی ابواب کی ترتیب پر ترتیب دیا۔ دوسری جمع الجوامع سے آپ نے احادیث منتخب کرکے ایک احادیث کے ذخیرہ کا انتخاب کیا۔ تبیین الطریق جو عملی اشارے سے آپ نے تصنیف فرمائی۔ نیز آپ نے مجموعہ حکم تصنیف فرمائی جس میں تصوف کے مراتب کو ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی جو اپنے زمانے کے بڑے مکی فقہا میں شمار ہوتے تھے۔ شروع میں وہ شیخ علی متقی کے استاذ بنے مگر بعد میں آپ اپنے آپ کو شیخ علی متقی کا تلمیذ حقیقی کہا کرتے تھے اور شیخ علی متقی کے مرید ہوئے اور خرقۂ خلافت پایا۔

سفر میں شیخ علی متقی کا حال یہ ہوتا کہ آپ نے دو تھیلے بنائے تھے۔ ایک میں اسباب طعام چاول، ماش، اُڑد، تیل اور برتن وغیرہ رکھتے اور دوسرا ایک تھیلا تھا جس میں قرآن پاک اور دیگر ضروری کتابیں ہوتیں۔ اور پانی کی ایک بڑی مشک ہوتی۔ اپنے ہاتھ ہی سے کھانا پکاتے تھے۔ اس میں کسی دوسرے سے اعانت نہیں لیتے تھے جب تک کہ کوئی ضرورت اور مجبوری نہ ہو مگر اس حالت میں بھی اس کو اس کی اجرت عطا فرما دیتے۔

سلطان بہادر کے زمانے میں احمد آباد تشریف لائے سلطان نے آپ کے کمالات اور اوصاف کو سنکر ملاقات کی درخواست کی مگر شیخ نے قبول نہیں کیا ہمیشہ حجرے کا دروازہ بند رکھتے کسی کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔

جب سلطان کا اشتیاق حد سے زیادہ بڑھ گیا تو قاضی عبداللہؒ سندھی جو کہ سندھ سے مدینہ منورہ اقامت کی نیت سے چلے تھے ابھی احمد آباد میں مقیم تھے اور شیخ کے ساتھ ان کو محبت اور اعتقاد کی نسبت تھی انہوں نے شیخ سے عرض کیا کہ شیخ سلطان بہادر کی درخواست کو ایک دفعہ قبول فرمالیں اگرچہ ان سے آپ کلام نہ فرمائیں شیخ نے فرمایا کہ ان کے غیر شرعی لباس کو میں دیکھوں گا تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس کو میں دیکھوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں ۔ ملازمین نے عرض کیا کہ آپ جو چاہیں فرمائیں اور جو چاہیں کریں سلطان حاضر خدمت ہوئے ۔ آپ نے نصیحت فرمائی ۔ دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ ٹنکہ گجرات کا ٹنکہ ہدیہ کے طور پر بھیجا ۔ آپ نے وہ تمام کا تمام قاضی عبداللہؒ کو عطا فرما دیا اور فرمایا کہ اس ملاقات کا باعث اس کا واسطہ اور اس ہدیہ کے پہنچنے کا ذریعہ تم بنے ہو ۔ اس لئے اس ہدیہ کا تعلق تم سے ہے ۔ شیخ ہمیشہ احادیث اور سنتوں کا اتباع کرنے والے تھے اور اس زمانے کے تمام مشائخ آپ کی ولایت اور فضل و کمال کے معترف تھے ۔ اس درجۂ شہرت کے باوجود بھی شیخ ہمیشہ کتابت کے ذریعہ اپنا گذارہ کرتے کبھی ضرورت پڑتی تو آپ بیوہ عورتوں سے قرض منگواتے ۔ اور بعد میں اس کو ادا فرما دیتے ۔ آپ فرماتے تھے کہ بارہا جنگل میں اس کا اتفاق پیش آیا ہے کہ کنواں پانی سے بھرا ہوا ہے اور ہرن کنوئیں کے ارد گرد تشنہ کھڑے ہوئے ہیں ۔ پانی کی طرف نگاہ کر رہے ہیں فضل الٰہی جوش میں آتا ہے اور پانی خود بخود اوپر تک آجاتا ہے اور جانور بھی سیراب ہو کر پی لیتے ہیں ۔ ہم نے بھی اس میں سے شاید پانی پیا ہے ۔ سلطان محمود بھی اکثر شیخ کی خدمت میں حاضری دیتے انہیں پانی کے بارے میں وسوسہ کا بہت بڑا مرض تھا ۔ اور اور کسی تدبیر اور حیلہ سے وہ زائل نہیں ہوتا تھا ۔ شیخ نے ایک طشت اور

اور ایک پیالہ منگوایا۔ اپنی ٹوپی کو تین بار دھویا اور پانی پھینک دیا چوتھی مرتبہ دھوکر شیخ نے وہ پانی رکھ لیا سلطان سے فرمایا کہ بابا محمود یہ پانی شریعت مطہرہ میں پاک اور صاف ہے اس میں شک کرنا شیطان کا وسوسہ ہے اس کو پی لو اور کسی قسم کا شبہ نہ کرو۔ سلطان نے وہ پانی پی لیا اور اسی گھڑی سلطان کے دل سے وسوسہ بالکلیہ زائل ہوگیا۔ شیخ کی ولادت ۸۵۰ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات ۹۷۵ھ ۲ر جمادی الاولیٰ کو ہوئی۔ اور آپ نے نوّے ۹۰ سال عمر پائی مدینہ منورہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ [۱]

لیکن خاتمہ مرآۃ احمدی کا یہ بیان بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے معلوم ہوچکا ہے۔

محدث علی متقی کے اُستاذ

شیخ حسام الدین متقی ملتانی

۸۷۸ھ ـ ۹۶۱ھ

آپ بڑے عالم، زاہد، متقی تھے۔ خدا کے ارشاد فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کے پیش نظر فاتقوا اللہ حق تقاتہ کے بلند مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ خراجی زمین میں کاشت کرتے، اور اس کا خراج ادا کرتے تھے اور آخر کار ان زمینوں پر ایک حادثہ کی وجہ سے ایسا واقعہ پیش آیا کہ زمینیں مختلط ہوگئیں اور ان کا خراجی ہونا مشتبہ ہوگیا تو اس شبہ کی وجہ سے آپ نے اس زمین کی پیداوار کو کھانا ترک کردیا اور

[۱] خاتمہ مرآت احمدی صہ ۸۵۔

جب شدید بھوک لگتی تو قوت لایموت کے اندازہ سے معمولی سی غذا کھا لیا کرتے تھے، اور اسی سختی اور تنگی کے زمانے میں آپ کی وفات ہوگئی۔ تقوی زہد اور اسلامی شعار ہونے میں آپ اللہ کی نشانی تھے اور ان بزرگوں میں سے تھے جن کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝	اولیاء اللہ نہ خوفزدہ ہونگے اور نہ ہی غمگین ہونگے۔ اور یہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد خدا سے ڈرتے ہیں۔

شیخ علی متقی نے بھی آپ سے اوائل عمر میں اسلامی علوم حاصل کئے اور پاکبازی کا درس لیا۔

منقول ہے کہ شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ اب طبیعت کچھ خراب سی ہے اس کا کیا سبب ہے؟ آپ کا یہ اصول تھا کہ جب باطن میں کچھ تکدر محسوس کرتے تو اپنی غذا کے متعلق تحقیق و تفتیش کرتے کہ شاید غذا میں کوئی فرق ہو چنانچہ آپ غذا کی تحقیق کے لئے باورچی خانے گئے اور باورچی سے دریافت کیا کہ آج کھانا کس طرح اور کہاں پکایا گیا تھا؟ باورچی نے تمام باتیں تبلانے کے بعد کہا کہ آج میں نے پڑوسی کے ہاں سے بغیر اجازت آگ لے لی تھی چنانچہ آپ اس پڑوسی کے یہاں گئے جہاں سے آگ آئی تھی اور اس سے معافی مانگی اور کچھ دیکر خوش کر دیا۔

نیز شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ آپ کی مجلس سے جاتے وقت ایک آدمی نادانستہ طور پر اپنے سامان میں آپ کا جوتا بھی لے گیا جب اسے معلوم ہوا تو وہ آپ کا جوتا واپس لایا تو آپ نے کہا کہ یہ میرا نہیں ہے مگر اس آدمی نے کہا یہ آپ ہی کا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ مجھے دینا چاہتے ہیں تو اس کی قیمت مجھ سے لیکر جوتا

مجھے دیدو مگر وہ اس بات کو ماننا نہ تھا، بالآخر آپ نے اصرار کرکے جوتے کی قیمت اس کو دیدی اور جوتا رکھ لیا اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنی تمام مملوکہ اشیاء سے حق ملکیت ختم کر رکھا ہے تاکہ اگر کوئی شخص میری چیز استعمال کرے تو وہ اس کیلئے ناجائز نہ ہو۔

کہتے ہیں کہ آپ شیخ بہاؤالدین ملتانی کے مقبرے کے سائے کے نیچے کبھی کھڑے نہ ہوتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ بیت المال کی رقم سے بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کا حق اس پر خرچ ہوا ہے۔ اب میرے لئے جائز نہیں کہ میں اس کے سایہ کے نیچے کھڑا ہوں (سبحان اللہ! ایسے ہوتے ہیں اللہ والے کتنی دقیق نظر تھی اور اتباع شریعت کی بھی حد کردی۔)

آپ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام بایزید تھا، جو نہایت متقی اور مشائخ صفت بزرگ تھے۔

منقول ہے کہ آپ اگر کسی کو مسجد میں گاتے ہوئے دیکھتے تو منع فرما دیتے، آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑے پابند تھے اور دوسروں کو بھی اس پر پابندی سے عمل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ کے صاحبزادے شیخ بایزید کی تو کیفیت یہ تھی کہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر روتے رہتے تھے، ایک دفعہ شیخ بایزید کو کسی نے ایک روپیہ تحفۃً دیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کا کیا کیا جائے گا اس دن کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ روپیہ ایک نقدی سکہ ہے جو لوگوں کے لین دین بیع وشراء وغیرہ کاروبار میں کام آتا ہے۔ [۱]

---

[۱] اخبار الاخیار صفحہ ۴۵۔

شیخ عبداللہ سندھی

م ذوالحجہ ۹۸۴ھ بمطابق فروری ۱۵۷۷ء

شیخ عالم محدث عبداللہ ابن سعداللہ متقی سندھی مہاجر مدنی ، آپ مدینہ طیبہ کے فقہاء صوفیاء میں سے تھے ۔ ان کے معاصرین میں حدیث و تفسیر میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا ۔ سرزمین سندھ میں آپ کو نہایت والہانہ نگاہوں سے دیکھا جاتا ۔ آپ نے مدینہ منورہ میں نشوونما پائی تھی ۔ برسوں ان مقاماتِ شریفہ میں درس و عبادت میں مصروف رہے ۔ پھر بعض حوادث و اسباب کی بناپر ۹۶۰ھ کے قریب گجرات تشریف لائے اور کچھ مدت احمد آباد میں اقامت فرمائی ۔

اس دوران علم حدیث پڑھاتے تھے ۔ آپ نے حجاز کے ائمۂ حدیث اور شیخ علی متقی برہانپوری سے حدیث پڑھی ۔ شیخ رحمت اللہ ابن قاضی عبداللہ سندھی نے آپ سے اکتساب کیا ۔ جب گجرات میں قیام پذیر تھے تو علماء و عوام دونوں طبقوں کو پڑھاتے رہے ۔ آخر میں مکہ مکرمہ چلے گئے ۔

آپ اور آپ کے ساتھی شیخ رحمت اللہ کو لوگ شیخین کہا کرتے تھے خواجہ عبدالشہید عبیداللہی فرماتے تھے کہ یہ دونوں شیخین حقیقت میں حضرت ابوبکر رض و عمر فاروق (شیخین) کی یاد دلاتے ہیں ۔ یہ دونوں علم و عمل اور تقویٰ کے مجسمے تھے ۔ ان جیسے اشخاص مدینہ منورہ سے آج تک نہیں آئے ۔

ماہ ذی الحجہ ۹۸۴ھ بمطابق فروری ۱۵۷۷ء میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا ۔ نوراللہ مرقدہٗ [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ص ۳۲۹ ، نزہۃ الخواطر عربی ج ۴ ص ۲۳۳ ، اخبار الاخیار ص ۲۰۵ ۔

مولانا شیخ رحمتُ اللہ سندھی

م ۹۹۴ھ / ۹۹۵ھ بمطابق ۱۵۸۵ء / ۱۵۸۶ء

شیخ عالم کبیر محدث رحمت اللہ ابن قاضی عبداللہ بن ابراہیم عمری ، سندھی ، مہاجر مدنی دربیلہ سندھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد قاضی عبداللہ سندھی سندھ سے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو چند دنوں تک احمد آباد میں قیام کیا ۔ اسی زمانہ میں حضرت شیخ علی متقی گجرات میں مقیم تھے ، اور حجاز مقدس کے لئے پابرکاب تھے ۔ قاضی صاحب نے شیخ کی صحبت اختیار کرلی ۔ اس سفر میں شیخ رحمت اللہ بھی ساتھ تھے ۔ شیخ رحمت اللہ نے حجاز پہنچکر شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کی اور ان کی خدمت میں رہ کر ظاہری و باطنی کمالات کا اکتساب کیا ، مدینہ منورہ میں شیخ علی متقی صاحب تنزیۃ الشریعۃ سے علم حدیث کی تحصیل کی ۔

ان کے ساتھی شیخ عبداللہ تھے ۔ انہوں نے بھی شیخ علی متقی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ، شیخ علی متقی کے فیضِ صحبت سے یہ دونوں بزرگ یعنی شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبداللہ بہت اونچے مقام پر پہونچ گئے تھے ۔ طلبہ انہیں شیخین سے یاد کیا کرتے تھے ۔

حجاز کے زمانہ قیام میں کسی کا ہدیہ شبہ کے خیال سے قبول نہ فرماتے تھے ترکی کے حکام اور سلطان عثمان کچھ رقم شیخ علی متقی برہانپوری کے پاس بھجوائے تاکہ وہ اُسے اربابِ ضرورت اور علماء پر تقسیم کردیں ، مگر شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبداللہ اور شیخ عبدالوہاب متقی کے لئے قبول نہ فرمائے ۔

شیخ رحمت اللہ نے سفر سے واپسی پر ۹۷۰ھ میں بعض مجبوریوں کی بنا پر احمد آباد میں قیام فرمالیا اور کئی سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔ آخر عمر میں مریض ہوئے اور اسی حالت میں دوبارہ حجاز روانہ ہو گئے، مکہ معظمہ پہونچ کر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۹۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ رحمت اللہ نے مناسک حج میں دو رسالے لکھے اور ان میں سے جو اہم اور ضخیم ہے اس کا نام "جمع المناسک ونفع الناسک" ہے جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"الحمد للہ اکمل الحمد علیٰ ما ھدٰنا الاسلام"

اس کتاب کی شرح نور الدین علی بن سلطان محمد قادری ہروی نے ۱۰۱۲ھ میں کی اور اس کا نام "المسلک المقسط فی النسک المتوسط" رکھا۔

دوسری تصنیف "لباب المناسک" ہے اس کی شرح ملا علی قاریؒ نے لکھی ہے جس کا نام "المسلک" ہے۔ اس کا تذکرہ چلپی نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ شیخ علی بن محمد الخطیب کی مشہور کتاب تنزیہ الشریعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ کی تلخیص بھی موصوف نے کی ہے۔

حضرمی نے النور السافر میں ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ علمائے عاملین اور عباد الصالحین میں سے تھے۔ بعض علماء نے آپکی تاریخ وفات حساب جمل کے مطابق "رحمت اللہ قد نال مرادہٗ" سے نکالی ہے اور اس میں دو عدد بڑھا دیئے ہیں۔ اہل فن کے یہاں اس میں کوئی قباحت نہیں بالخصوص جبکہ مناسب حال بھی ہو۔ آگے چل کر صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ ہمارے محترم شیخ محمد بن عبد اللطیف جامی مکی المشہور بہ مخدوم زادہ نے اپنے ایک قصیدہ میں ان کے مرثیہ میں لکھا ہے۔

رحمۃ اللہ لا تفارق مثویٰ　　رحمۃ اللہ بالمیاہ الغمام

ترجمہ: اللہ کی رحمت تیری قبر سے دور نہ ہو، اور یہ رحمت تجھ پر ابر اور بارش کا سایہ رکھے۔

تنبیہ اول: ابن العماد حنبل نے شذرات جلد ہشتم میں اس نام کے دو بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔ آپ کا ذکر شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ کے عنوان سے ہے، اور سن وفات ۹۷۸ھ ہے۔ دوسرے کا ذکر شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ کے عنوان سے ہے۔ اور ان کا سن وفات ۹۹۳ھ ہے۔

ہم یہاں جن کا ذکر کر رہے ہیں وہ بھی دوسرے بزرگ ہیں اور حسب تصریح شیخ عبدالحق یہ قاضی عبداللہ سندھی کے صاحبزادے ہیں۔

تنبیہ دوم: شیخ عبدالقادر عیدروس نے "جمع المناسک ونفع الناسک" کو شیخ عبداللہ بن سعداللہ کی تصنیف قرار دیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ جمع الناسک کے دیباچہ سے ظاہر ہے۔

جمع الناسک کے بارے میں شیخ علی متقی فرمایا کرتے تھے کہ:

"در مناسک حج بے عدیل و بے نظیر واقع شدہ است" [1]

النور السافر وغیرہ میں آپ کے حالات ذرا تفصیل سے اس طرح درج ہیں کہ: مولانا رحمت اللہ بن عبداللہ سندھی در یلہ سندھ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہاں سے اپنے والد کے ساتھ گجرات اور پھر حجاز چلے گئے۔ مدینہ منورہ میں شیخ علی بن محمد بن عراق مصنف "تنزیہ الشریعۃ" سے حدیث کی سند لی۔ مدتوں درس و افادہ میں مصروف رہے، ہمیشہ زہد و عفاف کی زندگی بسر کی ان کی تصنیفات میں مناسک حج پر کئی رسالے ہیں، ملا علی قاری نے ان کی

---

[1] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر اردو ص۱۲۵، ۱۹۸، اعیان الحجاج ص۲۲۰۔

'منسک اوسط' (پشاور ۶۴۳۵) کی شرح 'مسلک متقسط' کے نام سے لکھی۔

المناسك الصغير (برلن ۴۰۵۵)

راقم الحروف نے اس کتاب کا مخطوطہ برلن کی لائبریری میں دیکھا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مناسک حج سے متعلق ایک مختصر سی کتاب ہے۔ اس موضوع پر مصنف نے ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام 'المناسک الکبیر' ہے۔ اور زیر تبصرہ کتاب اسی کا خلاصہ ہے۔ ایک اور تالیف 'تنزیہ الشریعہ' کی تلخیص ہے۔

شیخ رحمت اللہ سندھی کی تصنیف 'مجمع المناسک و نفع الناسک' (قاہرہ ۳/۲۷۰۔ سلیمانیہ ۴۱۲) کے متعدد قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ فقہ حنفی کی رو سے فریضہ حج کے احکام اور مسائل بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف سے وہ ۲۲ صفر ۹۵۰ھ بمطابق ۱۵۴۳ء میں فارغ ہوئے۔

اپنی کتاب کی اہمیت اور موضوع کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'لما کان الحج من اعظم الطاعات تکثرت فی بابہ المصنفات
غبرات منہا مایمل ومنہا ما یخل و قد قصرت ہمہم عن
المطولات فحدانی ذلك ان اجمع کتاباً وسطاً نا قلاً من
الکتب المعتبرۃ المعتمدۃ'

چونکہ حج بڑی عبادات میں سے ایک ہے۔ اور اس کے بارے میں بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن ان کتابوں میں بعض ملال اور خلل سے خالی نہیں۔ پھر

طویل کتابوں سے لوگوں کی ہمتیں بھی قاصر ہوگئی ہیں، سو اسی بات نے مجھے آمادہ کیا کہ میں ایک درمیانہ حجم کی ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں حج کے متعلق تمام معتبر اور معتمد علیہ کتابوں کا مواد نقل کر دیا جائے۔

تیسری کتاب: لباب المناسک وعباب المسالک (ملاحظہ ہو معجم مخطوطات[۹۳۰]: بانکی پور ۶ ۷ ۱، آصفیہ: ۱/۱۱۰۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص[۳۰۰]۔

آپ گجرات میں اخیر عمر میں بیمار رہنے لگے اس لئے مکہ معظمہ چلے گئے اور ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء ۹۹۷ھ/۱۵۸۸ء) میں مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا۔ [۱]

---

[۱] نزھۃ الخواطر ص[۱۱۲ ج۴]، النور السافر ص[۳۹۴]، تاریخ ادبیات ص[۲۵۱]، طبقات اکبری ص[۵۰۶ ج۲]۔

شیخ عبدالوہاب متقی

(وفات سنہ ۱۰۰۱ھ۔ سنہ ۱۵۹۲ئ)

عبدالوہاب نام تھا، متقی لقب والد کا نام شیخ ولی اللہ تھا، اصل وطن مانڈو تھا ان کے والد ہندوستان کے اکابر صوفیار صلحار سے تھے۔ نیز مانڈو کے امرار میں سے تھے ترکِ وطن کرکے برہان پور آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

شیخ عبدالوہاب نے ابتدائی تعلیم برہان پور میں حاصل کی بیس سال کی عمر میں سیاحت اختیار کی، گجرات احمدآباد، سیلون ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہونچے اور شیخ علی متقی کی خدمت میں بارہ سال رہ کر علوم و معرفت کا وافر حصہ حاصل کیا چونکہ آپ خوش نویس تھے اس لئے شیخ علی متقی نے آپ سے اپنی تمام تصنیفات لکھوائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالوہاب ابھی کم سن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اس سانحہ کا دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ وطن کو خیرباد کہہ کر خانہ بدوشی اختیار کرلی۔ گجرات، دکن، لنکا، سراندیپ وغیرہ میں عرصہ تک سرگرم سیاحت رہے۔ عموماً کسی مقام پر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتے لیکن جب کوئی قبلۂ علم یا خضرِ طریقت مل جاتا تو اس کے آستانہ پر کچھ دنوں زیادہ قیام کرلیتے اس زمانے میں انھوں نے جس طرح اپنے دن گذارے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے وہ فرماتے تھے۔

کتنی بار ہمارا کھانا اس طرح ہوا ہے کہ کوئی ساتھی چلا جاتا اور قصاب کی دکان کے آگے سے بے کار ہڈیاں اُٹھا لاتا اور گیہوں کے تنکے جو کھیتوں میں گرے پڑے رہتے تھے چن لاتا۔ ان ہڈیوں کو کوٹ کر اور اس گھاس کو پاک و صاف کرکے پکا لیا جاتا اور پھر یک جان کرکے پی لیتے تھے۔ آخر اہل شہر کو اس کی خبر ہوئی اور وہ کھانا لانے لگے تو ہم اس جگہ سے

منتقل ہوکر دوسری جگہ چلے گئے۔ [1]

اسی طرح سیاحت کرتے کرتے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ یہ جمادی الاولیٰ ۹۶۳ھ/۱۵۵۵ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت انکی عمر ۲۰ رسال تھی۔ مکہ مکرمہ میں اس وقت شیخ علی متقی مسند درس وافادہ پر متمکن تھے۔ دور دور تک ان کی شہرت تھی۔ وہ شیخ عبدالوہاب کے والد سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان ہی کے ہوکر رہ گئے۔

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب حیات شیخ عبدالحق میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالوہاب کا خط بہت صاف اور پاکیزہ تھا۔ شیخ علی متقی نے سب سے پہلے ان سے یہی کام لیا۔ جو شخص مدتوں صحرانوردی کرتا رہا اس کی طبیعت میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہوسکتا تھا۔ شیخ عبدالوہاب نے بھی یہ کام دل وجان سے انجام دیا۔ شیخ علی متقی کی ایک کتاب بارہ ہزار سطروں کی تھی انہوں نے بارہ راتوں میں اس کی کتابت مکمل کردی۔ شیخ علی متقی نے جب ان کا یہ ذوق وشوق محنت اور جذبہ دیکھا تو ان کو اپنے اس نووارد شاگرد سے بہت خصوصیت پیدا ہوگئی۔ شیخ عبدالوہاب نے ان کے آستانے کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ شیخ علی متقی کے انتقال تک وہیں جمے رہے۔ شیخ علی متقی کی وفات کے بعد بھی آپ ۲۶ رسال مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے اور وہاں ایسا مرکز علم قائم کیا کہ جس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ!

اس زمانے میں ان کے برابر علوم شرعیہ پر عبور رکھنے والے کم ہونگے۔ وہ ایک زندہ قاموس تھے سب کچھ انہیں یاد تھا۔ فقہ، حدیث کا بھی یہی حال تھا۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷۰۔

اور صرف و نحو و ادب بھی کفایت سے زیادہ جانتے تھے۔ برسوں تک حرم شریف میں ان علوم کا درس دیا۔ [۱]

شیخ عبدالوہاب متقی ہندوستان کے ان عدیم المثال علمار حدیث و فقہ میں سے تھے، جنہوں نے مکہ مکرمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساری علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔ اور اپنے تبحر علمی کا سکہ اہل حجاز و یمن، مصر اور شام سے منوایا تھا۔ شیخ محدث کا بیان ہے کہ!

> تمام اہل حرمین اور کل مشائخ یمن حاضراً و غائباً اور مشائخ مصر و شام جس نے بھی حضرت کو دیکھا ہے ان کا معتقد ہوگیا اور ان کی ولایت اور علو شان کا قائل ہوگیا۔ [۲]

شیخ عبدالوہاب نے تقریباً ۴۰ حج کیے۔ شیخ علی متقی کے انتقال کے بعد واپس احمد آباد تشریف لائے مگر جب مہدویوں نے شرارت کی تو اسی سال واپس چلے گئے اور اس سال کا حج بھی فوت نہ ہوا۔

شیخ عبدالوہاب نے چالیس سال کی عمر تک نکاح نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد نکاح کیا۔ نکاح سے پہلے جو کچھ فتوحات یا کتابت کی اجرت آتی تھی سب درویشوں اور فقرار پر تقسیم کر دیتے تھے۔ نکاح کے بعد اہل و عیال کے حقوق کو مقدم رکھتے تھے لیکن پھر بھی محتاجوں کی مدد بدستور جاری رہی۔

شیخ عبدالوہاب نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بڑی محبت سے علوم شریعت و طریقت کی تعلیم دے کر اپنا مجاز و خلیفہ بنایا۔ شیخ عبدالحق وطن کے ماحول سے بددل ہوکر حجاز چلے گئے تھے۔ ان کا واپسی کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا لیکن استاد نے سختی سے ہدایت کی کہ تمہاری بوڑھی والدہ اور تمہارے بچے منتظر ہیں تمہیں

---

[۱] اخبار الاخیار ص۲۶۵ [۲] اخبار الاخیار

واپس جانا چاہیئے۔ چنانچہ مجبور ہو کر وطن کا رخ کرنا پڑا۔

شیخ عبدالحق تقریباً دو یا چار سال شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں رہے۔ حجاز سے واپسی سے پہلے شیخ عبدالوہاب نے انہیں حزب البحر کی مخصوص اجازت سے سرفراز فرمایا۔ [1]

شاذلیہ سلسلہ میں دعائے حزب البحر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دراصل دعائے حزب البحر شیخ ابوالحسن شاذلی کی تصنیف ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ "عجائب الاسفار" میں اس کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ :

> جب شیخ ابوالحسن شاذلی حج فرمایا کرتے تھے تو براہ صعید مصر اور بحر جدہ ہو کر تشریف لے جایا کرتے ۔ اور کشتی پر سوار ہو کر یہ سفر ہوتا تو روزانہ اس دعائے حزب البحر کو پڑھ لیا کرتے چنانچہ آپ کے سلسلہ کے لوگ روزانہ اب تک اس کا ورد رکھتے ہیں۔ [2]

بہر حال جب شیخ عبدالحق نے اس دعا کو نقل کرنا شروع کیا تو مکہ کے ایک عالم شیخ علاؤالدین نامی آ گئے۔ پوچھا کیا لکھ رہے ہو۔ بتایا کہ حزب البحر کشتی پر سوار ہونے کے وقت پڑھونگا۔ پوچھا کہ حزب البحر کی اجازت حاصل ہے۔ شیخ عبدالحق نے فرمایا جی ہاں شیخ عبدالوہاب متقی سے اجازت حاصل ہے۔ پوچھا کہ شیخ عبدالوہاب سے شناسائی ہے فرمایا ہاں تو شیخ علاؤالدین نے فرمایا کہ مبارکباد تمہارا حج مبرور اور عمل مقبول ہے۔ شیخ عبدالحق نے پوچھا کیسے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یمن کا سفر کیا اور وہاں کے تمام مشائخ و فقرار شیخ عبدالوہاب کی مدح و ثنا میں متفق ہیں نیز سب کو یہ کہتے سنا ہے کہ شیخ عبدالوہاب مکہ کے قطب ہیں۔

---

[1] زاد المتقین [2] عجائب الاسفار صفحہ ۲/۱ ۔

شیخ عبدالوہاب نے اپنے پیر و مرشد شیخ علی متقی سے چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ سلاسل میں اجازت پائی تھی۔ چنانچہ شیخ عبدالحق کو بھی ان چاروں سلسلوں میں خلافت سے نوازا۔

یہاں پر اخبار الاخیار سے شیخ عبدالوہاب کے ملفوظات وکرامات میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ علماء نے تکفیر و تذلیل کو اہم ترین فرض سمجھ رکھا تھا۔ شیخ عبدالوہاب متقی کا خیال یہ تھا کہ:

جس کو دیکھو کلمہ پڑھتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اگر اس سے ایسے کلمات صادر ہوں تو اس کو معذور رکھو اور اس کی تکفیر و تشنیع نہ کرو۔ اور اس کو ملحد نہ بتاؤ[1]

سماع کے متعلق جو اس زمانہ کا نہایت اختلافی مسئلہ تھا شیخ عبدالوہاب کا رویہ یہ تھا کہ:

: نہ مریدین کے کرنے سے راضی ہیں اور نہ مشائخ کے فعل کے منکر۔[2]

شیخ عبدالحق فرماتے ہیں:

: ایک بار جعرانہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ اگر وہاں جانے کی توفیق ہو تو پہاڑ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام و نزول فرمایا تھا اس جگہ سے غافل نہ رہنا۔ اور فرماتے تھے کہ قسمت یاوری کرے تو اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میسر ہے۔ ایک دفعہ ہم وہاں سو گئے تھے جب جب آنکھ جھپکتی تھی حضور کا جمال جہاں آرا نظر میں ہوتا تھا ایک مرتبہ سو سے زیادہ مرتبہ یہ سعادت حاصل ہوئی۔ شیخ عبدالوہاب اس عمرہ کے لئے بہت جاتے تھے اور

---

[1] اخبار الاخیار ص۲۷۳ [2] ایضاً۔

روزہ رکھے ہوئے ننگے پاؤں جاتے تھے۔ [1]
شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ!
ایک مرتبہ شیخ عبدالوہاب نے فرمایا کہ ایک بار میں بچپن میں والد کے ہمراہ سفر میں تھا۔ اثنائے سفر میں ہم راستہ بھول گئے اور ایک صحرائے لق و دق میں پہنچ گئے آب و گیاہ کا نام ونشان تک بھی نہ تھا ہمارے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے رونے لگا والد دلداری کرتے تھے کہ صبر کرو ابھی کھانا آتا ہے۔ اسی حالت میں رات ہو گئی ہم وحشی جانوروں سے بچنے کے لئے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ اسی کشمکش میں رات کاٹی علی الصبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اسی درخت کے نیچے میٹھے پانی کا ایک چشمہ جاری ہے اور قریب ہی ایک نورانی صورت بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم درخت سے اترے انہوں نے ہمیں گرم گرم روٹیاں نکال کر دیں ہم نے کھائیں اور اس چشمہ سے پانی پیا ان بزرگ نے کہا یہاں قریب ہی ایک گاؤں ہے وہاں چلے جاؤ ہم اس گاؤں میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ آرام کیا۔ مجھے وہ چشمہ دیکھنے کا پھر شوق ہوا اس جگہ پر آیا تو دیکھا وہاں نہ وہ چشمہ ہے نہ وہ بزرگ۔ میں حیران رہ گیا شاید وہ بزرگ حضرت خضر ہوں گے۔
شیخ اپنے سفر کا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم دیار مالابار میں پہنچے قاضی شہر شافعی مذہب عبدالعزیز نامی تھا۔ درویشوں کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ ہمیں بھی درویش سمجھ کر بڑی محبت و عقیدت کے ساتھ پیش آیا میں نے اس سے پوچھا۔ کیا اس شہر میں کوئی مرد

---

[1] اخبار الاخیار۔

مرد درویش ہے کہا کیوں نہیں رضا خوارق وکرامات درویش ہے ۔ عوام بھی اس کے بڑے معتقد ہیں ۔ مگر بظاہر ارتکاب نواہی کرتا ہے خود شراب پیتا ہے دوسروں کو بھی پلاتا ہے ۔ اسوجہ سے میں بھی اس سے خوش نہیں ہوں ۔ دوسرے روز میں اس شخص کو دیکھنے کے لئے گیا ۔ دیکھا کہ ایک اونچی جگہ پر بیٹھا ہے ۔ اردگرد لوگوں کا ہجوم ہے ۔ میں جب اس کے قریب پہنچا تو اسنے مجھے مرحبا کہا اور بڑا خوش ہوا مجھے شراب پینے کے لئے کہا ۔ میں نے انکار کیا وہ اصرار کرتا رہا اور میں انکار میں تنگ آ کر کہنے لگا اچھا نہیں پیتے تو نہ پیو ۔ دیکھو اب تمہارے ساتھ کیا پیش آتا ہے ۔ میں یہ سنکر بڑا پریشان ہوا اور اسکی مجلس سے آگیا ۔ اسی رات خواب دیکھتا ہوں کہ بڑا پر لطف نظارہ ہے اور عجیب و غریب باغ ہے چاہا کہ اندر جاؤں لیکن دیکھا کہ دروازے پر ہی وہ مرد شراب خوار کھڑا اپنے ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے ۔ کہتا ہے پہلے یہ شراب پی لو پھر باغ کے اندر جانے کی اجازت ہوگی ۔ اسی اثنا میں بیدار ہوگیا اور لاحول پڑھا پھر سوگیا پھر وہی کیفیت ۔ پھر اٹھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں التجا کی پھر سوگیا تو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف فرما ہیں ۔ دست مبارک میں عصا ہے اور میں حضور کے روبرو حاضر ہوں ۔ اسی وقت وہ مرد شراب خوار حاضر ہوگیا ۔ آپ نے اس کی طرف عصا پھینک کر فرمایا ، ہٹ جا نا مبارک کتے ، اسی وقت اس کی صورت مسخ ہوکر کتے کی ہوگئی ۔ وہ وہاں سے بھاگا ۔ پھر مجھ فقیر سے مخاطب ہوکر فرمایا اس وقت میں نے اُسے یہاں سے نکال دیا ہے اب شہر میں نہیں رہے گا ۔ میں بیدار ہوکر وہاں گیا دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے اور وہ راتوں رات بھاگ گیا ۔

شیخ عبدالوہاب متقی کی وفات ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲ء میں ہوئی مزار مکہ مکرمہ میں ہے قدس اللہ سرہٗ[1]

مخدوم جیو قادری رح سے شیخ عبدالوہاب متقی کی عقیدت

(آپ (مخدوم جیو قادری)

حیدرآباد دکن کے ضلع بیدر میں رہا کرتے تھے، بہت ہی ضعیف دبلے پتلے، عبادت گذار، بابرکت، عالی ہمت اور عظیم الشان بزرگ تھے۔ مالداروں کی جانب بالکل متوجہ نہ ہوتے۔ اور عام طور سے لوگوں سے بے نیاز تھے۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے تھے اگرچہ مخدوم جیو قادری میں کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن رات کو بڑی دیر تک کھڑے ہوکر نفل پڑھا کرتے شیخ عبدالوہاب یہ بھی کہتے تھے کہ مخدوم جی قادری ہم سے زیادہ عالم، اسلامی احکام کی تعمیل کرنے والے متقی و پرہیز گار تھے۔ ہم اور وہ ایک عرصہ تک ساتھ رہے۔ ممکن تھا کہ میں ان کا مرید ہو جاتا لیکن میری قسمت میں تو شیخ علی متقی سے بیعت ہونا تھا۔ مخدوم جیو قادری نے ۱۰۰۰ھ/ ۱۵۹۱ء کے وسط میں وفات پائی۔[2]

خاتمہ مرآت احمدی میں لکھا ہے کہ:

شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ متقی قادری حنفی مندوی۔ آپ شیخ علی متقی کے مرید اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مرشد تھے۔ آپ کی ولادت مندو میں ہے آپ کے والد محترم مندو کے اکابر بزرگوں میں سے تھے اور برہانپور میں مقیم ہوگئے تھے اور حوادث کی بنا پر مندو کو چھوڑ دیا تھا شیخ کے والدین صغر سنی میں وفات پا چکے تھے آپ نے طفولیت ہی سے راہ حق کی طلب اور حق کی تلاش شروع کردی تھی فقر و تجرید کے راستے میں بہت تکالیف اٹھائیں اور سفر کئے۔

---

[1] تذکرہ قاریان [2] اخبار الاخیار ص ۵۵۹

اس کے لئے آپ نے گجرات کے علاقوں کے علاوہ دکن سیلون سراندیب، سری لنکا وغیرہ کو چھان مارا۔ انتیس[۲۹] سال کی عمر میں مکہ مکرمہ پہنچے، شیخ علی متقی ان کے پہنچنے پر خبر سے بہت ہی زیادہ مسرور ہوئے اس لئے کہ ان کے والد محترم کے ساتھ آپ کو پہلے سے محبت اور تعلق تھا۔ اس محبت اور تعلق کی بنا پر آپ کی آمد کی خبر سنکر آپ کی زیارت اور ملاقات کے ارادے سے خود تشریف لے گئے اور ان پر بہت شفقت فرمائی۔ اور اپنے ساتھ ہی رہنے کو فرمایا۔ شروع میں شیخ عبدالوہاب نے استغنا اور بے نیازی کی بنا پر قبول نہیں کیا مگر بالآخر شیخ کے فضل وکمال کو مشاہدہ کر کے انکی صحبت اختیار کر لی۔ اور شیخ کی تالیفات کی کتابت اور اس کی تصحیح مقابلہ وغیرہ میں مشغول ہوئے ان کے یہاں شیخ عبدالوہاب نے اس قدر کتابت کی کہ بعض اوقات ایک ایک رات میں ایک ایک ہزار بیت کی کتابت کی اور دن کی کتابت اس کے علاوہ ہوتی۔ یہ صرف رات کی کتابت ہوتی۔ شیخ علی متقی کی اتباع اور آپ کی رضا کے حصول میں آپ نے اس قدر کوشش کی کہ جس کو فنا فی الشیخ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بارہ سال شیخ علی متقی کی خدمت میں رہے۔ چوالیس[۴۴] آپ نے حج کئے کہ یہی آپ کی مکہ مکرمہ کی مدتِ اقامت ہے۔ شیخ علی متقی کی رحلت کے بعد صلہ رحمی کی حق ادائیگی کے لئے آپ برہانپور اپنے شہر ایک دفعہ تشریف لائے مگر جماعت مہدویہ کے شر کی بنا پر جن کو شیخ سے پرانی عداوت تھی اسی سال مکہ معظمہ واپس لوٹ گئے اور اس سال کا حج بھی آپ کا فوت نہ ہوا نہ صرف اہل حرمین بلکہ یمن، مصر، شام کے تمام مشائخ آپ کے علو شان اور بزرگی اور ولایت پر متفق تھے۔ [۱]

---

[۱] خاتمہ مرآت احمدی ص۸۸۔

شیخ اولیاء بن شیخ سراج

دنیا سے محویت آپ کی عادت تھی ، مالی فربہی کو حرام سمجھتے تھے اور جو شئی ہاتھ پڑجاتی تھی وہ حاجت مندوں کو دیدیا کرتے تھے ۔ کالپی سے اجین جاکر بود و باش اختیار فرمائی ستر سال کی عمر میں سفر حجاز پر روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا ۔

آپ نے تین لڑکے چھوڑے شیخ قطب الدین ، شیخ مودود اور شیخ نظام درمیانی صاحبزادے نے شیخ علی متقی کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں التزام کرکے علم حدیث کی تحصیل کی اور ان سے تلقین پائی ۔ [1]

سیّد ابراہیم غیاث پوری

شیخ علی متقی کے شاگرد

سید ابراہیم غیاث پوری بھی حدیث کے جید عالم تھے ۔ انہوں نے مصر جاکر محمد بکری شافعی سے تفسیر و حدیث کی تحصیل کی ۔ اور مدت تک ان کی خدمت میں رہے اس کے بعد مکہ معظمہ میں علامہ شیخ علی متقی سے استفادہ کیا ۹۷۸ھ/ (۱۵۷۰ء) میں ہندوستان واپس آئے اور اجین میں بود و باش اختیار کی ۔ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) تک بقید حیات تھے ۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار ص ۲۴۴، ۲۴۸ ۔ [2] مقالات عرشی ص ۱۱ ۔

خواجہ نظام الدین احمد بخشی

موئف : طبقات اکبر شاہی -

وفات ۱۰۰۳ھ - ۱۵۹۴ء

آپ کے آبار و اجداد کا تعلق ھرات سے تھا۔ والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ محمد مقیم تھا۔ جو بابر کی فوج میں شامل ہو کر ھندوستان آئے تھے اور پانی پت کی پہلی جنگ ۱۵۲۶ھ میں حصہ لیا تھا۔ بابر کے قریبی زعماء میں سے تھے۔ پھر ہمایون کے عمائدین سلطنت میں بھی شامل رہے۔ اور مختلف مناصب پر فائز رہے۔

شروع ہی سے آپ کو تاریخ نویسی اور وقائع نگاری کے مقابلہ میں دلچسپی رہتی تھی جن کے لئے آپ تاریخ کا مطالعہ کرتے رہتے۔

مرزا خواجہ نظام الدین احمد ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء میں اکبرآباد میں پیدا ہوئے باپ کے زیر سایہ تربیت پائی۔ آپ کے اساتذہ میں ملا علی شیر کا نام ملتا ہے جو اپنے زمانہ کے ایک فاضل اور شیخ فیضی مؤلف اکبر نامہ کے والد تھے۔

خواجہ نظام الدین احمد نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی شعر و ادب سے بھی ذوق تھا گجرات بخشی ہونے کے باوجود علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے تھے ملا حسن علی موصلی مشہور فاضل جب گجرات پہونچے تو خواجہ نظام الدین احمد اور ان کے بیٹے محمد شریف نے ان سے استفادہ کیا۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے خواجہ نظام الدین کے اہل علم سے بے تکلفی و علمی جستجو کا اندازہ ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ۔

ملا عالم کابلی ایک دن فتح پور میں مجھے اور مرزا نظام الدین احمد کو صبح کے وقت زبردستی اپنے مکان پر لے گئے اور وہاں انہوں نے ایک معجون کھلائی جس سے بھوک لگی اور کھانے کی خواہش بڑھتی چلی گئی۔ پھر اپنی کتابیں دکھانی شروع کیں۔ صبح سے دوپہر تک ہم دونوں نے بھوک کی مصیبت اٹھائی۔ آخر مرزا نظام الدین نے کہا کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں سمجھا تھا کہ آپ کھانا کھا کر آئے ہونگے۔ [۲۵]

خواجہ نظام الدین احمد کی علم تاریخ کے سلسلہ کی تربیت اس طریقے پر ہوئی کہ انکے والد نے انہیں تاریخی کتب پڑھنے کا حکم دیا جس کی بنا پر بعد میں خواجہ نظام الدین کو علم تاریخ سے خاص مناسبت پیدا ہو گئی۔ جس کا نتیجہ طبقات اکبری کی صورت میں ظاہر ہوا اس کتاب کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی میں غزنویوں سے سلاطین دہلی تک کے حالات دوسری میں بابر سے اکبر تک۔ تیسری میں دکن، گجرات، بنگالہ، جونپور، مالوہ کشمیر سندھ، ملتان کے حکمرانوں کی تاریخ ہے۔ یہ کتاب ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ [۲۶]

اکبر بادشاہ نے ان کو تاریخ الفی کے مؤلفین میں شامل کیا۔ خواجہ نظام الدین علوم شرعیہ میں بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ انکی معلومات کے ذخیرہ کی بنیاد پر ملا عبدالقادر کی مشہور کتاب نجات الرشید وجود میں آئی۔ تصوف سے بھی تعلق تھا اور مشائخ وصوفیاء سے ارادت وعقیدت سے پیش آتے تھے۔

جب خواجہ نظام الدین سن رشد کو پہنچے تو شاہی ملازمت میں آئے۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف شیخ فرید بھکری نے لکھا ہے کہ وہ شروع میں اکبر بادشاہ کے دیوان حضور رہے

---

۲۵ ظہیر الدین بابر مسلمانوں وہندو مؤرخین کی نظر میں ص ۱۶۲

۲۶ طبقات اکبری ج ۲۔

خواجہ صاحب آگرہ میں سید جلال قادری کے قریب رہتے تھے۔ [۱]
۹۹۱ھ میں مرزا نظام الدین احمد گجرات میں بخشی مقرر ہوئے چنانچہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ۔
اکبر بادشاہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اعتماد خاں نے برسوں گجرات پر حکومت کی ہے وہ گجرات کو آباد رکھنے کے طریقے دوسروں سے بہتر جانتا ہوگا اگر گجرات پر اس کو حاکم بنا دیا جائے تو ان شہروں کے حکام کی امیدواری کا سبب ہوگا جو ابھی قبضہ میں نہیں آئے چنانچہ گجرات کی حکومت اعتماد خاں کے سپرد کر دی گئی میر ابو تراب کو امین بنایا گیا۔ ملا عبد القادر آخوند کے بھائی خواجہ ابو القاسم کو دیوانی منصب عطا ہوا۔ اور راس کمترین بندہ نظام الدین احمد مؤلف تاریخ کو بخشی گری کی خدمت پر مقرر کیا یہ عہدہ آپ کو اکبر کے انتیسویں سال جلوس میں ملا۔ [۲]
گجرات کی نظامت شہاب الدین کی بجائے اعتماد خاں کے سپرد ہوئی اس بات سے شہاب الدین نہ صرف ناراض ہوا بلکہ اس نے بغاوت کر دی۔ دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ شریک ہو کر مظفر شاہ گجراتی کے پاس پہنچے۔ اعتماد خاں اور خواجہ نظام الدین احمد نے اس شورش کو رفع کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔
۹۹۱ھ میں مظفر شاہ گجراتی لشکر لے کر دھولقہ آگیا۔ اس وقت اعتماد خاں اور خواجہ نظام الدین احمد شہاب الدین کو فہمائش کر کے واپس لانے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ شہر کی حفاظت اعتماد خاں کا بیٹا شیر خاں خواجہ نظام الدین کا بیٹا محمد شریف اور میر معصوم کر رہے تھے۔ مظفر شاہ کے لشکر نے مغلیہ فوج سے مقابلہ کی کوشش کی اب شہاب الدین نے مغلوں کی طرف سے غیر معمولی طرفداری کا اظہار کیا

---

[۱] طبقات اکبری ۲:۷

مگر ناکامی ہوئی۔

اس ہنگامہ کے بعد مظفر شاہ کے ایک جنرل شیر خاں فولادی کو دو ہزار سپاہیوں کے ایک دستہ سے خواجہ نظام الدین احمد نے بری طرح شکست دی۔ شیر خاں سیدھا احمد آباد کی طرف روانہ ہوگیا۔ اعتماد خاں اور نظام الدین احمد نے احمد آباد دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی لیکن فوج کی کمی کے باعث وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

چنانچہ اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے مرزا عبدالرحیم خانِ خاناں مقرر ہوئے سرکھیج کے میدان میں زبردست مقابلہ ہوا مغلوں کو فتح نصیب ہوئی اور گجرات پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ اس مواقع پر خواجہ نظام الدین احمد نے نہایت جرأت و بہادری اور قابلیت وحکمتِ عملی کا ثبوت دیا۔ [1]

ان معرکہ آرائیوں میں مرزا عبدالرحیم خانخاناں نے اکثر مواقع پر خواجہ نظام الدین احمد سے مشورہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ خواجہ نظام الدین احمد مرزا عبدالرحیم کے ماموں تھے۔

بہرحال ان معرکوں کے دوران مظفر شاہ گجراتی نے بعض زمینداروں کی مدد سے قلعہ جوناگڑھ کا محاصرہ کرلیا۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین احمد سورت گئے اور انہوں نے مظفر شاہ گجراتی کو شکست دی یہ واقعہ آخر رجب ۹۹۲ھ کا ہے۔

۹۹۵ھ میں گجرات کی حکومت مرزا عزیز کوکلتاش مخاطب بہ اعظم خاں کو ملی اور خانخاناں کو جونپور اور شہاب الدین کو مالوہ ملا۔

محرم کی بیسویں تاریخ ۹۹۸ھ کو اکبر بادشاہ کابل سے روانہ ہوکر لاہور پہنچا اور خواجہ نظام الدین احمد کو بادشاہ نے اپنے پاس بلایا۔ ۱۴ رجمادی الاخری ۹۹۸ھ کو لاہور میں

---

[1] طبقات اکبری ج ۱۔

جشن نو روز منعقد ہوا۔ نو روز کے تیسرے دن خواجہ نظام الدین احمد ستر سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے لاہور پہنچے۔ انہوں نے چھ سو کوس کا راستہ صرف بارہ دن میں طے کیا۔ [1] چونکہ یہ ایک عجیب بات تھی اس لئے بادشاہ (اکبر) نے ان پر بہت عنایات کیں اور ان کے مرتبہ اور اعتبار میں اضافہ کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ گجرات میں نظام الدین احمد نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

خواجہ نظام الدّین احمد کا قیام گجرات میں کم و بیش آٹھ سال رہا۔ اسی زمانہ میں انہوں نے طبقات اکبری تالیف فرمائی جو ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ خواجہ نظام الدین احمد باحوصلہ امیر تھے۔ اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک، علم دوست اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ اکبری دور کی بے دینی و الحاد سے متنفر تھے۔

بلکہ آپ نے اس بے دینی کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لئے چند یادداشتیں جمع کیں لیکن کتاب نہ لکھ سکے۔ انہیں یادداشتوں کی بنیاد پر ملا عبدالقادر بدایونی نے نجات الرشید لکھی۔ اس کتاب کے چند عنوان ملاحظہ ہوں۔

اصرار بر معصیت، شرب خمر، افترا بر خدا، ترک صلوٰۃ، ترک زکوٰۃ، اہانت انبیاء، اہانت ملائکہ، دروغ بر رسول، بت پرستی، آفتاب پرستی، تعظیم کواکب، غلو در علم فلاسفہ کردن، الحاد، سب صحابہ، سجدہ لغیر اللہ، معنی قرآن بے علم گفتن، تراشیدن ریش، نکاح متعہ کردن، ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان مسائل و موضوعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔

مرزا نظام الدین کے بہت لوگوں کے ساتھ اچھے اور گہرے تعلقات تھے شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے تو بے حد خلوص و محبت کے تعلقات تھے۔ ابتدائی زمانہ میں شیخ محدّث رح

---

[1] طبقات اکبری ج ۱۔

فتح پور سیکری میں ان کے پاس ٹھہرے تھے ۔ پھر جب وہ ایک جذبہ کے ماتحت یک لخت بیت اللہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تو مرزا صاحب ہی نے ان کے لئے زاد راہ کا انتظام کیا تھا اور نہایت خاطر مدارات سے ان کو احمد آباد میں اپنے یہاں سال بھر ٹھہرایا تھا ۔[۱]

۱۵۹۴ء/۱۰۰۳ھ میں جب اکبر شکار کے لئے نکلے تو آپ ان کے ہمراہ تھے ۔ ، شاہم علی ، کے قریب ان کو بخار ہو گیا ۔ ان کے بیٹے ان کو لاہور لے گئے لیکن آپ دریائے راوی کے کنارے پہنچ کر وفات پا گئے ۔

آپنے ۲۲ر صفر ۱۰۰۳ھ بمطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۵۹۴ء کو ۴۵ رسال کی عمر میں خواجہ صاحب نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی ۔

خواجہ نظام الدین کا لاہور میں ایک وسیع وعریض نہایت خوبصورت ذاتی باغ تھا اس کے گوشہ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا ۔[۲]

بدایونی نے لکھا ہے کہ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ان کے غم میں پرنم نہ ہوئی ہو ۔ بقول شاہنواز خاں خواجہ نظام الدین راستی و درستی میں بے مثل اور کارگزاری ومعاملہ فہمی میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے ۔[۳]

طبقات اکبر شاہی کے متعلق خواجہ نظام الدین احمد نے ۱۵۹۳ء/۱۰۰۱ھ میں لکھی ۔ اس کی تاریخ تصنیف لفظ ، نظامی ، سے نکلتی ہے ۔ کتاب کا نام طبقات اکبر شاہی ہے ، لیکن زیادہ تر طبقات اکبری ، کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ سبکتگین کے دور (۹۷۷ء تا ۱۵۹۴ء)

---

[۱] حیات شیخ عبدالحق [۲] ترجمہ طبقات اکبری صـ ۹ ۔ [۳] تاریخ ادبیات فارسی ادب صـ ۴۹۴ ج ۱

۷۶۳ھ تا ۱۰۰۱ھ تک کے حالات پر مشتمل، ہندوستان کی ایک نہایت اہم، سنجیدہ اور مستند تاریخ ہے۔ جس میں برصغیر کے تمام علاقوں کی علاحدہ علاحدہ تاریخ لکھ کر اس کا اختتام اکبر کی فتوحات پر کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ پہلی تاریخ ہے جس میں یہاں کے بادشاہوں کا ذکر اس قدر تفصیل سے آیا ہے۔ مؤلف نے واقعات کی تحقیق میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے اور بھی مفید اور اہم ہے کہ اس میں اکبری دور کے حکماء، علماء، فضلاء، اور شعراء، وغیرہ کا تذکرہ بھی ہے۔ بعد میں آنے والے مؤرخین نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔ انداز تحریر سادہ اور رواں ہے۔

اکبر کی فتوحات اور نظم و نسق کے بارے میں اطلاعات کے علاوہ اس دور کے عجیب و غریب واقعات اور کہیں کہیں معاشرتی اور عمرانی حالات بھی آ گئے ہیں اور کہیں کہیں اشعار سے عبارت کو آراستہ کیا گیا ہے۔ [1]

شیخ حسن علی موصلی

آپ فتح اللہ شیرازی کے شاگرد تھے۔ شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو ان کو شہزادہ سلیم کی تعلیم کے لئے مامور کیا گیا۔ آپ شہزادہ کو فارسی اور علم حکمت پڑھاتے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ شیخ ابوالفضل نے اُن سے خفیہ طور سے ریاضی، طبعیات اور حکمت کی تعلیم حاصل کی اور ان علوم کے دقائق و غوامض معلوم کئے۔ لیکن ابوالفضل نے کبھی ان کی تعظیم نہیں کی۔

ملا صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ دربار کے طور طریقے بدلے تو وہ ملازمت سے علیحدہ ہو کر گجرات چلے گئے۔ جہاں طبقات اکبری کے مصنف مرزا نظام الدین احمد

---

[1] تاریخ ادبیات فارسی ادب صفحہ $\frac{۴۹۳}{۱ج}$ ۔

کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے اور ان کے لڑکے محمد شریف نے ان سے عقلی علوم میں استفادہ کیا۔ فتح اللہ شیرازی کی وفات ہوئی تو ابوالفضل نے ان سے کہا کہ علم وفضل کے لحاظ سے ان کے جانشین شیخ حسن علی موصلی ہی ہو سکتے ہیں۔

شاہی فرمان بھیج کر ان کو بلایا گیا اور جب وہ لاہور اکبر کے دربار میں پہنچے تو وہ کسی بہانہ سے اپنے وطن چلے گئے اور جب ان کو پھر طلب کیا گیا تو انہوں نے کہلا بھیجا۔ الحمدللہ میں نے اپنے منافق دوستوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے۔ انشاء اللہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤں گا۔ [1]

میر محوی

(م ۹۸۰ھ)

نظام الدین بخشی کے دوست تھے، مرزا خانِ خاناں کے پاس گجرات میں قیام رہا انہی کی تربیت و مدد سے حجاز گئے۔ یہ ان کے اشعار ہیں۔ [2]

تا زلف بروئے ہمچو مہ خواہد بود!
تا خط شہ حسن را سپہ خواہد بود
گر خانہ ز خشت آفتابم سازند
روز ی من بیچارہ سیہ خواہد بود
محوی کہ زکوئی عقل بیرون می گشت
آوارہ تر از ہزار مجنوں می گشت!
دور از تو دو رہ دیدم آں گمشدہ را
در بادیہ کہ باد در خوں می گشت

---

[1] مآثرالامرا صفحہ ۲۶، ۳ منتخب التواریخ صفحہ ۶۳۶۔

من جان و دل حزیں نمی دانستم
من گریۂ آتشین نمی دانستم!
بے نام بمن گزاشتی و بے نشاں
اے عشق ترا چنیں نمی دانستم [1]

مُلّا حالتی [2]

دوست نظام الدین بخشی

ایک مدت تک بخشی (نظام الدین احمد) کے ہمراہ گجرات میں رہے، یہ آپکے اشعار ہیں۔

پیغام دوست داغ جگر تازہ می کند۔
دردِ وداع در رنج وسفر تازہ می کند
عاشق رخ خویش برد ت سود و برفت
واں مہر کہ در رشت با تو بنمودہ برفت
یک شب بہزار حیلہ در بزم وصال
پروانہ شمع دیدہ بکشود و برفت [3]

---

[1] طبقات اکبری ج ۲ ص۵۴۳۔ تذکرۃ الشعراء میں نام میر محمد اور دوسرے تذکرہ توضیحات ص۴۸ میں میر محمد یوسف المتوفی ۹۸۰ھ ہے۔

[2] بدایونی منتخب التواریخ ص۲۸۹ میں "حیائی"، اور تذکرۃ الشعراء ص۳ میں "حالتی" دیا ہے۔ [3] طبقات اکبری ص۵۵۹

صرفی ساوجی[1]

رفیق نظام الدین بخشی

کچھ عرصہ گجرات میں خواجہ نظام الدین احمد کے ساتھ رہے تھے۔ پھر آپ لاہور چلے آئے۔ درویشانہ وضع میں رہتے تھے۔ جس زمانہ میں فیضی دکن پر مامور ہو کر گیا تھا آپ بھی اس کے ساتھ تھے۔ آپ نے دکن ہی میں وفات پائی اپنی یادگار ایک دیوان چھوڑ گئے۔ قصیدہ وغزل میں خاص رنگ اور طرز کے مالک تھے۔

زراہ کعبہ ممنوعم وگرنہ میفرستادم
کف پائے بزحمت چینیٔ خار مغیلانش

گل فروشی من کہ خواہد گل بہا زار آورد
باید اوّل تاب غوغائے خریدار آورد

گرم خواہی بسوزی آتش رخسار روشن کن
کہ از خاکستر من تا قیامت نور برخیزد[2]

بقائی

رفیق نظام الدین بخشی

آپ ولایت ایران سے آئے ہوئے تھے، دکن میں ملک قمی شاعر کے ساتھ رہنے لگے وہاں سے گجرات پہنچے اور مرزا نظام الدین کے ساتھ رہنے لگے، پہلے آپ کا تخلص

[1] تذکرۃ الشعراء ص۱۲ میں مولانا صرساوجی لکھا ہوا ہے [2] منتخب التواریخ ص۲۰۹ طبقات اکبری ص ۵۲۲/۲ج

مشغولی تھا، مرزا نے بدل کر قبائی رکھ دیا۔

آپ کے اشعار میں ایک کیفیت پائی جاتی ہے، آپ کے حالات باوضع ومتوازن ہیں۔

تا عشق ز مژگاں بتاں نیشتر آورد!
خون از رگ واز ریشۂ من جوش بر آورد

فریاد کہ تا چشم زدن تیر خیالش
در دیدہ فرو رفت وسر از دل بر آورد

بجائے اشک از چشم دل افگار می بارد
ہمہ خون جگر زیں ابر آتش بار می بارد

مرغِ دل تا صید چشم او شکار انداز بود
بر سر مو بر سرم چوں مرغ در پرواز بود [1]

لطفی منجم

رفیق علامہ نظام الدین بخشی

بادشاہ کے مصاحب تھے مگر بڑے نیک دل آدمی تھے۔ آپکو اساتذہ کے اشعار بہت یاد تھے، کسی بھی موضوع پر آپ رات بھر میں ایک ہزار اشعار سنا سکتے تھے کچھ عرصہ تک گجرات میں مرزا نظام الدین احمد کے ساتھ رہے اور ان کی مدد سے زاد راہ حاصل کرکے سفر پہ چلے گئے

[1] منتخب التواریخ

سہ گل گل از تاب شراب آں رخ چوں گلزار شد ؛ گلفروشاں مژدہ باد تا آنکہ گل بسیار شد
دلم گر شعلۂ آتش شود افسردگی دارد گل بختم گراز جنت رسد پژمردگی دارد
ہر آہ کہ در حسرت بالائے تو کردم
نخل چمن آرائی پشیمانی من شد [1]

خان خاناں مرزا عبدالرحیم رح

بیرم خاں کے لائق فرزند تھے۔ انکی والدہ میوات کے مشاہیر کی نسل سے تھیں۔
ہمایوں بادشاہ ۹۶۱ھ نے یہ نکاح کرایا تھا اس طرح کہ حسین خاں میواتی کے چچا زاد بھائی جمال خاں جو ہندوستان کے معتبر زمینداروں میں سے تھے۔ ان کی دو لڑکیاں تھیں بڑی لڑکی سے بادشاہ نے خود عقد کیا اور دوسری کا عقد بیرام خان سے کر دیا۔
۱۴ صفر ۹۶۴ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۵۵۶ء کو لاہور میں مرزا عبدالرحیم پیدا ہوئے۔
جب ان کے والد (بیرام خاں) پٹن، گجرات میں ایک افغان کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو ان کی عمر چار سال تھی۔

محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور مرزا (عبدالرحیم) کو ان کی والدہ کے ساتھ اس پرآشوب ماحول سے نکال کر احمد آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کی تعلیم و تربیت پر خود بادشاہ نے توجہ فرمائی۔

جب آپ مرزا (عبدالرحیم) سن تمیز کو پہنچے تو مرزا خان کے خطاب سے سرفراز ہوئے اور خان اعظم کوکہ کی بہن ماہ بانو کے ساتھ ان کا عقد کر دیا گیا۔ اکیسویں سال جلوس اکبری میں گجرات کی سرداری ان کے لئے نامزد ہوئی۔ ملکی معاملات وزیر خاں کے سپرد ہوئے۔
۲۵ ویں سال جلوس اکبری میں (مرزا عبدالرحیم) بادشاہ کے میرعرض مقرر ہوئے اور

---

[1] منتخب التواریخ۔ ص ۴۹

۲۸ ویں سال جلوس اکبری میں شاہزادہ سلطان سلیم کے اتالیق مقرر ہوئے۔ اسی سال انہوں نے سلطان مظفر گجراتی پر فتح پائی۔

جب شہزادہ سلطان مراد بادشاہی حکم کے مطابق دکن کی فتح یابی کے لئے احمدآباد گجرات سے نکل کر امدادی لشکر کی انتظار میں بھروچ میں مقیم ہو گئے تو خانِ خاناں جو بادشاہ کے حکم سے شاہزادے کے ہمراہ مقرر تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے اپنی جاگیر بھلیسہ میں قیام کرنے کے بعد اجین کو روانہ ہو گئے۔

شاہجہاں، اسی زمانے میں خانِ خاناں کے لڑکے شاہ نواز خان کی لڑکی کو اپنے عقد میں لائے۔

خانِ خاناں لاہور میں بیمار ہو گئے اور دہلی پہونچکر بہتر سال کی عمر میں ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۲۷ء جہانگیری اکیسویں سال کے آخر میں فوت ہو گئے۔

؎ خاں سپہ سالار کو تاریخ وفات ہے ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷ء)۔ ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کے نزدیک دفن ہوئے۔ آپ حضرت عیسیٰ جند اللہ کے بہت معتقد تھے خانِ خاناں قابلیت اور استعداد میں یکتائے زمانہ تھے۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی میں مشاق تھے۔ شعر خوب سمجھتے اور کہتے تھے۔ رحیم تخلص کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اکثر زبانوں میں جو دنیا میں مروج ہیں گفتگو کرتے تھے، ان کی سخاوت اور عالی ہمتی ہندوستان میں ضرب المثل تھی۔ ان کے متعلق اکثر عجیب حکایتیں مشہور تھیں۔

شاہان مغلیہ کے عہد میں خانِ خاناں کا شمار لائق ترین امراء میں ہوتا تھا۔ آپ کے دربار سے علماء و اصحاب فن وابستہ رہتے تھے۔ ان میں سے مولانا میاں وجیہہ الدین مولانا نازی خاں بدخشی، قاضی نصیر الدین برہانپوری، ملا خیر الدین رومی، مولانا جلال الدین حسن نیشاپوری، مولانا شیخ عبداللہ، مولانا شیخ ابراہیم، مولانا شیخ علم اللہ، مولانا صوفی، ملا محمد علی کشمیری، مولانا میر دوستی سمرقندی۔ میر عبدالباقی تبریزی، میر فیضی

اللہ تزخورانی، ملا خوشحال ماشتغدی، مرزا محمد قاسم گیلانی، آقا جلال قزوینی، قاضی عبدالعزیز ہمدانی، مولانا محمد تقی کاشانی، مولانا مقصود علی تبریزی، مولانا محمد رضائی تاج مشہدی اور حکیم کمال الدین حسین شیرازی قابل ذکر ہیں۔

آپ کی خط و کتابت حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بھی رہی۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امارت کے باوجود آپ کا دینی شعور بیدار تھا۔ سلہ

خانِ خاناں (عبدالرحیم) اس (سلطنت مغلیہ) کے بڑے امیروں میں سے تھے۔ ان کا مشہور نام صفحہ زمانہ پر ہمیشہ کے لئے منقش ہوگیا۔ اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان میں سے تین خاص کام فتح گجرات، تسخیر سندھ اور سہیل خاں بیجاپوری کی شکست ہیں۔

خانِ خاناں کی طرف سے چوک گلی اور بازاروں تک میں جاسوس تعینات رہتے تھے کہ جو کچھ وہ عوام میں خبریں سنتے تھے ان کو بھی تحریر کرتے تھے۔ خانِ خاناں شام کے وقت سب کو پڑھ کر آگ میں جلا دیا کرتے تھے۔ سلہ

فیاضی خانِ خاناں بیرم خاں کے لڑکے خانِ خاناں عبدالرحیم خاں اکبر اور جہانگیر کے دور میں بہت ہی معزز منصب دار بن کر رہے، اپنی شجاعت اور فہم و فراست کے لحاظ سے بہت مشہور رہے پھر اپنی سخاوت اور بخشش میں حاتم زمانہ کہلاتے تھے ایک بار ایک برہمن فقیر ان کے پاس پہنچا اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ ہم اور آپ دونوں ہم زلف ہیں، پھر آپ ہمارے حال سے اس قدر غافل کیوں ہیں خانِ خاناں نے یہ سنکر اس کو اپنے پہلو میں بلا کر بٹھایا، اور اس کا حال پوچھا، اور جب رخصت کیا

سلہ ہندوستان کے سلاطین و مشائخ کے حالات پر ایک نظر ص۸۵، ص۸۶۔

سلہ مآثر الامراء ص۶۸۹۔

تو اتنا نقد و جنس عطا کیا کہ اس کا افلاس جاتا رہا ۔ خان خاناں کے مقربوں نے پوچھا کہ آخر اس برہمن ہندو سے ہم زلفی کا رشتہ کیسا ہو سکتا ہے خانِ خاناں نے جواب دیا کہ سمیدا اور بٹیا دو بہنیں ہیں سمیدا سے مراد تو نگری ہے ۔ وہ تو میرے عقد میں ہے ، اور بٹیا سے مراد مفلسی ہے ، وہ برہمن کے حبالہ میں ہے (کلمات الشعراء از محمد افضل سرخوش ص۳۵)

ادبی سرپرستی میں زرپاشی

خانِ خاناں عبدالرحیم خاں فارسی اور ہندی دونوں میں طبع آزمائی کرکے ماہرین فن سے داد حاصل کیا کرتے تھے کہ وہ جسطرح فارسی کے اساتذہ کے مقابلہ میں غزلیں کہتے تھے اسی طرح ہندی شاعروں کے مقابلہ میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے وہ ہندی شاعری کی تاریخ میں زندہ جاوید رہیں گے ، ان کے ہندی کلام کے مجموعوں میں دوہا ولی ، نگر شوبھا بروے نائکہ بھید بروے سنر لگار ، سورٹھا ، پھٹکر بد اور رحیم کا ویہ اب تک مشہور ہیں ، ان کے دربار میں فارسی شعراء میں عرفی ، شکیبی ، نوعی شیرازی ، ثنائی خراسانی ، کفوی ، معزی جیسے بلند پایہ شعراء ان کی زرپاشیوں سے سیراب ہوتے رہے ۔ اسی طرح ہندی شعراء کیشو داس ، گنگ ، ہری ناتھ ، منڈن ، پرشدھ ، ہول رائے ، اور مکند وغیرہ بھی انہی کے یہاں سے بڑے بڑے صلے پاتے رہے ۔

ایک دن ان کے دربار کے مشہور شاعر نظیری نے کہا کہ میں نے لاکھ روپے کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے ، یہ سنکر خانِ خاناں نے حکم دیا کہ خزانے سے روپے لاکر ایک لاکھ کا ڈھیر لگایا جائے ، جب یہ ڈھیر لگ گیا تو نظیری نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے ایک لاکھ روپے کا ڈھیر دیکھ لیا ۔ اس کے بعد خانِ خاناں نے حکم دیا کہ یہ تمام روپیے نظیری کو دیدیئے جائیں تاکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے ۔ [1]

---

[1] مآثر الامراء جلد دوم ص۲۲

ایک اور شاعر ملا نوعی ان کی شان میں قصیدے اور ساقی نامہ لکھتے رہے آپ نے ایک بار تو دس ہزار روپیئے خلعت، ہاتھی، گھوڑے عطا کیئے، دوسری بار اس کو سونے میں تلوا دیا۔ مآثر رحیمی میں ہے کہ آپ نے جتنے انعامات فارسی کے شعراء کو دیئے اتنے ہی ہندی شاعروں کو عطا کیئے [۱]

ایک بار آپ نے ایک ہندی شاعر گنگ کوی کی کبتاؤں سے خوش کر اس کو چھتیس لاکھ روپے انعام میں دیئے، (ہسٹری آف ہندی لٹریچر از اف، ای، کی)

کتب خانہ خان خاناں

خانخاناں مرزا عبد الرحیم بن بیرم خاں ممکن ہے علمی قابلیت میں اپنے ہم عصروں سے کم رہے ہوں لیکن علم کی قدردانی میں ان سے بہت آگے تھے۔ ان کا کتب خانہ شروع میں احمد آباد میں تھا جب کہ یہ وہاں کے حاکم تھے۔ یہ بہت اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ تھا۔ کتابوں کی مرمت، اصلاح اور حفاظت کیلئے بہت سے ملازمین مقرر تھے، کاتب، جلدساز، وراق، صحاف، نقاش اکثر وہ ہوتے جو اپنے فن میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ مولانا ابراہیم نقاش اسی کتب خانہ میں ملازم تھے۔ یہ خوش نویس، طلا کار، صحاف اور حکاک بھی تھے۔ علمی استعداد بھی ان کی اچھی تھی۔ طبع موزون بھی رکھتے تھے۔ ان کی نسبت مآثر رحیمی میں ہے۔

وہ ایک مدت تک اس کتاب خانہ میں کتاب داری کے عہدہ پر ممتاز رہے ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چیزیں، تصویریں اور طلا کاری کے نمونے بکثرت ہیں اس کے بعد (غالباً ان ہی کی جگہ) مشفق نقاش کا تقرر ہوا جو فنِ نقاشی میں یکتائے روزگار تھے۔

---

[۱] مآثر الامراء ص ۵۶۲۔

خوش نویس

بہبود مرزا مشہور خوشنویس تھے جو میر علی خوشنویس کے بھائی تھے، نقاشی اور خوش نویسی میں ان کو کمال حاصل تھا۔ خان خاناں کے کتب خانہ میں اسی کام پر ملازم تھے۔

شجاع شیرازی، ان کو خطِ ثلث اور نسخ میں بڑی مہارت تھی۔ ۹۹۹ھ میں انہوں نے مقام ٹھٹھہ میں شرفِ ملازمت حاصل کیا، پھر کچھ دنوں کے بعد کتب خانہ کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ [۱]

عبدالرحیم خانخاناں (بہ حضرت خواجہ عقیدت و ارادت تمام داشت) نے یہ سنکر کہ حضرت خواجہ کو حج پر جانے کی خواہش ہے ان کی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ بھجوایا لیکن آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس طرح دوسروں سے پیسے لے کر حج پر جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ [۲]

جانان بیگم

(وفات سنہ ۱۰۷۰ھ / سنہ ۱۶۵۹ء)

امیر عبدالرحیم بن خانخاناں کی صاحبزادی جانان بیگم جس نے اپنے والد کی امارت کے دور میں پرورش پائی۔ اور علم و کمال کے اس درجہ تک کو پہنچی کہ عورتوں کا کیا ذکر جہاں تک بہت سے مرد بھی نہیں پہنچ سکے اسی لئے اکبر نے اپنے بیٹے دانیال کا اس جانان بیگم سے نکاح کرایا اور دانیال کو گجرات کی طرف روانہ کر دیا۔ اور گجرات میں دانیال کا انتقال ہوا اور یہ جانان بیگم طویل عرصہ تک گجرات ہی میں رہیں

اُدھر دوبارہ نکاح کی ان کو رغبت نہیں تھی۔

کہتے ہیں کہ سلطان جہانگیر نے خود ان سے نکاح کا ارادہ کیا مگر جانان بیگم نے انکار

---

[۱] تمدنی کارنامے صـ ۲۷۲ [۲] رود کوثر صـ ۲۰۴۔

کرد یا۔ آپ حج و زیارت سے مشرف ہوئیں اور آپ نے قرآنِ کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے، نیز آپ کے فارسی کے اشعار بھی بہت مشہور ہیں۔

جانان بیگم نے ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔ [1]

مولانا نظیری

(وفات: ۱۰۲۰ھ/۱۰۲۱ھ/۱۰۲۳ھ)

نام محمد حسین اور نظیری تخلص تھا۔ احمد آباد کے رہنے والے تھے گجرات میں خانخاناں نے اپنے کتب خانہ میں تمام اساتذۂ سخن کے دواوین جمع کر رکھے تھے۔ اس دور کے تمام شعراء کی خواہش ہوتی کہ ان کا دیوان خانخاناں کے کتب خانہ میں جائے۔ نظیری بھی ان ہی شعراء میں سے تھے۔ انہوں نے جب اپنا دیوان مرتب کیا تو خانخاناں گجرات سے آگرہ منتقل ہو چکے تھے۔ نظیری نے احمد آباد سے آگرہ کا طویل سفر محض اپنا دیوان خانخاناں کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کیا نظیری کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا اور بہت جلد خراسان میں انکی شہرت پھیل گئی۔ جب خراسان سے کاشان آئے تو وہاں حاتم فہمی، شجاع اور رضائی کے کلام سے فضا گونج رہی تھی۔ نظیری نے ان کے مقابلہ میں غزلیں لکھکر اپنے فن کا ثبوت دیا۔

مآثر رحیمی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ کاشان کے ایک طرحی مشاعرے میں نظیری نے بھی ایک غزل کہی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

زخود ہرگز نیازارم دلے را — کہ می ترسم درو جائے تو باشد

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ "جائے" کا قافیہ شاعروں کی غزل میں اس طرز پر پہلے سے بندھ چکا تھا مثلاً ؎

دو عالم را بہ یک بار از دل تنگ — بروں کردیم تا جائے تو باشد

[1] مرآۃ جہاں نما۔ نزہۃ الخواطر ۱۲۴/۵۔

لیکن نظیری نے اول الذکر شعر میں اس قافیہ کو نئے پہلو سے باندھا نظیری نے اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح کہا ؎

نیازارم زخود ہرگز دلے را

نظیری کاشان سے چل کر ھندوستان آئے اور آگرہ میں خانخاناں سے ملاقات ہوئی کیونکہ ۹۹۲ھ میں اکبر نے خانخاناں کو آگرہ طلب کر لیا تھا۔ اس وقت نظیری خانخاناں کے متوسلین میں شامل ہو کر گجرات آ گئے اور احمدآباد میں قیام پذیر ہو گئے۔

بعد میں خانخاناں کی شان میں مدحیہ اشعار کہا کرتے تھے اور خانخاناں بھی آپ کو انعام واکرام سے نوازتے رہے۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں خانخاناں نے نظیری کو ایک لاکھ روپے عطا کئے۔ نظیری کو زیارت خانہ کعبہ کی بڑی تمنا رہی جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا۔ ؎

کشتی تن شدہ طوفان زدۂ عصیانم	وائے من گر بہ حمایت نہ رسد غفرانم
گرد ل ایں چشمۂ اپناشتہ را بکشاید	بہ گریہاں رسد آلودگی دامنم !
بہر آبادی صدبت کدہ اش آب و گل است	از خود آلائش اگر دور کند ایمانم
صید قربانگہ عشقم بہ قفا ماندہ کجاست	کعبہ گردی کہ بہ تقصیر کند قربانم

خانخاناں نے زاد راہ کے لئے روپے دیئے اور ۱۰۰۲ھ میں سورت کے راستہ سے مکہ مکرمہ پہنچے

آپ کے متعلق لکھا ہے کہ خانخاناں کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ ہو کر احمدآباد (گجرات) میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد حج کے لئے گئے سروآزاد میں ہے کہ حج کرنے کے بعد پھر احمدآباد میں رہے۔ قیاس یہ ہے کہ ۱۰۰۲ھ میں حج کیا ہے حج سے واپسی پر مراد کے دربار میں رسائی حاصل کی ۱۰۱۴ھ میں اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوئے تو نظیری کو دربار میں طلب کیا

چنانچہ جہانگیر توزک میں ۱۰۱۹ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں۔ "فن شعر و شاعری میں مشہور روزگار نظیری نیشاپوری کو جو گجرات میں تجارت کے ذریعے زندگی بسر کر رہے ہیں میں نے دربار میں طلب کیا تھا انہی دنوں اس نے یہاں پہنچ کر آستانہ بوسی کا شرف حاصل کیا۔ وہ انوری کے اس قصیدے ؂

بازایں چہ جوانی و جمالست جہاں را

کی زمین میں میری مدح لکھ کر لایا تھا۔ جسے پیش کرنے پر میں نے صلے میں ہزار روپے، گھوڑا، اور خلعت عنایت کیا۔"

بقول آزاد ایک مرتبہ جہانگیر نے انہیں ایک عمارت کا کتبہ لکھنے کے لئے کہا جس پر انہوں نے یہ غزل لکھ کر پیش کی۔

ایں خاک درت صندل سرگشتہ سران را

بادا مژہ جاروب رہت تاجوران را

جہانگیر نے اس کے انعام میں کوئی تین ہزار بیگہ زمین عطا کی۔

شیخ محمد مندوی غوثی، گلزار ابرار میں لکھتے ہیں کہ آپ درویش طبیعت صوفی سیرت اور مہذب الاخلاق تھے۔ آخری عمر میں صوفیان وحدت گزار کے مانند شعر کہنے لگے تھے۔ مرنے سے بارہ سال قبل احمد آباد میں مقیم ہو کر علوم دینی حاصل کئے اور تفسیر و حدیث کے لئے مولانا حسین جوہری وارہ کی شاگردی اختیار کی۔

بدایونی ان کے متعلق لکھتے ہیں: "لطافت طبع اور نفاست ذوق میں دوسرا شکیبی اصفہانی ہے۔" [1]

---

[1] منتخب التواریخ ص ۲۶۴۔ توزک جہانگیری ص ۲۰۹۔ سرو آزاد ص ۲۴۔ دربار ملی ص ۲۵۴۔

نظیری نیشاپوری جب احمدآباد گجرات میں مقیم تھے۔ اور تمباکو کے شیدائی تھے۔ اس کی تعریف میں ایک غزل لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔ ؎

نے سنبل تنباکو بوئی نہ آتش رخسارۂ
دل بوئی خامی میدہد بیداغ آتش پارۂ
مردم گیاہ از چین مخر تنباکو آچین بخر
ہم مایۂ بے مایۂ ہم چارۂ بے چارۂ
خواہم دہد وجد آنقدر جام و نے تنباکویم
کافتم بطاق ابروئے چوں نرگس خمارۂ
اندر کمند دود او کز سنبل دلجو یاست
ہم چوں کلیم افتادہ ام اندر دم سارۂ [1]

۱۰۰۸ھ میں آپ گوشہ نشین ہو گئے تھے آپ کو اکبر کے ملحدانہ خیالات سے بڑی نفرت تھی۔ اکبر کے دربار سے وابستہ نہ ہونے کی وجہ یہی تھی۔
آپ نے ۱۰۲۰ھ/۱۰۲۱ھ/ ۱۰۲۲ھ میں بمقام احمدآباد وفات پائی اور تاجپورہ احمدآباد ہی میں اپنی بنائی ہوئی مسجد کے جوار میں دفن ہوئے [2]

مولانا محمد رضا شکیبی

(م سنہ ۱۰۲۰ھ ۔ سنہ ۱۶۱۱ئ)

آپ شکیبی تخلص رکھتے تھے۔ اور خواجہ عبد اصفہانی کے صاحبزادے تھے۔ معقولات کے ماہر تھے اور فن تذکرہ و تاریخ پر انہیں عبور تھا۔ فارسی زبان کے بڑے اچھے شاعر

[1] مقالات شیرانی ج۳ ص۶۶ ۔ [2] بزم تیموریہ، تاریخ ادبیات ج۴ ص۳۰۲ طبقات اکبری ج۲ ص۵۶ ۔

تھے، فنِ انشاء میں درجۂ معلمی حاصل تھا۔ آپ کے جدِ اعلیٰ خواجہ عبداللہ وہ ہیں جن کے حالات، نفحات الانس میں مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی نے لکھے ہیں۔ خواجہ عبداللہ امامی، خواجہ امین الدین حسن کے فرزندِ ارجمند تھے۔ اور خواجہ امین الدین حسن وہ ہیں جن کے مبارک نام پر لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی نے ایک غزل موشح کی تھی

یہ دو بیت اسی غزل میں سے ہیں۔ ؎

چو در گلزار اقبالش خرامانم بحمد اللہ نہ میل لالہ و نسرین نہ برگ نسترن دارم

بر آمد شہرہ شد حافظ بسی زچندیں و ربیکن چہ غم دارم چو در عالم امین الدین حسن دارم

دوسری مرتبہ ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء کے آغاز میں آپ خانِ خاناں کے ساتھ دکن آئے تھے مولانا نظیری نیشاپوری۔ یولقلی بیگ انیس ملا محب علی سندھی، شریف کاشی، ملا کامی سبزواری، ملا نقائی۔ یہ تمام اصحاب اور نیز اہل سخن کی دیگر جماعت بھی رفاقت میں تھی۔ یہ جملہ اصحاب منڈو (مانڈو) کے راستہ سے گزرے تو مولانا غوثی سے ملاقات ہوئی۔

۱۰۱۷ھ میں پھر آپ کا عبور منڈو (مانڈہ) پر ہوا۔ چونکہ ایک مدت کے بعد نوبت ملاقات پہنچی اور یہ ـــــ وہ وقت تھا کہ علامہ غوثی مشائخ وقت اور بزرگان عہد کے حالات لکھ رہے تھے۔ اس لئے مولانا محمد رضا سے بھی حالات دریافت کئے جو حسب ذیل ہیں۔

۹۷۴ھ میں ولادت ہے۔ جب زمانہ ہوش آیا تو کچھ علوم تو شیراز میں اور کچھ اپنی زاد بوم میں حاصل کئے۔ جب عمر چوبیس سال ہوئی تو شاعری اور کلام کا وزن برابر کرنے کا ملکہ پیدا ہوا۔ اور جوانی میں ہند کی سیاحت کا شوق ہوا۔ اپنے یہاں سے لاہور ہو کر ہرمز میں آئے۔ ہرمز سے بندر جیول کی کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کرکے کنارے آ اُترے۔ یہاں سے سپہ سالار کی ملازمت کے شوق میں احمد آباد گجرات آ گئے۔

ان ایام میں نواب کام بخش دارالخلافہ شہنشاہی میں تھے ۔ لہٰذا احمدآباد سے روانہ ہوکر نواب کے پاس پہنچے ۔

۱۰۰۶ھ میں سہیل کی لڑائی کے بعد لشکر سرونج میں آئے ۔ خونِ شکم کی بیماری کا عارضہ ہوگیا ۔ ارادہ ہوا کہ اگر صحت ہو جائے تو آئندہ دنیا کے کام کو ہاتھ نہیں لگاؤنگا اور اخروی سامان کو راہ حجاز میں صرف کرونگا ۔ اسی روز سے شفا شروع ہوئی ۔ چھ سال تدبیریں کرتے گذر گئے ۔ پھر ۱۰۱۲ھ میں حجاز کا سفر شروع ہوا تین سال کے اندر سفر پورا ہوا ۔ وہاں سے مراجعت کرکے بندر سورت کے کنارے پر آ اُترے ۔ جب برہانپور میں پہنچے تو پھر خانخاناں کی مصاحبت رہی ۔ ایک مدت تک ملازمت میں رہے ۱۰۱۹ھ میں نواب نے گوشہ نشینی کی خواہش پر اطلاع پائی ۔ اور اجازت دی اور جہانگیری دربار سے درویشانہ معیشت لے کر دہلی میں گوشہ نشین ہوگئے ۔ اور فقرائے دہلی کی خدمت میں فراغ دل سے خدا کیساتھ مشغول ہوگئے ۔ [1]

آپ نے دیوان کے علاوہ ایک مثنوی خسرو شیریں یادگار چھوڑی ہے ۔

مُلّا محمد حسین ہروی

خان خاناں کے احمدآباد کے کتب خانہ کے ملازمین میں سے تھے ۔ ایسے بہترین جلد ساز تھے کہ ان کی نظیر مشکل ہے ۔ ۱۰۲۳ھ میں آپ اس کتبخانہ کے ملازمین میں سے رہے ہیں ۔ بلکہ اس زمانہ میں کتب خانہ کے سب سے بڑے ذمہ دار آپ ہی تھے ۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار ص ۴۰۰ ۔ [2] مآثر رحیمی ص ۱۶۵۰ ج ۳ ۔

مولانا صوفی

(وفات ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء)

مولانا صوفی گجرات کے علمائے تصوف میں سے تھے۔ علوم میں آپ کو بڑا تبحر حاصل تھا اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ اور علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا۔ عبدالرحیم خان خاناں کی طرف سے آپ کا وظیفہ مقرر تھا۔ اس لیئے کہ ان کے احمد آباد کے کتب خانہ کے آپ ناظر تھے اس کے بعد انہیں خان خاناں مستقل اپنے ساتھ ہمیشہ رکھنے لگے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے خلوت نشینی اختیار کرلی۔ اور اپنے گھر کے کونے میں پڑے رہتے۔

علامہ صادق "الصبح الصادق" میں لکھتے ہیں کہ آپ کا نام "محمد" تھا۔ اور بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ آپ کا فارسی میں ایک شعر ہے۔

مرا بوقت جدائی دوست مردن بہ
کہ زندہ باشم و بی دوست بنگرم جارا

(۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) میں آپ نے رحلت فرمائی اور علامہ صادق نے آپکی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکالی۔ "رفتہ ملا محمد صوفی"۔ [۱]

میر باقی ماوراالنہری

یہ خان خاناں کے کتب خانہ کے داروغہ تھے۔ [۲]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۹۲، ماثر رحیمی ج ۳ ص ۵ [۲] ماثر رحیمی ج ۳ ص ۱۶۸۰ -

مُلّا محمّد مؤمن

آپ ملا محمد حسین ہروی کے بھائی ہیں۔ یہ دونوں بھائی خان خاناں کے کتب خانہ سے وابستہ تھے۔ ملا محمد مؤمن خوشنویس کاتبوں میں سے تھے۔ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کئی طویل ترین کتابیں اس کتب خانے میں موجود تھیں۔ [1]

مُلّا عبدالباقی مُصنّف مآثر رحیمی

(وفات ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ء (۱۶۳۴ء/۱۰۴۴ھ/۱۶۳۵ء/۱۰۴۵ھ)

یہ کتاب عبدالرحیم خان خانِ خاناں کے ایما پر لکھی گئی۔ اس کے مصنف ملا عبدالباقی جولک (نہاوند) کے مقام پر ۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد جولک کے رد قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور کسی لڑائی کی بنا پر بغداد اور عراق عرب سے نکل کر شاہ اسمٰعیل صفوی کے آغاز عہد میں ایران آگئے اور اس کے ملازمین میں شامل ہو گئے تھے۔ آپ کے والد آقا بابا، شاہ عباس کی طرف سے ہمدان کے وزیر اور ناظر مامور ہوئے۔ آپ خود بھی کچھ عرصے تک رے، قزوین، کاشان اور قم کے افسر مال رہے۔ پھر اپنے بھائی آقا خضر کی جگہ وزیر بنائے گئے۔ بعد میں بادشاہ کے عتاب کے سبب ایران چھوڑ کر ۱۶۱۴ء/۱۰۲۳ھ میں برہان پور (خاندیس) پہنچے۔ اور عبدالرحیم خان خانخاناں سے ملے جس نے آپ کو جاگیر اور مناسب منصب سے سرفراز کیا۔ اسی کے ایما پر آپ نے "مآثر رحیمی" لکھنا شروع کی جو ۱۶۱۶ء/۱۰۲۵ھ میں مکمل ہوئی آپ ۱۶۱۹ء/۱۰۲۹ھ تک دکن اور برار کے امین رہے۔ پھر سلطان پرویز بن جہانگیر نے آپ کو بہار کا دیوان بنایا۔ آپ نے ۱۶۳۲ء/۱۰۴۲ھ اور ۱۰۴۷ھ کے

---

[1] مآثر رحیمی صفحہ ۱۶۴۵

درمیان وفات پائی۔

"مآثر رحیمی" عبدالرحیم خان خاناں کے ایما پر ۱۶۱۶ء/ ۱۰۲۵ھ میں لکھی گئی۔ یہ خان خانخاناں کے اسلاف یعنی سلاطین قراقو یونلو اور خود خان خاناں کے حالات پر مشتمل ہے۔ ضمنی طور پر اس میں سلاطین غزنین، بنگالہ، جونپور، مالوہ، کشمیر، ملتان، دہلی، گجرات، دکن اور خاندیش کا ذکر بھی آگیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمعصر حکماء، اطباء، شعراء وغیرہ کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ خانخاناں کے حکم سے جو مساجد، مدرسے اور حمام بنائے گئے ان کی تفصیل دی گئی ہے۔ مثلاً برہانپور میں ایک عظیم الشان قصر دلکشا، بنوایا۔ خاندیش میں بڑے بڑے ماہر باغبان باہر سے منگوا کر ایک باغ تعمیر کروایا، جس میں عراق وخراسان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے پھلوں اور پھولوں کے درخت منگوا کر لگائے گئے برہانپور میں حمام، نہر اور جامع مسجد بنوائی۔ اس سے قبل برہانپور کے لوگ خربوزے کے نام سے بالکل ناآشنا تھے۔ خانخاناں نے عراق وخراسان سے اس کے مختلف اقسام کے بیج منگوا کر بلگوارہ کے قصبے میں اس کی کاشت کرائی۔ دو سال ہی میں یہاں کا خربوزہ اتنا شیریں اور کثرت سے ہوا کہ ولایت (ایران) کے خربوزے ماند پڑ گئے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ خانخاناں نے دوسرے شہروں، احمد آباد، لاہور، سورت دہلی وغیرہ میں بھی تالاب، باغ اور عمارات بنوائیں اور جہانگیر کے نام پر ایک شہر جہانگیر پورہ بھی آباد کیا، جس میں دلکشا منازل اور بڑی شاندار فرح افزا عمارات اور سرائیں تعمیر کرائیں اور اس شہر میں میدان اور بازار وغیرہ بھی بنوائے۔ اس کے مطابق خانخاناں ہر فتح کے موقع پر ایک عظیم الشان جشن منایا کرتے تھے۔ چنانچہ فتح گجرات کے موقع پر بھی خان خاناں نے بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا، خاص وعام پر عیش ومسرت کے دروازے کھل گئے۔ ہر طبقے اور گروہ کے لوگوں کے لئے بار عام ہوا اس مہم میں شریک سرداروں وغیرہ کو گھوڑے، ہاتھی، مرصع خنجر اور اسی طرح کی دوسری اشیاء انعام

ہیں دی گئیں ۔ یہ جشن سات روز رہا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کی تاریخ میں بھی ایسے جشن کی مثال نہیں ملتی ۔ یہ کتاب ببلیوتھیکا انڈیکا کے سلسلے میں خاں بہادر ہدایت حسین صاحب کی سعی اہتمام سے چار جلدوں میں شائع کی گئی ۔

ملا عبدالباقی کے حالات یہاں اس لیے لکھے گئے کہ مآثر رحیمی کے لیے اکثر مدد خصوصاً شعرار کا کلام آپ کو احمدآباد میں خانخاناں کے قائم کردہ کتبخانہ سے دستیاب ہوسکا جیساکہ کتاب میں متعدد جگہ تصریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی سال تک ملا عبدالباقی اس کتب خانہ سے استفادہ کرتے رہے ۔ [1]

مولانا شکیبی بن ظہیرالدین عبداللہ امامی اصفہانی

(متوفی سنہ ۱۰۲۳ھ ۔ سنہ ۱۶۱۴ء)

آپ علامہ امیر تقی الدین محمد شیرازی کے شاگردوں میں سے ہیں ۔ شروع میں اصفہان سے خراسان پہنچے، وہاں سے مشہد یا ہرات پہنچ کر تحصیل علوم میں مشغول رہے اور اکثر متداول علوم کی کتابیں اپنے زمانے کے علماء سے پڑھیں شعر گوئی شروع کی جس کے متعلق خواجہ حسین ثنائی مرزا قلی، میلی، ولی، دشت بیاضی ۔ وغیرہ شعرار نے آپ کے کلام کو بہت پسند کیا ۔ وہاں سے شیراز پہنچ کر امیر تقی الدین محمد شیرازی کی خدمت میں پہنچے ۔ پھر ہندوستان پہنچ کر خانِ خاناں کے ساتھ رہنے لگے اور سفرِ حجاز کا ارادہ ہوا ۔ خانخاناں نے تمام ضروریاتِ سفر مہیا کیں اور اسی ہزار روپیہ دے کر ان کو رخصت کیا خانِ خاناں کی طرف سے آپ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہمیشہ رہا ۔ جیساکہ سندھ میں جبکہ ساقی نامہ تالیف کیا گیا اس وقت بھی کافی رقم خطیر اور

---

[1] تاریخ ادبیات فارسی ج ۱ صفحہ ۲۰۰ ص ۲۰۹ ۔

انعامات ان کو ملے۔ غرض یہ سفر حجاز کے لئے روانہ ہو گئے، مگر حرمین کی زیارت سے واپسی پر عدن پہنچ کر کشتی کی خرابی کیوجہ سے وہاں ٹھہرنا پڑا۔ تمام کشتی کے مسافروں کو وہاں والوں نے لوٹ لیا۔ اور کسی طرح مشکل سے جان بچا کر یہ قافلہ سورت پہنچا چونکہ وہ جہاز بھی خانِ خاناں کا تھا۔ اس لئے آپ نے ایک لاکھ محمودی سکے مولانا اور ان کے شرکائے کشتی کو نقصان کے عوض میں دیئے بلکہ جس کا جتنا نقصان ہوا تھا اتنا پورا پورا خانِ خاناں نے اپنی طرف سے دیا۔ اخیر میں مولانا شکیبی دہلی کے منصب صدارت پر فائز کئے گئے۔ اور ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۴ء میں وہاں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ [۱]

مُلّا خوشحال

ملّا خوشحال ابن مولانا میراں قاسم تاشقندی بن حافظ بن حافظ مسکین۔ آپ کا خاندان اپنے علاقہ میں فقر و درویشی میں ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ مولانا خوشحال کے والد قاسم میرک ابتدا میں سمرقند سے آئے تھے۔ وہ بیت اللہ کی زیارت سے بھی کئی بار مشرف ہوچکے تھے صوم وصلوٰۃ نماز باجماعت کے بہت پابند، اور اکابر اولیا کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ اور باطن کے شغل سے بھی غافل نہیں تھے۔ خود مولانا خوشحال تقریباً ۲۲ سال احمدآباد میں رہے اور ۲۲ سال احمدآباد کے مدرسہ میں رہ کر افادہ واستفادہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ حضرت شیخ میاں وجیہ الدین کے کسی شاگرد سے بدائع، بدیع، فقہ تفسیر، نحو، صرف، اشتقاق، معانی، بیان وغیرہ علوم حاصل کئے۔ اسی طرح شرح ہدایہ الحکمۃ، حکمۃ العین، شرح تجرید، حاشیہ قدیم، شرح چغمینی، تحریر اقلیدس وغیرہ کتابیں ان سے پڑھیں۔

---

[۱] مآثر رحیمی ج ۲ ص ۷۶۔

اسی طرح علامہ مسرزا جان شیرازی کے بھی آپ دو واسطوں سے شاگرد ہیں۔ اکتساب علوم سے فراغت کے بعد ۱۰۲۰ھ میں آپ خانخاناں کے پاس چلے گئے اور ان کی خدمت میں رہ کر تشنگانِ علم کے افادے اور استفادہ میں مشغول رہے۔ خانِ خاناں بھی ان کے بڑے معتقد تھے۔ جب کوئی مسئلہ ان کے ہاں پیش ہوتا تو سب سے پہلے آپ کے سامنے اُسے پیش کیا جاتا۔ ملا خوشحال کی استعداد کی تعریف کرتے ہوئے عبدالباقی نہاوندی لکھتے ہیں کہ "این نشو و نما یافتہ در احمدآباد کہ بہترین بلاد و امصار ہندوستان است و دارالافاضل این ولایت است"۔ [1]

مولانا شتابی جنابری

شتابی جنابری خراسان کے ایک موضع کوناباد کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش طبع اور بذلہ سنج تھے۔ آپ مولانا شکیبی کے مریدوں میں سے تھے۔ اکثر اوقات انکی خدمت میں گذارتے۔ اس زمانے میں مولانا شکیبی سورت میں تھے۔ وہاں ان کے ساتھ تھے۔ مولانا شکیبی اصفہانی کے واسطے سے خانِ خاناں سے تعارف ہوا اور آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد مولانا شکیبی اور خانِ خاں کو چھوڑ کر کسی وجہ سے یہ دکن چلے گئے۔ اور ان کے اشعار مولانا شکیبی کے پاس تھے اسکو انہوں نے دیوان کی شکل میں مرتب کیا۔ اور ان کے اشعار میں سے خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ اشعار خانِ خاناں کے کتب خانہ میں تھے۔ جو حسب ذیل ہیں۔ -

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۳۴،۳۳،۳۲ -

زہی سعادتِ فرخندہ روئی تقدیر
کہ گشت آئینہ دارم ز آفتاب منیر
فروز مشعلۂ دانشم فروغِ جمال
نمود آئینہ خاطرم جمالِ ضمیر
سر تفاخرم از اوج منزلت بگذشت
چو یافتم شرفِ بارگاہ عرش نظیر
غبارش از رہ تاثیر کیمیائی خرد
حریمش از در تعظیم بر سپہر اثیر

شتابی نے دکن میں وفات پائی۔ [1]

مولانا کمال الدّین حسیمی

مولانا کمال الدین حسیمی ہمدان کے باشندے تھے آپ کے آبا و اجداد وہاں کے اہلِ ثروت اور ذی جاہ تھے۔ موزونیتِ طبع کی بنا پر طالب علمی ہی کے زمانے سے آپ نے شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھا اور علامہ میرزا ابراہیم ہمدانی کی شاگردی اختیار کی، اور اکثر متداول کتابیں ان کی خدمت میں رہ کر حل کیں۔ متداول فنون کے علاوہ، فنِ خطاطی اور فن موسیقی سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔
علم سیاق و حساب بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ غرض جامع فضل و کمال تھے کہ ایسی جامعیت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ آپ کا کلام ایک ہی طریقہ پر تھا۔ مگر وہ ہر قسم کے عیوب و خامیوں سے مبرا اور پاک ہوتا تھا۔ صفوی خاندان کے بادشاہوں کے زمانے میں امراء و سلاطین کے تقرب

---

[1] مآثر رحیمی صفحہ ۱۳۵۰ جز ۳

کے ساتھ ساتھ وہاں بعض اوقات منصب بھی آپ کو ملا اور دیوانی میں بھی کچھ عرصہ آپ نے خدمت کی ۔ اس خدمت میں آپ مخلوق کے منظورِ نظر رہے اور کسی سے کسی قسم کی طمع امید و لالچ نہیں رکھتے تھے ۔

جب آپ کو عبدالرحیم خانخاناں کی قدر دانیوں کی خبر پہنچی تو آپ نے ہمدان سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور آپ وہاں سے شیراز آئے اور کچھ عرصہ شیراز میں ٹھہرے اور جرون کی بندرگاہ سے کشتی میں سوار ہو کر سورت کی بندرگاہ پر اترے ۔ کچھ عرصہ سورت میں رہے اور وہاں اہلِ ذوق سے صحبتیں رہیں۔ اور وہاں سے احمد آباد آئے ۔

مولانا نظیری نیشاپوری اس زمانے میں احمد آباد میں مقیم تھے ۔ انکی صحبت میں رہ کر مشاعرہ بحث و مباحثہ رہا ۔ اور پھر احمد آباد سے برہانپور خاندیس عبدالرحیم خانخاناں کی خدمت میں پہنچے اور وہاں انکی صحبت میں رہنے لگے ۔ آپ کے کچھ اشعار یہ ہیں ۔

هست از کمان ابروبت ای ترک تنگ چشم
چوں ترکشِ نگاہ توام بر خدنگ چشم

شاید کہ نقش رہ ات از ذوق لحظہٖ
در چشم خانہ می نماید در رنگ چشم

تا نوش خانۂ دل از آن لعل شکّرین
لذّت نہادہ بر سرِ ہم تنگ تنگ چشم

نہ رنگ عافیت دارد نہ بوی خرّمی بخشد ۔
گلے کز آب و خاک این دل صدچاک میروید[1]

---

[1] مآثر رحیمی صـ ۹۲۷ ج ۳ ۔

حکیم روح اللہ

حکیم روح اللہ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں نہایت نامور اور حاذق طبیب گزرے ہیں آپ کا وطن بھروچ گجرات تھا، اور آپ کے باپ دادا وہیں کے قدیم باشندے تھے اگرچہ آپ کا نام اکبری عہد کے اطباء میں بھی نظر آتا ہے مگر آپ کی ترقی اور نشو ونما کا اصل زمانہ جہانگیر کی حکومت کا ہے۔

حکیم روح اللہ تحصیل علوم کی طرف مائل ہوئے، فن طب سے خاص لگاؤ پیدا کر لیا اور بہت تھوڑے عرصے میں نہایت اچھی قابلیت حاصل کر لی۔ تجربہ اور فنی قابلیت کے اعتبار سے آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہو گئے جب آپ کی حذاقت اور تجربہ کی شہرت ہوئی تو قلیج محمد خان جو عہد اکبری کے بہت بڑے امراء میں شامل تھے آپ کی طرف متوجہ ہوئے، حکیم روح اللہ کچھ عرصہ ان کے پاس رہے پھر کچھ دن صادق کی خدمت میں بسر کئے اور بڑے معرکے علاج کئے۔ اس کے بعد شاہ مراد اور شاہزادہ دانیال کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے۔ جب ان دونوں شاہزادوں کا انتقال ہو گیا تو حکیم روح اللہ عہد اکبری کے سب سے زیادہ مشہور بہادر اور قدر شناس امیر عبدالرحیم خانِ خاناں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خانِ خاناں آپ کی استعداد سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے بڑی عزت و توقیر کی اور تھوڑے ہی عرصے میں حکیم روح اللہ نے خانخاناں کی خدمت میں درجۂ اختصاص حاصل کر لیا۔

صاحب مأثر رحیمی نے لکھا ہے کہ "تحریر میں بے نظیر اور بے مثال ہیں اور اپنے عہد کے عقلاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، مدت سے خان خاناں کی خدمت میں باریاب ہیں اور بڑے بڑے انعام آپ کو ملے ہیں۔ خان خاناں کے فیضِ التفات سے حکیم کی زندگی اس قدر آرام و راحت اور شان و شوکت سے بسر ہو رہی ہے کہ اہل گجرات

کو آپ کی کامرانی پر حسد ہوتا ہے، حکیم روح اللہ بھروچ احمدآباد میں نہایت فراغت وثروت سے عمر گزار رہے ہیں۔

اور عوام کے علاج معالجے میں نہایت دلچسپی اور کوشش سے حصہ لیتے ہیں اکثر اوقات حاضر ہو کر خان خاناں کے پاس بھی رہتے ہیں اور پھر اپنے وطن چلے جاتے ہیں، ہمیشہ خان خاناں کی دولت واقبال کے لیئے دعا کرتے رہتے ہیں، جب جہانگیر بادشاہ کو اطلاع ملی کہ خان خاناں بہت کمزور ہو گئے ہیں تو جہانگیر نے حکیم روح اللہ کو علاج کرنے کی غرض سے برہانپور بھیجا۔ حکیم نے بہت توجہ اور خلوص سے علاج کیا۔ خان خاناں نے دو ہزار روپے دیئے۔ ایک ہاتھی اور خلعت عنایت کیا حکیم اس علاج سے فارغ ہو کر بادشاہ کی ملازمت میں چلے گئے۔

جہانگیر نے ۱۰۳۰ھ کے واقعات میں اپنی توزک میں خود اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے۔

نورجہاں عرصے سے ایک بیماری میں مبتلا تھی۔ اور تمام مسلمان اور ہندو اطبار جو دربار سے تعلق رکھتے ہیں علاج کر چکے تھے، مگر آرام نہ ہوا تھا۔ اب حکیم روح اللہ حاضر ہوئے انہوں نے بیگم کے علاج پر ہاتھ ڈالا خدا کے فضل سے بہت تھوڑے دنوں میں پوری صحت ہو گئی، ۱۰۳۲ھ میں جہانگیر کشمیر کے دوران قیام میں سانس کی شدید تکلیف میں مبتلا ہوئے تو حکیم روح اللہ ہی نے ان کا علاج کیا۔ بادشاہ کو بائیں جانب دل کے قریب ہوا کی نالی میں گرانی اور رکاوٹ محسوس ہوتی تھی۔ روح اللہ نے تھوڑے دنوں ہلکی گرم ادویہ کا استعمال کیا جس سے تھوڑی تخفیف ہو گئی مگر پھر مرض میں شدت پیدا ہو گئی۔ اس بار پہلے بکری کا پھر اونٹنی کا دودھ دیا گیا کسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اسی دوران حکیم رکنا کاشی آگرہ سے کشمیر پہنچ گئے اور اس نے علاج شروع کیا حکیم روح اللہ پہلے ہی سے بادشاہ کے مزاج شناس ہو گئے تھے۔

۱۰۲۷ھ میں جہانگیر احمدآباد گجرات میں مقیم تھے وہاں کی آب وہوا کے اثر سے ان کی طبیعت کچھ خراب ہوئی حکیم نے کہا یہاں کی آب وہوا آپ کے موافق نہیں ہے شراب اور افیون میں کمی کردینی چاہیئے ۔ جہانگیر نے آپ کی رائے کا احترام کیا، اور دونوں چیزوں میں کمی کردی گئی ۔ اسی دن مرض میں افاقہ محسوس ہوا جہانگیر نے اس موقع پر آپ کو سو مہر اور ایک ہزار روپے عنایت کیے ۔ [1]

مولانا مقصود علی تبریزی

آپ نہایت صوفی صافی، تصوف اور عشق و محبت میں بے مثال، تذکیر اور تزکیۂ نفس، سیر فی اللہ، سلوک الی اللہ میں بے مثال تھے ۔ متداول علوم نہ صرف یہ کہ حاصل کیے بلکہ ان کا کمالِ استحضار تھا اور ساتھ ہی مسکنت اور درویشی آپ کا شعار و دثار اور اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا ۔ اسی بنا پر درویش اور طلاب کی ایک جماعت ہمیشہ آپ سے افادے و استفادے میں مشغول رہتی ۔ آپ بڑے زبردست صائم الدہر اور قائم اللیل تھے ۔ باوجود علائقِ دنیا سے الگ رہنے کے خانخاناں سے متعلق رہے ان کی طرف سے جاگیر بھی عطا کی گئی ۔ جب دکن کی فتح میں خانخاناں احمدنگر میں سہیل حبشی کے ہمراہ جنگ میں تھے تو اس وقت یہ بھی ساتھ تھے ۔ بعض کہتے ہیں میر بخشی منصب بھی ان کو خانِ خاناں کی طرف سے ملا ہے مگر میر عبدالباقی تبریزی کے ساتھ کچھ چپقلش رہی ۔ غالبًا اس کی وجہ سے یا دوسرے حاسدین کے حسد کی وجہ سے جہانگیر کی طرف سے جو آپ کو ولایت گجرات کی قضاء شرعی کا منصب عطا کیا گیا تھا وہ نہ صرف یہ کہ بعد میں آپ سے چھین لیا گیا بلکہ گوالیار کے قلعہ میں آپ کو

---

[1] اطبائے عہد مغلیہ ص۹ ۔

نظر بند کر دیا گیا۔ اور کئی سال تک گوالیار کے قلعے میں آپ محبوس رہے۔ ؎[1]

میر محمد ہاشم قصہ خواں

میر محمد ہاشم قصہ گو بدخشاں کے سادات میں سے تھے اور محترم آپ کا تخلص تھا قصہ گوئی میں بے نظیر تھے۔ عبدالرحیم خانخاناں جب فتح گجرات کیلئے متوجہ ہوئے۔ اس وقت سے یہ آپ کے ساتھ تھے اور ملا الٰہی شیرازی کہتے ہیں کہ آٹھ دس سال یہ مرزا عبدالرحیم خانِ خاناں کی خدمت میں رہے۔ اور عبدالرحیم خانِ خاناں کی مدح میں آپ نے اشعار کہے ہیں۔ ۱۰۲۴ھ میں آپ گولکنڈہ میں تھے آپ کے کچھ اشعار یہ ہیں۔ ؎

تا بکی باشد از ین بخت نکوہیدہ خصال
دامنِ وصل تہی مایہ ترا زدست خیال

طبع خواہش ز طلب مایہ دہ طبع نسیم
دل مہجور زغم شعلہ کش طبع زغال

دل و دستِ ستم ازمایۂ انصاف تہی!
درد وحشت ہوس از شوقِ وفا مالامال

دل جہاں شیفتۂ ذوق محبت کہ باد!!
ہر دم از بام و درِ دوست رسد غنج و دلال ؎[2]

---

[1] مأثر رحیمی صفحہ ۵۹۶ج ۳۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۰۰۴ج ۳۔

مولانا مشرقی

مولانا مشرقی ابن شیخ کبیر الدین ابن شیخ جیو۔ شیخ جیو احمد آباد کے بڑے علماء میں سے تھے۔ فقہ، کلام، تفسیر و اصول وغیرہ کے بڑے ماہر تھے۔ آپ کی تفسیر اس زمانے میں ہندستان میں بہت معتبر سمجھی جاتی تھی اور بڑی مشہور تھی۔ اور ہمیشہ انکی خدمت میں عقلاء، علماء کا مجمع رہتا تھا۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ شیخ جیو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں اور عرب سے آکر آپ کا خاندان احمد آباد میں متوطن ہوگیا تھا۔ اور شیخ کبیر کی ولادت احمد آباد ہی میں ہوئی اور وہیں پر آپ نے علوم وفنون حاصل کئے۔

مولانا مشرقی نے بھی ابتدائی طالب علمی کے بعد شعر و شاعری شروع کی اور ۱۰۱۵ھ میں عبدالرحیم خانِ خاناں سے وابستہ ہو گئے۔ عبدالرحیم خانخاناں کی صحبت میں رہ کر تاریخ و سیر کی کتابوں کی قرأت اور اسی طرح اخبار و روایات کی کتابیں کی قرأت آپ کے ذمہ رہی اور ان سے جاگیر پائی۔ اس پر گذارہ تھا اس کے باوجود آپ بڑے زاہد و عابد اور بہت دیندار تھے۔ [1]

میر دوستی سمرقندی

آپ فاضل علماء، شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ ابتدائی علوم سمرقند اپنے وطن میں حاصل کئے۔ وہاں آپ کی شہرت ہوئی اس کے بعد ہندوستان کا سفر کیا۔ مولانا عبدالباقی نہاوندی لکھتے ہیں!

۱۰۲۶ھ میں شہزادہ خرّم جب تسخیر دکن کے ارادے سے خاندیس

---

[1] مآثر رحیمی ج۳ ص۱۳۶۸۔

پہنچے تو اس وقت نہاوندی خانخاناں کے ساتھ تھے اور میر دوستی سمرقندی،
وہاں پر میر عبداللہ حاکم گجرات کے پاس تھے اس وقت وہاں ان سے ملاقات ہوئی
میر دوستی سمرقندی، مولانا شفقی بخارائی کے شاگرد تھے کہ نظم اور فن شعر انہی سے انہوں نے حاصل کیا
ایک مدت خانخاناں کے ساتھ رہے اس کے بعد سمرقند اپنے وطن واپس
لوٹے ۔ [1]

مولانا نادمی

فتح گجرات کے موقع پر شعراء کی جو جماعت عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ
تھی اس میں مولانا نادمی بھی شامل تھے ۔ آپ کا کلام نہایت متانت اور پختگی
والا ہوتا ۔ متقدمین کی طرز پر ہوتا تھا ۔ متاخرین کے طریق کو آپ نہیں جانتے
تھے ۔ کچھ عرصہ عبدالرحیم خانخاناں کی صحبت میں رہ کر آپ اپنے وطن
واپس لوٹ آئے ۔ [2]

میر محمد یوسف طبعی

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میر یعقوب ہے ۔ آپ
کے آباء و اجداد کی پیدائش بھی احمدآباد میں ہے ۔
مگر آپ کا اصل خاندان بخارا سے تعلق رکھتا ہے آپ کی ولادت بھی احمدآباد
میں ہے ۔ بچپن ہی سے عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ تعلق رہا ۔

---

[1] مآثر رحیمی ج۳ ص۳۳ ۔ [2] ایضاً ج۳ ص۱۲۷۹

کے ساتھ تعلق رہا۔ آپ کے اشعار مولانا عرفی کی روشں پر ہوتے ہیں۔
اور آپ کے اشعار
بڑے دلنشیں ہوتے تھے کچھ عرصہ آپ مولانا نوعی کی خدمت میں بھی رہے
اوران سے باحثہ ومناظرہ بھی رہا۔ اور مولانا نوعی کی آپ پر بہت زیادہ
توجہ تھی۔ اور آپ سے بہت زیادہ اعتقاد رکھتے تھے۔

آپ کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

عیدآمد کز سر نو عالم آرائی کند
چار طبع و پنج حس را راحت افزائی کند
با زبانِ ماہ نو گردون ہمی گوید کہ عید
ضعف می خواران مبدل باتوانائی کند

طبع مردم آنچناں آمادۂ کیفیت است
کز رہِ تاثیر در سر آب صہبائی کند
شد چناں بازار مستی گرم کز بس بیخودی
عقلِ ناداں در فنونِ عشق دانائی کند [1]

مولانا وامق بلخی

آپ بلخ کے باشندے ہیں، شیخ علم اللہ کے واسطے سے عبدالرحیم خانخاناں
سے تعارف ہوا۔ خانخاناں کے علاوہ حیاتی، گیلانی سے برہانپور میں بھی صحبت
رہی اسی طرح خان اعظم کے صاحبزادے مرزا شمس الدین کی خدمت میں کچھ عرصہ

---

[1] ماثر رحیمی صہ ۱۲۱۲ ج ۳

گجرات میں رہے ۔ اس کے بعد عبدالرحیم خانخاناں سے وابستہ ہوگئے ۔[۱]

مولانا نصیری

نصیری خانخانان کی فوج کے ایک سپاہی تھے ؛ شاہ نامہ کی بحر میں آپ نے خانخاناں کی سلطان مظفر کے ساتھ جو جنگ ہوئی اس کے واقعات کو نظم کیا ہے ۔[۲]

غازی خاں بدخشی

غازی خاں بدخشان کے علماء میں سے ہیں اور شاہی منصب دار بھی رہے ہیں ہمیشہ علماء ، صلحاء کی ایک جماعت آپ کے ساتھ رہتی تھی ۔ اور آپ ان کی تمام سفر وحضر کی ضروریات کو پورا کرتے تھے ۔ شیخ ابوالفضل سے بڑی دوستی تھی ۔ اسی لئے انہوں نے اپنی ہمشیرہ کو ابوالفضل کے نکاح میں دیا ۔

غازی خاں بدخشی اپنے انتقال تک خانخاناں کے ساتھ رہے اور انتقال کے وقت اپنے فرزند رشید ، خواجہ حسام الدین محمد کو خانخاناں کے سپرد کیا ۔[۳]

ابراہیم حسین دبیر

آپکی ولادت بلخ میں ہوئی ۔ اور کابل میں نشو ونما پائی ، اور اپنے والد کے ساتھ بچپن میں اکبر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے ۔ مگر یہ والد کا ساتھ کسی وجہ سے چھوڑ کر خانخاناں کی خدمت میں دکن پہنچ گئے ۔ فن شعرگوئی میں آپ مولانا

---

[۱] مآثر رحیمی ، صفحہ $\frac{۱۳۵}{ج ۳}$ [۲] ایضاً صفحہ $\frac{۱۵۰۸}{ج ۳}$ - [۳] ایضاً صفحہ $\frac{۱۹}{ج ۳}$

نوعی خبوشانی کے شاگرد تھے۔

ابراہیم حسین دیری ایک مدت تک گجرات میں عبداللہ خاں کے بخشی رہے اور ۱۰۲۴ھ میں پرویز بن جہانگیر کے ساتھ رہے۔ خانِ خاناں جب گجرات سے برہانپور گئے تو اس وقت دیری نے یہ قصیدہ کہا۔

باغ را پیرایۂ نو شد گل سلطانی نشست
بلبلِ خوش نغمہ بر شاخِ ثنا خوانی نشست [1]

حکیم مشہدی

مشہد کے باشندہ تھے، اور طب میں پوری مہارت رکھتے تھے، فن شعر میں بھی انہیں پورا سلیقہ حاصل تھا، اور مشاہیر شعراء میں شمار ہوتا تھا جس وقت عبدالرحیم خان خاناں گجرات کی مہم پر گئے۔ یہ نئے نئے خراساں سے آئے تھے۔ اور خان خاناں کی خدمت میں باریاب ہو کر اس کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے، اس کے بعد بھی خان خاناں کے ساتھ رہے۔ خان خاناں نے انہیں بے حد انعامات اور صلے عطا فرمائے۔ حکیم ان کی مدح میں قصائد لکھا کرتے۔ آخر کسی وجہ سے خانِ خاناں کی ملازمت سے الگ ہو گئے۔ [2]

مولانا شعری

فتح گجرات کے شروع میں خانِ خانان کے ساتھ رہنے والے شعراء میں سے شعری بھی ہیں جن کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ان کے چند اشعار حسبِ ذیل

---

[1] مآثر رحیمی ص۳۹۲ [2] اطبائے عہد مغلیہ ص۱۷۹۔

ہیں ۔ ؎

بازبادِ سحر از طرفِ گلستان آمد
بازجان در تنِ مرغانِ سحر خوان آمد
بازآمد بچمن شاہد گل جلوہ کنان
بلبل نغمہ سرا از در افغان آمد
بازچوں خیل پری گشت شگوفہ پیدا
بازبر تختِ چمن گل چو سلیمان آمد
بازشد باغ زبارانِ بہاری سرسبز
باز وقتِ طرب و سیر گلستان آمد [1]

مولانا حیدری

مولانا حیدری دارالسلطنت تبریز کے باشندے تھے۔ طوفی و وقوعی اور شریف کے ہمعصر اور لسانی کے آپ شاگرد تھے۔ جب شریف نے آپ کے استاد لسانی کے بارے میں زیادتی کی تو آپ نے اپنے استاد لسانی کا ساتھ دیا۔ اور ان کی طرف سے قصائد کہے۔

ایران میں کافی شہرت کے بعد تبریز سے ہندوستان پہنچے اور کافی مدت ہندوستان میں گذاری۔ شاہانِ ہند کے شعراء میں شمار ہونے لگے۔ بالخصوص اکبر بادشاہ کے درباری شعراء میں رہے۔ تین مرتبہ عراق سے آپ نے ہندوستان کا سفر کیا۔ طویل عرصہ مرزا عزیز کوکہ کے ساتھ آپ وابستہ رہے

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۴۴۴۔

بالآخر عبدالرحیم خانخاناں کے حملہ گجرات کے موقع پر آپ ان کے ساتھ تھے۔ ایران پہنچ کر کاشان میں ٹھہر گئے۔ اس لئے کہ کاشان میں ملا عبدالباقی نہاوندی کے بھائی خضر نہاوندی حکام میں سے تھے۔ ان کے ساتھ رہے اور وہاں ایک تصنیف شروع کی اور اپنے وطن تبریز جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں رومی، ترکی غالب آگئے تھے بلکہ آپ نے عراق کا سفر مناسب سمجھا۔ جو آب و ہوا اور علاقہ کی خوشگواری وغیرہ کے اعتبار سے ہر طرح سے موزوں اور مناسب تھا۔ [1]

مولانا صیدی

خانخاناں کے شعراء میں مولانا صیدی بھی تھے۔ جن کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہوسکے البتہ نہاوندی لکھتے ہیں کہ: ظاہر یہ ہے کہ صیدی کشمیری تھے۔ صیدی کے چند اشعار یہ ہیں جو خانخاناں کی مدح میں کہے گئے۔

آنکہ گجرات از عدالت او
خوش تر از کابل و بدخشاں است

آنکہ از ہیبت و صلابت او
تن اعدا چو بید لرزاں است

ای کہ در جود و در شجاعت و فضل
ہرچہ گویم ہزار چنداں است [2]

---

[1] مآثر رحیمی صفحہ ۱۳۲۸ ج ۳ - [2] ایضاً صفحہ ۱۳۶۵ ج ۳

مولانا نسبتی

نہاوندی لکھتے ہیں کہ نسبتی کے حالات بالکل معلوم نہ ہو سکے کہ آپ کہاں سے ہیں۔ البتہ لوگوں کا بیان یہ ہے کہ آپ عراق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر عراق کے کس علاقہ سے ہیں یہ معلوم نہیں۔ آپ بھی خانِ خاناں کے ساتھ گجرات میں رہے ہیں۔ [1]

میر عہدی

میر عہدی ایران کے شہر ری سے آپ تعلق رکھتے تھے۔ فن شاعری کے علاوہ علم رمل، نجوم، عروض، قافیہ سے بھی آپ کو واقفیت تھی۔ آپ کا کلام بھی نہایت پختہ ہوتا اور حکمت و دانش پر مبنی ہوتا تھا۔ فتح گجرات کے موقع پر آپ بھی خانخاناں کے ساتھ تھے اور آپ کی ملازمت میں رہ کر آپ نے جاگیر بھی حاصل کی۔ [2]

شاہ نظر بیگ اصفہانی افشاری

اصفہان کے علاقے کے رہنے والے تھے اور ان کے آباء و اجداد وہیں کے تھے۔ ان کے آباء و اجداد کو اس علاقے میں کافی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ آپ میر مغیث ہمدانی کے شاگرد ہیں۔ رباعیات کہنے میں آپ کو کافی دسترس

---

[1] مآثر رحیمی صفحہ ۱۳۸۶ ج ۲ [2] ایضاً صفحہ ۱۳-۵ ج ۳۔

حاصل تھی۔ ۱۰۲۳ھ میں آپ ایران کی بندرگاہ اردن سے گجرات پہنچے اور خانخاناں سے وابستہ ہوئے۔ چند سال ان کے ہمراہ رہ کر بیجا پور، گولکنڈہ، دکن ہوتے ہوئے پھر اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔ [1]

آقا جلال

آقا جلال سید شریف قزوینی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ سید شریف قزوین کے مشہور سادات خاندان سے تھے اور قاضی جہاں سیفی قزوینی کے چچازاد بھائی تھے۔ سید شریف ابتدائے عمر میں قزوین سے ہندوستان پہنچے اور اکبر بادشاہ کی ملازمت میں رہنے لگے۔ اس زمانے میں چونکہ مرزا ابراہیم حسینی ہمدانی کا بڑا شہرہ تھا۔ اس لئے اپنے بڑے بھائی آقا تقی کی طرح سے آپ نے بھی مرزا کی شاگردی اختیار کی اور ان کے طالب علموں میں شمار ہوئے۔ چونکہ ان کے جد امجد نقیب خاں ہندوستان میں منصب عالی پر فائز تھے اور صوبہ گجرات کے حاکم تھے۔ اس لئے ان کے لئے بھی ہندوستان پہنچنا آسان ہوگیا۔ یہاں شروع میں آپ خانخاناں سے وابستہ ہوئے اس کے بعد گولکنڈہ کی سیر اور میر محمد مومن استرآبادی سے ملاقات کے بہانے دکن چلے گئے۔ [2]

ملا حسن بلخی

آپ کا کلام سوز و درد سے بھرا ہوتا تھا۔ فتح گجرات کے موقع پر آپ

---

[1] مآثر رحیمی صفحہ ۱۴۷۱،۱۴۷۲،۱۴۷۳ ج ۳۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۴ ج ۳۔

بھی خانِ خاناں کے درباری شعراء میں شامل تھے۔ آپ کو جاگیر بھی عطا کی گئی تھی۔ مُلّا حزینی کے مولد و منشاء کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ حزینی تخلص رکھنے والے دو شاعر ایران میں گذرے ہیں ایک خراسان میں دوسرے نہاوند میں۔

مگر یہ دونوں بزرگ خراسانی و نہاوندی ہندوستان میں نہیں آئے۔ یہ حزینی کوئی اور ہیں۔ عبدالرحیم خانِ خاناں کے احمد آباد کے کتب خانے کے متعلق حزینی کے اشعار حسبِ ذیل ہیں۔ ؎

تا علم افراختہ شاہِ سخندانِ علم
رخشِ سخن تاختہ بر سرِ میدانِ علم
تیغِ زبان کردہ تیز صف شکنِ بیگریز
خاصہ براھلِ ستیز در صفِ مردانِ علم [1]

مولانا محمود

مولانا محمود بھی عبدالرحیم خانِ خاناں سے وابستہ شعراء میں سے تھے۔ آپ کے حالات زیادہ معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ طویل عرصہ خانِ خاناں کے ساتھ رہے ہیں۔ [2]

---

[1] مآثرِ رحیمی ج ۳ ص ۱۱۹۵ [2] ایضاً ج ۳ ص ۱۳۷۲۔

فہرست مراجع

نام کتاب	تالیف / تصنیف	ناشر
طبقاتِ اکبری	خواجہ نظام الدین احمد	اردو سائنس بورڈ ۲۲۹- اپر مال، لاہور
ظہیر الدین محمد بابر	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	معارف پریس اعظم گڑھ
منتخب التواریخ		شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور
تاریخِ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ	شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور
تذکرہ اولیائے پاک و ہند	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب	الفیصل پبلشنگ کمپنی، لاہور
بزم صوفیہ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی
الفوائد البہیۃ		قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
تحقیق ماللہند	ابوریحان محمد بن احمد البیرونی	عالم الکتب
العقد الثمین	تقی الدین محمد	
خطوطِ مشاہیر	مولانا عبدالماجد دریابادی	تاج کمپنی لمیٹڈ، قرآن منزل ریلوے روڈ، لاہور
طبقات الشافعیۃ الکبریٰ		
نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنو	مولانا سید عبدالحی بریلوی	مقبول اکیڈمی، ۱۹۹- سرکلر روڈ، چوک انارکلی لاہور
تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی	مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور
تذکرہ صوفیائے میوات	محمد حبیب الرحمٰن خان میواتی	مکتبہ مدنیہ، اردو بازار، لاہور

توزک جہانگیری	اعجاز الحق قدوسی	مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور
نہایۃ الارب		
تذکرۃ النجاۃ		
سندھی اولیاء	سید محمد مطیع اللہ	سندھی ادبی بورڈ جام شورو حیدرآباد
مقاماتِ مظہری	حضرت شاہ غلام علی	اردو سائنس بورڈ، اپر مال، لاہور
رودِ کوثر	شیخ محمد اکرام	ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور
طبقاتِ ناصری	منہاج سراج	
الطبقات الکبری		
طبقات المفسرین		دارالکتب، بیروت
طبقات ناصری		مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ، لاہور
انباہ الرواہ	محمد ابوالفیصل ابراہیم	
تذکرہ مشائخ کرام	حسن برادرز	حسن برادرز، لاہور
سیر العارفین	حامد بن فضل اللہ جمالی	اردو سائنس بورڈ ۲۲۹، اپر مال لاہور
البدر الطالع	للقاضی العلامہ شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانی	
سفرنامہ ابن بطوطہ	رئیس احمد جعفری	نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی
	محمود شکوی آلوسی	مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ لاہور
الضوء اللامع		
اخبار الاخیار	ابوالمجد شیخ	مدینہ پبلشنگ بندر روڈ کراچی
تاریخ ادبِ اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی	مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور
خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور

تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی		اردو سائنس بورڈ، اپر مال لاہور
المسک الاذفر	محمود شکری	
تاریخ دعوت و عزیمت	سید ابوالحسن علی ندوی	مجلس نشریات اسلام
تین تذکرے	محمد احمد فاروقی	
بزم تیموریہ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی
معین الارواح		
تذکرۂ غوثیہ	سید غوث علی شاہ	دارالاشاعت، مولوی مسافر خانہ کراچی۔
مسلم ثقافت	عبدالمجید سالک	ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور
ابجد العلوم		
تاریخ مشائخ چشت	خلیق احمد نظامی	مکتبہ عارفین
مخدوم جہانیاں جہاں گشت	پروفیسر محمد ایوب قادری	ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک کراچی
گلزار صوفیاء	عالم فقری	
طبقات اکبری	محمد ایوب قادری	اردو سائنس بورڈ، اپر مال لاہور
ظہیر الدین محمد بابر	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	معارف پریس اعظم گڑھ

اشاریہ

☆ اسماء

☆ اماکن

☆ سنین (عیسوی)

☆ سنین (ہجری)

☆ کتب

☆ مساجد

فہرست نمبر ا

اشاریہ

اسماء

اشاریہ اسماء

ا

ب

پ

ت

ث

ج

ح

خ

د

ذ

ر

ز

س

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

ن

و

ہ

ی

فہرست نمبر ۲

اشاریہ اماکن

ا

پ

ٹ

ج

خ

د

فہرست نمبر ۳

اشاریہ

سنین (عیسوی)

سنین عیسویہ

فہرست نمبر ۴

اشاریہ

سنین (ہجری)

سنین ہجریہ

فہرست نمبر ۵

اشاریہ کتب

ا

ت

ث

ج

ح

خ

د

ذ

ر

ز

س

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ک

گ

ل

م

ن

فہرست نمبر ٦

اشاریہ

مساجد

مساجد